ماہنامہ
مہر و ماہ
لاہور
ایک فقیدُ المثال
"یادگارِ موسیٰ"
محققِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نوراللہ مرقدہ

فرید العصر الحاج حضرت میاں علی محمد خان رحمۃ اللہ علیہ (سجادہ نشین بسی شریف)
حکیم صاحب کے مرشدی و مولائی ------ کی ایک یادگار تصویر

بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
كتبه الفقير نفيس الحسيني اللاهوري غفر الله ذنوبه وستر عيوبه في رمضان المبارك سنة ١٤١٣

پاکیزہ اور صحت مند ادب کا علمبردار

ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور

بابت ماہ
جنوری۔فروری ۲۰۰۰ء

۴۷
۱۲-۱

کا

ایک فقید المثال "یادگارِ موسیٰ" شمارہ

چیف ایڈیٹر :
ابو الطّاہر فدا حسین فدا

...یرانِ اعلیٰ :
...دار علی احمد خاں

مدیران :
- طاہر ابدال طاہر
- میاں محمد سلیم حماد
- سرفراز احمد راہی
- سیّد عارف محمود مہجور رضوی

انتظامیہ
★ خضر محمود خضر
★ میاں صابر علی قادری
فون :
۷۶۶۰۰۱۳
۷۶۵۵۸۷۰

...اورت :
...ر سیّد اختر جعفری
...کٹر شبیہ الحسن
...عالم مختار حق

بدل اشتراک :

زرِ سالانہ : ۱۲۰/۰ روپے
عام اشاعت : ۱۵/- روپے
خصوصی اشاعت : ۵۰/- روپے

مشیرانِ قانون
- محمد اسلم خان بٹر ایڈووکیٹ
- اعجاز احمد خان ایڈووکیٹ

...لیشن مینجر :
...الدین خان
...بت :
...احمد انیس (خطاط)

...ندرجہ بالا اسمائے گرامی ادارہ مہر و ماہ کے ساتھ اعزازی طور پر منسلک ہیں !

...حسین فدا ○ مطبع : لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور ○ مقام اشاعت : 373/E، اندرون موچی دروازہ۔ لاہور

قابلِ مطالعہ کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
حلیہ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)	مفتی مظفر احمد قادری	15/-
حقیقت بیعت	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری	10/-
کتاب العقائد سوالاً وجواباً عام فہم کتاب	صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی	9/-
القول الجلی فی ذکر آثار الولی (اردو)	مولانا محمد عاشق پھلتی	200/-
اسلامی تعلیم (سوال وجواب کی صورت میں)	مفتی جلال الدین احمد امجدی	30/-
الارشاد (میلاد شریف پر ایک علمی و تحقیقی جائزہ)	علامہ محمد عالم آسی علیہ الرحمتہ	30/-
عمدۃ الاصول فی حدیث الرسول (فن حدیث)	علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی	66/-
میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی	ابو کلیم محمد صدیق	18/-
خصائص رسول صلی اللہ علیہ وسلم (عربی) شیخ ابراہیم ملا خاطر	(مترجم: مولانا یٰسین اختر مصباحی)	55/-
سائنس امت مسلمہ کی گمشدہ میراث	ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی	9/-
کشف المحجوب (اردو) (جدید ایڈیشن)	مترجم: مفتی سید غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمتہ	120/-
سیرت رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم)	علامہ پروفیسر نور بخش توکلی علیہ الرحمتہ	120/-

مسلم کتابوی دربار مارکیٹ گنج بخشؒ لاہور-54000 فون :7225605

ابوالطاہر فدا حسین فدا
مدیر مسئول

آفتابِ تصوف
مرتبہ
ابو الطاہر فدا حسین فدا
مقام اشاعت ادارہ مہر و ماہ ۳۷۳/ای اندرون موچی گیٹ لاہور

مجلسِ مشاورت

ڈاکٹر شبیہ الحسن

طاہر ابدال طاہر

فہرست

دبستانِ موسیٰ

حکیم محمد موسیٰ امر تسری کی تحریریں

اخبار غم

مشاہیر کی آرا:

خراج عقیدت

دیس پنجاب

حمد و مُناجات

ابُوالمعانی مومنِ ثانی حضرت علامہ تاج الدّین احمد تاجؔ عرفانی مرحُوم

مَیں وجُودِ عجز و نیاز ہُوں، تری معرفت کی نگاہ میں
مَیں شکستہ پا و شکستہ دِل ہُوں تری تلاش کی راہ میں

رگِ موجِ آبِ رواں میں تُو، لبِ سبزہ پر تری گفتگو
ہے ترا جلال ہی مہر میں، ہے ترا جمال ہی ماہ میں

ہے تُو ہی حرارتِ جسم و جاں ہے تُو ہی قرارِ دلِ تپاں
اُسے چاہِ آبِ بقا ملا، ہے جو غوطہ زن تری چاہ میں

تری رحمتوں کی اُمّید ہی، مِری زندگی کی جھلک ہے بس
کئی مضطرب ہیں تجلّیاں، مِرے ابرِ جرمِ سیاہ میں

کوئی تیر ہو نہ خطا کبھی، بہ ہدف دُعائیں رہیں مِری
وُہ اثر دے ربِّ کریم تُو، دلِ غم رسیدہ کی آہ میں

مَیں ہُوں خود ہی نادِم و مُنفعِل، دلِ ناسپاس نے کیا کیا؟
ہُوئیں مجھ سے لغزشیں پے بہ پے، جو زبانِ حال تباہ میں

اسے دے حلاوتِ شُکرِ ربّ، تُو بنا دے تاجؔ کو خوش عمل
ہُوئی اس کی زندگی تلخ ہے، جو وفُورِ ذوقِ گناہ میں
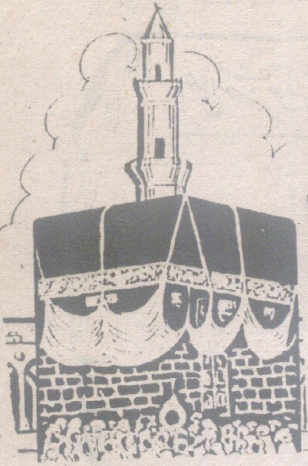
اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ

زمزمۂ نعت
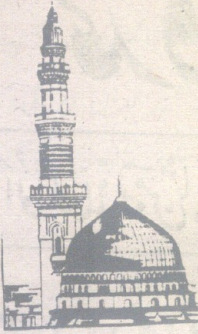
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کی پسندیدہ نعت

پُل سے اُتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو

فریاد اُمّتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

کہتی تھی یہ بُراق سے اُس کی سُبک روی
یوں جائیے کہ گردِ سفر کو خبر نہ ہو

ایسا گما دے اُن کی وِلا میں خدا ہمیں
ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

اوّل حرم کو روکنے والوں سے چھُپ کے آج
یوں اُٹھ چلیں کہ پہلو و بر کو خبر نہ ہو

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

اُن کے سوا رضا کوئی حامی نہیں جہاں
گزرا کرے پسر پہ پدر کو خبر نہ ہو

اداریہ
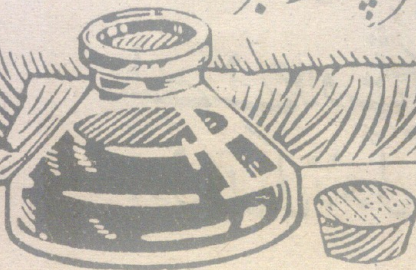
لاہور کا ارسطو

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

ہم ایک مردہ پرست قوم ہیں۔ ہم لوگوں کی فطرت ثانیہ یہ ہے کہ ہم زندہ افراد کی پذیرائی نہیں کرتے تاہم رحلت کے بعد یہی افراد ہمارے لئے موجب افتخار بن جاتے ہیں۔ ہم ان کے جملہ عیوب سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کے محاسن کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ اس طرز عمل نے ہمیں بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ معتبر افراد کی پذیرائی نہ ہونے کے سبب ان کے تخلیقی رویے دب جاتے ہیں اور وہ دل کھول کر ان کا اظہار نہیں کرپاتے۔

مشہور یونانی مفکر ارسطو بنیادی طور پر ایک طبیب تھا۔ وہ نبض دیکھ کر مریض کی کیفیات سے آگاہ ہو جاتا تھا اور اس کا تسلی بخش علاج کرتا تھا۔ ارسطو کی یہی طبابت اس کے افکار و نظریات کی تشکیل میں بھی معاون ہوئی۔ آپ اس کی تخلیقات کا بغور مطالعہ فرمایئے تو آپ دیکھیں گے کہ عالم فاضل ارسطو بنیادی طور پر ایک طبیب تھا اور اس نے اپنی حکمت و دانائی سے تمام دنیا کے کمزور فہموں کا علاج کیا ہے۔ ارسطو کی طرح حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے بھی لاہور میں اپنی فہم و فراست کو لوگوں میں تقسیم کیا ہے۔ انہوں نے ادویہ کے ذریعہ افراد کا جسمانی اور افکار کے ذریعہ

روحانی علاج کیا ہے ان کی حکمت و دانش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم انہیں "لاہور کا ارسطو" قرار دے سکتے ہیں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری برصغیر کے ایک علمی و دینی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اس افتخار کو اپنے سینے سے لگائے رکھا لیکن اسے تکبر و نخوت کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے عمر بھر محنت و مشقت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے تحقیقی کارناموں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اجداد کی جلائی ہوئی شمع کی لو کو مزید تیز کیا ہے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے وقیع کارناموں کا احاطہ ممکن نہیں تاہم ان کی تین حیثیات مسلم ہیں۔ انہوں نے پہلی سطح پر پاکستان کے مسلمانوں کی مذہبی و اخلاقی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس حوالے سے ان کی تقاریر اور تحریریں ہمارے موقف کی تائید کریں گی۔ دوسری سطح پر انہوں نے عوام الناس میں ادبی شعور اجاگر کرنے کی شعوری کوشش کی۔ اس سلسلے میں ان کی ادبی تخلیقات اور "بزم آرائیاں" ثبوت کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ تیسری سطح پر ان کی وہ تمام کاوشیں ہیں جو انہوں نے طب کے میدان میں کیں اور ان سے شہرت عامہ حاصل کی۔

ماہنامہ "مہر و ماہ" ایک طویل عرصہ سے اس فکر میں تھا کہ کسی طرح "موسیٰ امرتسری نمبر" شائع کر دے لیکن ہماری یہ مساعی جمیلہ رائیگاں گئیں کہ حکیم صاحب اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ حکیم صاحب کی رحلت ہمارے لئے ایک المیہ بھی ہے اور سانحہ بھی۔ المیہ اس لئے کہ ہم ان کی زندگی میں ان کی حقیقی قدر و منزلت نہ کر سکے اور سانحہ اس لحاظ سے کہ اب ایسی بلند قامت اور پر عظمت شخصیت خدا جانے نصیب بھی ہو گی یا نہیں ہو سکتا ہے کہ "مہر و ماہ" کا "موسیٰ امرتسری نمبر" ہماری گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی کر دے۔

ہم ان تمام احباب کے صمیم قلب سے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس رسالے کے لئے نثری یا شعری تخلیقات بروقت ارسال کیں۔ ہم اس نمبر کو خوب سے خوب تر بنانے کے متمنی ضرور تھے لیکن حالات کی ستم ظریفی کے سبب ایسا نہ ہو سکا۔ ہمیں ایک اطمینان ضرور ہے کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری (مرحوم) کے مقام و مرتبہ کا بار دگر تعین اسی رسالے سے کیا جائے گا۔

چشمِ معنی آشنا میں ہے مقام ان کا وہی
سہو کاتب سے مقدم ہوں موخر سینکڑوں

ڈاکٹر شبیہ الحسن

○○○

تحفۂ اخلاص و مودت

بحضرۃ حکیم اہل سنت الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی قادری زید مجدہٗ

از قلم حقائق رقم: ابو الطاہر فدا حسین فدا مدیر اعلیٰ ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور

نقیب دینؐ و زعیم ملت۔ کلید حکمت، مہِ فضیلت
رضائے احمد رضا کا بندہ ہے پاسدار کتاب و سنت

یہ ہے گل سر سبد کی نزہت جھکا ہے جس پہ سحاب رحمت
ریاض دین متیں میں ہر سُو ہیں جس نے پھیلائے نور و نکہت

حکیم موسیٰ وہ عبقری ہے مثیل اس کا کہاں ہے کوئی
ادب نواز و ادب شناس و ز اہلِ وجداں شعورِ فطرت

علوم شرع مبیں کا عامل امین دین حنیف برحق
جناب ختم رسل کا بردہ خوشا بہ نازش ز فخر نسبت

رسول اکرم کا یہ فدائی۔ فدائے سرکار اولیا ہے!
مطیع احکام رب ایزد ہے قاطع شرک و کفر و بدعت!

بحور فن کا یہ درج گوہر۔ خزینۂ در شاہواراں!
محققوں ناقدوں کا رہبر۔ جہاں میں اس کا ہے دم غنیمت

غلام خواجہ و غوث اعظم۔ گدائے شاہنشۂ دو عالم
فدا یہ محبوب پاکبازاں، ہے خضر صورت فرشتہ سیرت

بحضورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم
بلغ العُلیٰ بکمالہٖ
کشف الدُّجیٰ بجمالہٖ
حَسُنت جمیعُ خصالِہٖ
صَلّوا علیہ وآلہٖ
علیہ الصلوٰۃ والسلام
کلام شیخ سعدی
منیر احمد انیس تلمیذ زمرد رقم

حکیم موسیٰ وہ عبقری ہے مثیل اس کا کہاں ہے کوئی
ادب نواز و ادب شناس و رازِ اہلِ وجداں شعورِ فطرت

★ —— فدا
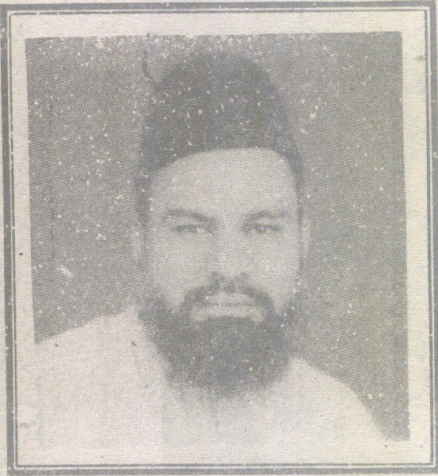
فن اور شخصیت

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی عہد ساز شخصیت کے باب میں معروف دانشوروں کی بے عدیل تحریریں!
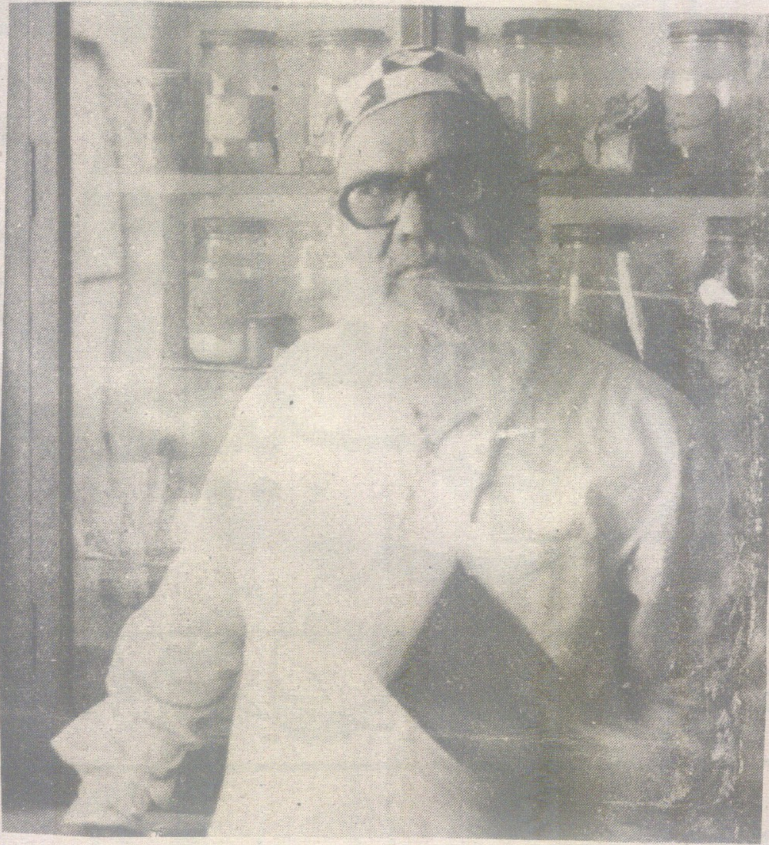
حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

انسان آرزوم انسان آرزم

سید اویس علی سہروردی - ایڈیٹر "مجلہ سہرورد" لاہور

مشرق و مغرب کے سب مفکرین اس پر متفق ہیں کہ علم ایک روشنی ہے اس کا اعتراف بھی سبھی کرتے ہیں کہ علم کی قدر و منزلت، اہمیت بھی آفاقی حیثیت رکھتی ہے۔ علم جویان راہ ہے اس کی آغوش میں تہذیب و تمدن پروان چڑھتے ہیں اعلیٰ اقدار کی پختگی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانیت اپنے منہاج کی طرف عروج کرتی ہے۔ یہی پختہ کاری افراد اور اقوام کے عروج و زوال کے اسباب میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

علم کی فضیلت اور ہمارا بحیثیت قوم اس بارے میں رویہ کیا ہے؟ یہ ہم سب کے سامنے ہے۔ اس وقت مزید اس پر کچھ کہنے سننے کا یہ موقع اور محل تو نہیں مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ختمی المرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مطہرہ بھی علم حق (Knowledge of Divine Wisdom) کی عملی تفسیر ہے اور اسی لئے رب کریم نے آپ کی ذات اقدس کو تمام بنی نوع انسان کے لئے اسوہ حسنہ (Beautiful Model Complete) قرار دیا ہے۔

اب یہ قاعدہ و کلیہ قرار پایا کہ جو بھی مالک حقیقی کا عرفان چاہے اسے سرور دیں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے راستہ کو اپنانا ہو گا اسی لئے آپ ہی کا ارشاد ہے۔ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔

اسلام کے دور اول میں یہی مفہوم رو بہ عمل رہا۔ بعدہ، علمی موشگافیوں اور فکری انحطاط کے سبب اس مفہوم سے ملت دور ہوتی چلی گئی چنانچہ اس کے اثرات ہمارے سامنے ہیں۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری (م 17 نومبر 1999ء) کو آج ہم جتنے مرضی القابات دے لیں انہیں محقق عصر لکھیں یا حکیم دوراں میرے نقطہ نظر سے ان کی حیات کا وہ حصہ جو اس فقیر کے سامنے گزرا (جو قریباً" بیس سال پر محیط ہے) وہ میرے ابتدائی کلمات کا پرتو تھا۔ آپ کے سینے میں جو تڑپ ملت کے علمی اور اخلاقی زوال کو عروج پذیر کرنے کے لئے تھی وہ میں نے بڑی شدت سے محسوس کی ہے۔ یقیناً وہ آپ کے قریب بیٹھنے والے تمام بالغ نظر بھی محسوس کرتے اور دیکھتے ہوں گے۔

جناب حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گو کہ بظاہر بیشمار علمی تصنیفات تو نہیں چھوڑیں مگر ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے کئی افراد کو اپنی ذات میں ادارے بنا ڈالا ہے۔ آپ نے اپنے پاس آنے والے حضرات کو غیر محسوس طریقے سے علم دوستی اور علم پروری کا سبق دیا ہے۔

مختصر الفاظ میں اگر کوئی جناب کی زندگی کا درس مجھ سے پوچھے تو میں مختصراً" یہی کہوں گا کہ آپ نے کمال اخلاص سے ملت اسلامیہ کے لئے علم دوستی اور علم پروری کا درس دیا ہے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم کتاب دینا تو درکنار کتاب دکھانا بھی پسند نہیں کرتے اور آپ نے علم کی وہ میراث جو کتابوں کی صورت میں تھی وہ ملت کی سب سے مقتدر پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے سپرد کر دی اور جو اخلاق کی صورت میں

تھی وہ اپنے قریب آنے والوں میں بانٹ دی۔ وہ فقیر جو اپنی تحریروں کے آخر میں خاک پائے درو منداں لکھتا تھا بظاہر خالی ہاتھ اس دنیا سے رخصت ہو گیا مگر حقیقتاً وہ اپنے مالک اور ملت کے نگہبان علیہ الصلوۃ والسلام کے حضور ایسی سرخروی پا گیا کہ جہاں ایسے فقیروں کی بڑی قدر و منزلت اور پذیرائی ہوتی ہے، انہیں وہاں متاع کثیر کا مالک بنا دیا جاتا ہے جس کی حقیقت اہل نظر ہی خوب جانتے ہیں۔

میری نسبت حضرت خواجہ ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہ (م 1958ء) کے صاحب اجازت حضرت خواجہ صوفی محمد نذیر غوری سہروردی قدس سرہ (م 1995ء) مدفون نیو شادباغ سے ہے۔ 1980ء میں آپ کی ایک تصنیف "سیاح لامکاں" کی اشاعت مکرر کے سلسلہ میں آپ کے ایک خادم محمد عثمان خان (نسبت روڈ لاہور) کی وساطت سے آپ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ مجلس رضا کے حوالہ سے آپ سے غائبانہ تعارف تو تھا مگر ملاقات پہلی تھی آپ نے جب میرا مدعا سنا تو ازحد خوش ہوئے کہ سلسلہ سہروردیہ کی کتابوں کی اشاعت کا انتظام ہو رہا ہے۔ آپ نے بڑی محبت سے اپنے تاثرات لکھے جو "سخنان چند" کے عنوان سے شامل کتاب ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد تو ایسے ہوا جیسے حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر اپنی شفقت و عنایات کے باب کھول دیئے۔ ہر ملاقات پر نہ صرف بہترین کتابیں اور کتابچے عنایت فرماتے بلکہ آپ ملاقات کے لئے آنے والے غیر ملکی طالب علموں اور محققین کو اپنے کسی دوست کے ساتھ میری طرف روانہ فرماتے اور ساتھ محبت بھرا خط ہوتا جس میں ان کی علمی ضروریات کو پورا کرنے کا اشارہ بھی ہوتا۔ سلسلہ سہروردیہ پر تحقیقات کے لئے موزوں کتب کی نہ صرف نشاندہی بلکہ ان کا

حکیم صاحب سید محمد اویس سہروردی کے ہمراہ

حصول بڑا آسان بنا دیتے۔ کئی نایاب کتب کی فوٹو کاپی بغیر طلب کے مجھے پہنچا دینا آپ کی عادت شریفہ تھی۔

جب میں نے مجلّہ "سہرورد" کا اجراء کیا تو اس سلسلہ میں آپ ہی کی رہنمائی نے اسے بین الاقوامی شہرت دلوائی۔ ایران اور بھارت کے بیشمار محققین سے رابطہ ہوا سب سے بڑھ کر ڈاکٹر عارف نوشاہی اور جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی جیسے اساتذہ سے اکتساب آپ ہی کا فیضان ہے۔

میرے قبلہ گاہی حضرت خواجہ محمد نذیر غوری سہروردی (م 1995ء) علاقہ نیو شادباغ میں ہی رہائش پذیر تھے۔ آپ تکوینی بزرگوں میں سے تھے۔ میں آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا چنانچہ کبھی کبھی قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی چلا جاتا میرا حکیم صاحب سے جو تعلق تھا اس کی خبر میرے قبلہ گاہی قدس سرہ کو بھی تھی چنانچہ آپ اکثر مجھے حکیم صاحب کے بارے پوچھتے رہتے۔ قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر میرے ہاتھ آپ کی خدمت میں سلام و پیام روانہ فرماتے اور کبھی کبھار میرے ساتھ آپ کی خدمت میں بھی چلے جاتے۔ یہ محبت دونوں بزرگان کے درمیاں آخر عمر تک قائم رہی اور آپ بعد از وصال حضرت قبلہ گاہیؒ (1995ء سے) 1999ء تک بھی اکثر ان کے مزار واقعہ نیو شادباغ فاتحہ خوانی کے لئے جاتے رہتے۔ قبلہ حکیم صاحب سے فقیر کی آخری ملاقات میں بھی جو آپ کے وصال سے 11 دن پیشتر تھی، آپ نے مجھے ارشاد فرمایا سید صاحب حضرت صاحب کا نام نامی جو کمرہ سے باہر آپ نے لکھوایا ہے وہ چونکہ بہت اونچا آویزاں ہے اس لئے گلی سے گزرتے ہوئے آدمی کو پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے آپ حضرت غوری رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ احوال لکھوا کر آدمی کی نظر کے برابر لگوا دیں چنانچہ میں نے دو کتبات ڈھائی اور چار فٹ کے وہاں لگوا دیئے ہیں جن میں ایک پر آپ کے احوال اور ایک پر شجرہ سہروردیہ درج ہے۔

افسوس کہ یہ کتبات جو آپ کی تحریک پر لگے، میں آپ کو نہ دکھا سکا۔

خیر بات دونوں بزرگوں کے تعلقات پر ہو رہی تھی جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ میرے قبلہ گاہی قدس سرہ کا شمار تکوینی بزرگوں میں ہوتا تھا اور آپ اس ضمن میں بڑے محتاط بھی تھے مگر پھر بھی کبھار میرے تالیف قلب کے لئے آپ کچھ تکوینی معاملات اپنے اس غلام پر منکشف فرما دیتے تھے۔ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دوران گفتگو قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے پوچھا اور فرمانے لگے "ان کا کیا ہوا کام آگے کاؤنٹ ہو رہا ہے انہیں میرا سلام کہنا۔"

میں نے اگلی ملاقات میں حکیم صاحب کو سلام تو پہنچا دیا مگر دوسری بات نہیں پہنچائی کہ مبادا حکیم صاحب کہیں یہ نہ سوچیں کہ میں اپنے قبلہ گاہی کی مشہوری کر رہا ہوں۔ عرصہ گزرا ایک دن میں آپ کے مطب حاضر ہوا دوران گفتگو آپ سنی مولویوں کے بارے افسوس کا اظہار فرما رہے تھے چونکہ اس وقت ہم دونوں ہی تھے اس لئے میں نے اپنے قبلہ گاہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد آپ کے گوش گزار کرتے ہوئے عرض کیا جناب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ آپ نے میری بات سنی عینک بدلی جو کسی مریض کے نسخہ لکھنے کی وجہ سے تبدیل ہو چکی تھی۔ میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کہ یہ بات کب اور کیسے ہوئی؟ میں نے تفصیل اور وقت بتایا تو آپ نے آبدیدہ ہو کر شکر الحمدللہ کہتے ہوئے فرمایا میری اس سے بڑی اور سعادت کیا ہو سکتی ہے بعد ازاں آپ مجھے ساتھ لے کر ایک شام قبلہ گاہی کے در دولت پر حاضر ہوئے وہاں ماہانہ ختم تھا چنانچہ آپ کافی دیر حضرت قبلہ گاہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے راز و نیاز کی گفتگو کرتے رہے۔

میں ان دنوں جب پہلے پہل آپ کی خدمت میں حاضر

ہوا ایک کھیل باسکٹ بال کا بین الاقوامی کھلاڑی تھا علم شناسی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا مگر آج یہ سطور لکھتے ہوئے میں قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فیضان کا اعتراف کرتا ہوں کہ آپ ہی کی رہنمائی کی بدولت مجھے سلسلہ سہروردیہ کے ماخذات اکٹھے کرنے اور اس بارے کچھ لکھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی تحریک پر شروع ہونے والی کتاب "جویائے حق" جو حضرت خواجہ محمد نذیر غوری سہروردی قدس سرہ کے احوال و مقامات اور ملفوظات کے ضمن میں ہے۔ آپ کے وصال کے بعد شائع ہو رہی ہے۔ آخری ملاقات جو آپ کے وصال سے گیارہ دن پیشتر تھی، میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ سید صاحب آپ اس کا مسودہ کسی دن گھر لے آیئے گا میں حسب حیثیت اس پر کچھ تحریر کرنے کی کوشش کروں گا اور ساتھ ہی اپنی کتابوں کی فہرست دیتے ہوئے ایک الہامی فقرہ بھی ارشاد فرمایا "جتنا کام اس دور میں ہو جائے کم ہے یہ فہرست لیتے جایئے گا پھر پتہ نہیں ملاقات ہو یا نہ ہو۔" واقعی یہ آپ سے میری آخری ملاقات تھی۔

از بزم طرب بادہ گساراں رفتند
ور قید جنوں سلسلہ واراں رفتند
تو کوہ کن ماند و نے مجنوں صفتے
مایا کہ دیاراں رفتند

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ ــــ ایک عہد ساز شخصیت

اسلم کاشمیری

حکیم محمد موسیٰ امرتسری جن کا انتقال 17 نومبر 1999ء کو لاہور میں ہوا صحیح معنوں میں ایک عظیم انسان تھے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک ادارہ تھے۔ انہوں نے کچھ اپنے خاندانی اثرات اور کچھ اپنی تحقیق کے تحت اہلسنت والجماعت کے مسلک کو صحیح مسلک تسلیم کرتے ہوئے پاکستان میں مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کی نگارشات کی اشاعت کے لئے انتھک کام کیا۔ اور اس سلسلے میں وقت اور مال کی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ طب کی خدمت انہوں نے اس خلوص سے انجام دی کہ جو لوگ ان کے زیر علاج رہے وہ اس امر کے گواہ ہیں کہ حکیم صاحب میں لالچ نام کو نہ تھا اور وہ خالص اجزاء پر مشتمل دوائیں تیار کراتے اور کم قیمت پر اپنے مریضوں کو دیتے تھے۔ اس شعبے میں ان کی مقبولیت اور فنی مہارت کا یہ عالم تھا کہ وہ اگر اپنی توجہ محض طباعت پر مرکوز رکھتے تو وہ اس کی آمدنی سے لاکھوں کروڑوں کی جائیداد چھوڑ جاتے۔ ان کی بے لوثی اور ایثار پیشگی اس امر سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی ہزاروں قیمتی کتابیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو بلا معاوضہ دے دیں جن کی فہرست تین جلدوں میں چھپ چکی ہے اسی پر بس نہیں وہ اپنی کمائی کو ذاتی ملکیت نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ ہر ماہ کئی اہل حاجت کی خفیہ طور پر مالی امداد بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کی رحلت پر لاہور یا پنجاب یا پاکستان ہی نہیں برصغیر کے لاکھوں اصحاب دلی طور پر سوگوار ہیں۔

سطور بالا اس تفصیل کا اجمال ہیں جو ہم سطور ذیل میں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

حکیم محمد موسیٰ صاحب کے والد گرامی حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری ایک بلند پایہ طبیب اور شب زندہ دار عابد و زاہد بزرگ تھے۔ طریقت میں آپ حضرت الحاج میاں علی محمد صاحب چشتی نظامی ہوشیار پوری سے بیعت تھے۔ تقسیم پاک و ہند پر آپ لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ آپ کے افادات "مجربات فخر الاطباء" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی اپریل 1952ء میں بعمر 86 سال اس دار فانی سے رحلت کر گئے اور مزار حضرت میاں میر کے جوار میں مدفون ہوئے۔ حکیم فقیر محمد چشتی جب امرتسر میں مقیم تھے تو ان کا

شمار مقامی مسلمانوں کے اکابر میں ہوتا تھا اور اپنے لائق فرزند کی طرح ان کا بھی یہی عمل تھا کہ غریب غرباء کو مفت دوائیں دیتے تھے۔ دوائیں صحیح اور پورے اجزاء سے تیار کراتے اور نرخ کم رکھتے تھے۔ امرتسر میں جتنی بھی دینی اور قومی تحریکات اٹھیں ان میں اس خاندان کی شرکت لازمی تھی لیکن اس چیز کو انہوں نے کبھی نمود و نمائش کا ذریعہ نہیں بنایا۔ حکیم فقیر محمد چشتی صاحب نے اپنے ہونہار فرزند کی علمی و دینی تعلیم و تربیت کے لئے مولانا علامہ محمد عالم آسی امرتسری کو منتخب کیا جو اس وقت برصغیر کے گنتی کے چند علماء میں شمار ہوتے تھے۔ دینی علوم اور عربی زبان و ادب پر مولانا آسی رحمۃ اللہ علیہ کی دسترس کا اعتراف ان کے نظریاتی مخالفین کو بھی تھا۔ خود حکیم فقیر محمد چشتی مرحوم نے بھی ان سے علمی فیضان حاصل کیا تھا۔

حکیم محمد موسیٰ صاحب کی شعوری عمر کا آغاز امرتسر سے ہی ہو گیا تھا۔ وہ وہاں تحریک پاکستان کے ایک مستعد کارکن کے طور پر کام کرتے رہے۔ اس کے علاوہ تحریک ہجرت ایسی تحریکوں سے مسلمانوں کی مجلسی زندگی پر جو منفی اثرات مرتب ہوئے اس کے اسباب و نتائج سے بھی وہ براہ راست آگاہ تھے مثلاً" امرتسر کی کئی مساجد سے متعلقہ جائیداد پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا تھا کیونکہ مسلمان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے چلے گئے تھے۔ بہرکیف حکیم محمد موسیٰ قیام پاکستان کے بعد جب اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ہمراہ لاہور پہنچے تو انہوں نے ابتدا میں رام گلی میں مطب قائم کیا جہاں سے وہ بعد میں ریلوے روڈ منتقل ہو گئے۔ لاہور پہنچ کر حکیم صاحب نے اپنے استاد مکرم مولانا آسی امرتسری کی دینی کتابوں کی خاص اشاعت کی۔ ان کتابوں میں قادیانیت پر ایک کتاب "الکاویہ علی الغاویہ" بھی ہے۔ یہ جامع کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی حصہ لیا لیکن طب میں مجتہدانہ کارنامہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ ان کا اہم ترین کام یہ ہے کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز کی شخصیت اور تعلیمات کے وسیع تر تعارف کے لئے "مرکزی مجلس رضا" قائم کی جس کے زیر اہتمام اعلیٰ حضرت کے مختلف کتابچے پاکستان میں شائع کئے گئے اور ان کے بارے میں نہایت سلجھے ہوئے انداز میں بیسیوں مختلف علمی اور تحقیقی کتابچے اور کتابیں شائع کی گئیں جن کے ذریعے آپ کے فقہی مقام۔ قرآنی بصیرت، نعتیہ شاعری، عشق رسول اور دوسری علمی و دینی حیثیتوں پر کماحقہ روشنی ڈالی گئی اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ تمام کتابیں لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کی گئیں۔ ان کتابوں اور کتابچوں میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن "کنز الایمان" کے محاسن پر ملک شیر محمد اعوان کا کتابچہ "محاسن کنز الایمان" اور مولانا مرید احمد چشتی کی مرتب کردہ مضبوط کتاب "حیات رضا" شامل ہیں۔ محاسن کنز الایمان کے ذریعہ لوگ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کی خوبیوں سے آشنا ہوئے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں میں اس ترجمہ کی طرف رجوع کرنے کا میلان پیدا ہوا۔ "حیات رضا" میں اعلیٰ حضرت کے بارے میں مولانا محمد جعفر پھلواری، مولانا کوثر نیازی، رئیس امروہوی اور دیگر نامور اہل قلم کے مضامین شامل ہیں۔ ان کتابوں اور کتابچوں کی اشاعت کی بدولت ادیبوں کا ایک ایسا حلقہ پیدا ہو گیا جن سے حکیم صاحب منتخب موضوعات پر کتابیں لکھواتے اور لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے تھے اس کام کے لئے لوگ بھی عطیات دیتے اور حکیم صاحب بھی اپنی آمدنی کا بڑا حصہ مختص کرتے تھے۔ مرکزی مجلس رضا نے نہ صرف حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں شائع کیں بلکہ دوسرے مکتبوں کی شائع کردہ دینی کتب بھی قیمتاً خرید کر حیدر آباد دکن کی لائبریری "ایوان اردو" اور کلکتہ کی نیشنل لائبریری کو مفت ارسال کیں

تاکہ ان لائبریریوں کے دینی کتب کے ذخیرہ میں معتدبہ اضافہ ہو اور ان علاقوں کے لوگ اچھے دینی لٹریچر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔

مرکزی مجلس رضا کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہوتے ہی حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے "یوم رضا" (عرس مبارک کی سالانہ تقریبات" منانے کا سلسلہ شروع کیا۔ یوم رضا کے سلسلے میں پہلا اجتماع برکت علی اسلامیہ ہال موچی دروازہ لاہور میں ہوا۔ ان جلسوں میں غزالی دوراں مولانا احمد سعید کاظمی، مولانا عبدالستار خان نیازی، شاہ فرید الحق اور مولانا تقدس علی خان جیسی نامور شخصیات اظہار خیال کرتی تھیں۔ "یوم رضا" منانے کا سلسلہ شروع کرنے سے حضرت مولانا سید ابو البرکات نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور حکیم صاحب کی خدمات اور ان کی راسخ العقیدگی کو بڑی محبت کی نظر سے دیکھا۔ مولانا ابراہیم علی چشتی مرحوم نے بھی اس ضمن میں ایک جامع مضمون لکھا تھا۔ اس سالانہ اجتماع کی یہ نمایاں خصوصیت تھا کہ اس میں ہر مکتبہ فکر کے پڑھے لکھے لوگ شرکت کرتے تھے۔ اس موقع پر اخبارات کی خصوصی اشاعتوں میں بھی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت اور ان کے افکار و کردار پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس اجتماع سے متاثر ہو کر لاہور کے علاوہ پاکستان کے دوسرے شہروں میں بلکہ برطانیہ، امریکہ اور بھارت میں بھی مجلس رضا کی طرح کے کئی اشاعتی ادارے وجود میں آ گئے۔ پاکستان میں یوم رضا کی تقریبات بالعموم جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن میں منعقد ہوتی تھیں۔ راقم الحروف نے ایسے ہی ایک اجتماع میں مولانا احمد سعید کاظمی کی بصیرت افروز تقریر بھی سنی تھی۔

راقم الحروف جب ریلوے روڈ پر حکیم صاحب کی زیارت کو جاتا تو ہر بار ان کی خوش مزاجی اور ملنساری سے متاثر ہوتا۔ ان کی دوکان دراصل ایک ایسی محفل تھی جس میں ہر علم و فن اور ہر نقطہ نظر کے لوگ بے تکلفی سے حاضر ہوتے تھے۔ کوئی تبلیغی مقاصد کے لئے ان سے کتابچے لینے آتا تو کچھ اصحاب تحقیقی مقاصد کے لئے حاضر ہوتے۔ حکیم صاحب کے دروازے چونکہ ہر ایک کے لئے کھلے تھے اس لئے اس محفل کی بدولت کئی بیگانے اپنے بن گئے اور ان کی وہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں جو معاندین نے پیدا کر رکھی تھیں۔ ان کی محفل میں انتظام اللہ شہابی (مشہور مورخ) ایوب قادری، سبط الحسن ضیغم، خواجہ رضی حیدر (قائداعظم سوسائٹی) راجا رشید محمود، پیر غلام دستگیر نامی، شرافت نوشاہی، ڈاکٹر وحید قریشی، پیر محمد حسن (استاذ عربی) ابو الطاہر فدا حسین فدا، مولانا محمد شفیع رضوی اور دوسرے متعدد اصحاب نیاز مندانہ حاضر ہوتے تھے۔ راقم جب جاتا تو وہ اپنے سٹاف کو ہدایت کرتے کہ انہیں خمیرہ کھلاؤ (خمیرہ گاؤ زبان عنبری کی اس فیاضانہ تقسیم کے لئے وہ اس کا کافی ذخیرہ تیار رکھتے تھے) پھر فرماتے کہ یہ صحافی ہیں اس لئے انہیں چائے بھی پلاؤ۔ کھانے کا وقت ہوتا تو بڑے اصرار کے ساتھ کھانے میں شریک کرتے۔ رخصت ہوتے وقت راقم جب دینی کتابچے مرحمت کرنے کا مطالبہ کرتا تو وہ بھی فراخدلی سے عنایت کرتے۔ آپ کا یہ حسن سلوک کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ سب کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ آپ غریب مریضوں اور دینی مدارس کے طلباء سے پیسے نہیں لیتے تھے۔ کشتوں سے اجتناب، مفرد جڑی بوٹیوں سے علاج اور زیادہ دنوں کی دوا نہ دینا ان کی طبابت کا طرہ امتیاز تھا۔ ان کی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا جائے۔ طبابت، دینی اقدار کے فروغ اور علم و تحقیق کے چمن کی آبیاری غرض ہر شعبے میں حکیم محمد موسیٰ نے اخلاص و ایثار اور اجتہادی انداز فکر کے روشن نقوش چھوڑے ہیں۔ انہوں نے کئی علمی، تاریخی اور دینی کتابوں کے دیباچے لکھے اور اس شان کے لکھے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ "نقوش" کے لاہور نمبر کے لئے

حکیم صاحب اپنے نواسوں حسن فاروق، جہان زیب اور ننھے دوست وقار اسلم کے ساتھ

انہوں نے اس عروس البلاد کے قدیم و جدید اطباء پر جو تحقیقی مقالہ لکھا وہ آپ کی اصابت رائے اور وسعت معلومات کا مظہر ہے۔

حکیم محمد موسیٰ کو اعلیٰ حضرت بریلوی کے ساتھ جو لگاؤ تھا وہ اسی قسم کا تھا جس طرح کا لگاؤ حضرت بلھے شاہ کو شاہ عنایت قادری کے ساتھ تھا اس کی اصل وجہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ امام احمد رضا خان کی والہانہ محبت تھی۔ حکیم صاحب جب سفرِ حج پر گئے تو وہاں ان کی ملاقات حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی سے ہوئی جو اعلیٰ حضرت بریلوی کے خلیفہ تھے

ان کی صحبت میں رہ کر حکیم صاحب نے قادری سے کے اعلیٰ روحانی مدارج طے کئے۔ مولانا ضیاء الدین کی وفات کے بعد ان کی سوانح حیات پر بھی حکیم صاحب نے ایک خوبصورت کتاب شائع کی۔ اور یہ بھی مجلس رضا کی دوسری کتابوں کی طرح مفت تقسیم ہوئی۔ مولا کریم سے دعا ہے کہ وہ حکیم صاحب کو دار آخرت میں بھی بلند مرتبے عطا فرمائے اور ان کے وابستگان کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی کرے۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

محمد اکرم چغتائی (ڈائریکٹر)
اردو سائنس بورڈ لاہور

سورہ فاتحہ جو اپنی معنوی خوبیوں کے باعث مختلف ناموں سے موسوم ہے، ترتیب مصحف میں سب سے پہلی سورت ہے۔ ہر نماز کے اس لازمی رکن میں اللہ تعالیٰ نے ایسی راہوں کی واضح طور پر نشاندہی فرما دی ہے جو مخلوق کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتی ہیں اور ارفع و اعلیٰ مقامات پر بھی فائز کر دیتی ہیں۔ اس منور راہ کی یہ پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ انعام یافتگان کے زیر قدم ہوتی ہے (صراط الذین نعمت علیہم)۔ یہ نص قرآنی ہمیں اس بات پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہے کہ ہم ان انعام یافتہ اور قابل اتباع ہستیوں کو تلاش کریں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ سوال یہ ہے کہ ان انعام یافتگان اصحاب کی پہچان کیا ہے اور جس راہ پر وہ تمام عمر گامزن رہے، اس کی شناخت کیا ہے؟ اس بارے میں مفسرین کی عمومی رائے یہی ہے کہ ایسے لوگوں سے مراد اہل حق کا وہ گروہ ہے، جو ذات الٰہی کی کلی معرفت کے ساتھ ساتھ خیر اور بھلائی سے بھی کماحقہ آگاہ ہوتا ہے۔ خالق کائنات کے یہ انعام یافتہ لوگ جنگلوں یا بیابانوں میں نہیں بستے بلکہ ہمارے آس پاس ہی رہتے ہیں، لیکن ہماری ظاہر بینی اور کم فہمی ہمیں ان کی حقیقی پہچان سے محروم رکھتی ہے اور جب وہ موت کے ذائقے سے آشنا ہوتے ہیں تو پھر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر کتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے اور ان کے روحانی فیوض و برکات کی رونقیں کتنی ماند پڑ گئی ہیں۔ مجھے کامل یقین ہی نہیں بلکہ عین الیقین ہے کہ حکیم محمد موسیٰ صاحب اللہ تعالیٰ کے انہی انعام یافتگان میں سے تھے۔ "تھے" نہیں بلکہ ہیں، کیونکہ ظاہری غیر موجودگی کے باوجود خالق کائنات انہیں حیات ابدی عطا فرما دیتے ہیں۔ ویسے بھی جو شخص اس دار فانی سے روپوش ہو کر قلب و نظر کی گہرائیوں میں بس جائے اسے مرحوم کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ یاد میں رہنے والا کبھی نہیں مرتا اور اگر وہ یاد کے ساتھ ساتھ آنسوؤں میں آ جائے تو پھر وہ لافانی ہو جاتا ہے۔ حکیم صاحب خوش نصیب ہیں، جو ہماری یادوں میں بھی ہیں اور آنسوؤں میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اب بھی اپنے گرد و نواح میں ان کی موجودگی کو محسوس کرتا ہوں۔

حکیم صاحب سے میرا ذاتی تعلق برسوں پرانا ہے اور یہ کئی مراحل سے گزر کر پختگی کی منزل تک پہنچا۔ ابتدا رسمی شناسائی سے ہوئی، بعد میں معالج بھی رہے اور بالاخر ان کی علمی مجالس سے فیض یاب ہوتا رہا۔ زمانہ طالب علمی میں اپنے ایک قریبی عزیز سے ملنے اکثر رام گلی جایا کرتا تھا۔ ایک بار موسم گرما میں شدید پیاس محسوس ہوئی تو چوک کے کونے میں ایک دکان پر ٹھہر گیا جس کے باہر پھٹے پر مختلف رنگوں کے شربتوں کی بوتلیں سجی تھیں، پیاس بجھی تو معاً نظر اندر بیٹھے

جناح ہال میں کنز الایمان سوسائٹی لاہور کینٹ کے زیر اہتمام ساتویں سالانہ امام احمد رضا کانفرنس سے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اور نعیم طاہر خطاب کر رہے ہیں۔ اسٹیج پر عبداللہ جان حکیم محمد موسیٰ امرتسری شیخ عبدالحمید جیلانی اور سید خورشید احمد گیلانی بیٹھے ہیں

ہوئے ایک مضبوط جسم کے باریش شخص پر پڑی۔ یہ حکیم صاحب تھے جن کو دیکھتے ہی ایک بے نام تعلق کا آغاز ہوا۔ پیاس بجھانے کا یہ عمل جاری رہا اور رفتہ رفتہ حکیم صاحب کے تعلق میں اپنائیت سی محسوس ہونے لگی۔ روحانی انقلاب کے علم برداروں کی سوانح حیات شاہد ہے کہ انہوں نے خورد و نوش کے اہتمام سے لوگوں کی زندگیوں کا رخ تبدیل کر دیا۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ ہوا۔

ظاہری پیاس ختم ہوئی تو علمی پیاس کا آغاز ہوا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ تشنگی بھی اسی دکان سے دور ہو گی۔ ان دنوں میں اس علاقے میں مقیم ایک علمی و ادبی بزرگ شخصیت اسماعیل پانی پتی سے ملنے جایا کرتا تھا۔ موصوف مولانا حالی کے ہم وطن اور ان کے نام سے قائم ہونے والی لائبریری میں برسوں کام کرتے رہے، وہ ایک بوسیدہ سی عمارت کے چند تنگ و تاریک کمروں میں رہائش پذیر تھے اور ان میں بھی کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ کہیں بیٹھنے کو جگہ نہیں تھی۔ چنانچہ وہ مجھے یہی کہتے کہ "حکیم موسیٰ صاحب کی دکان پر بیٹھئے، میں وہیں آتا ہوں" یوں مجھے حکیم صاحب کے پاس بیٹھنے اور ان کی عالمانہ گفتگو میں شریک ہونے کا موقع حاصل ہوا۔ کچھ عرصہ بعد حکیم صاحب کے ہاں ہی مستقل نشست رہنے لگی اور میں براہ راست ان کی وسعت قلب و نظر سے فیض یاب ہونے لگا۔

چند برسوں بعد حکیم صاحب کا مطب رام گلی سے ریلوے روڈ منتقل ہو گیا لیکن ملاقاتوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ میرے موضوعات زیادہ تر ادبی نوعیت کے تھے لیکن جب کبھی سوانحی یا تذکراتی مصادر کی ضرورت پڑتی تو حکیم صاحب اپنی وسعت مطالعہ کی بنیاد پر اتنی اہم معلومات فراہم کر دیتے کہ اس کے بعد کسی اور در تحقیق پر حاضری کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ اکتساب علم و فضل کی یہ داستان خاصی طویل ہے جو پھر کبھی بیان کروں گا۔ مختصراً یہاں اسی بات کا تذکرہ مناسب ہے کہ علم و ادب اور تصوف کے اصل سرچشموں تک میری رسائی حکیم صاحب ہی کی دین ہے۔

حکیم صاحب کی علمی شہرت اب ملکی حدود سے باہر تک پہنچ گئی ہے۔ بعض غیر ملکی ارباب تحقیق و تدقیق نے برصغیر پاک و ہند کی درخشندہ صوفیانہ تاریخ یا مختلف دینی تحاریک و مسالک کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ انہی متعلقہ ماخذ کی تلاش و تفحص کے لئے حکیم صاحب اور ان کے نادر الوجود کتاب خانہ (جو اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو منتقل ہو چکا ہے) سے رجوع کرنا پڑا۔ بعد میں انہوں نے حکیم صاحب کی اس استعانت علمی کا اعتراف بھرپور انداز میں کیا۔ ایسے بیرونی عالموں میں دو نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور اب یہ دونوں

دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ ان میں ایک تو سالم بیولر صاحب ہیں جنہوں نے ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ دوسری ایک خاتون ہرمینسن صاحبہ (اسلامی نام مجاہدہ) ہیں جو امریکہ کی سان ڈی ایگو یونیورسٹی میں پڑھاتی ہیں۔ اول الذکر مصنف (Arthur F. Buehler) نے اپنی کتاب کے ابتدائیہ میں حکیم صاحب کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ ان کی ایک تصویر بھی شائع کی ہے۔ یہ کتاب 1998ء میں امریکہ ہی سے شائع ہوئی ہے۔

کسی بزرگ ہستی کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے پچھلے وقتوں میں بارہ حج کئے۔ آخری حج سے واپسی کے بعد وہ عقیدت مندوں کے حلقے میں بیٹھے مقامات مقدسہ کے حوالے سے اپنے واقعات و مشاہدات بیان کر رہے تھے۔ انہی ارادت مندوں میں ایک شخص چادر میں منہ چھپائے یہ سب کچھ سن رہا تھا اور رقت آمیز اندرونی کیفیات سے گزر رہا تھا۔ بزرگ نے اپنی اندروں بیں نظروں سے اس کی حالت زار کا مشاہدہ کیا اور فرمایا کہ "میں نے اب تک بارہ حج کئے ہیں اگر ان حجوں کا کوئی ثواب ہے تو وہ تو لے لے اور اس کے عوض یہ درد مجھے دے دے۔"

سچ پوچھیے تو ساری بات اسی درد کی ہے۔ اسی تناظر میں ایک شعر ہے۔

تیرہ شبی حدود سے باہر نکل گئی
واصف اب اپنے درد کا سورج اچھال دے

حکیم صاحب سمیت ایسے تمام دردمندوں کو سلام!

(راجا رشید محمود کے زیر اہتمام، حکیم صاحب کی یاد میں منعقدہ ریفرنس میں 21 دسمبر 1999ء کو پڑھا گیا)

محقق عصر حکیم موسیٰ حقائق کی روشنی میں

پروفیسر محمد اقبال مجددی (صدر شعبہ تاریخ)
گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور کینٹ

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری (ف 17 نومبر 1999ء) ایسی خدا داد صلاحیتوں کے مالک تھے جن پر اہل زمانہ کو عرصہ دراز تک ناز رہے گا ان کا ہشاش بشاش چہرہ اور زبان حقیقت ترجمان گزشتہ ماہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی لیکن ان کے افکار و خیالات علمی و دینی حلقوں میں متحرک رہیں گے اور اسی کو انسان کی بقا کہتے ہیں کہ انسان اگر زندہ ہے تو محض اپنے مضبوط افکار کے باعث ورنہ وہ مرتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

مرحوم نے جو علمی و فکری حلقہ احباب چھوڑا ہے وہ تصلب فی الدین میں اتنا راسخ ہے کہ زمانے کے نشیب و فراز اس پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے۔ وہ سنی حنفی عقائد

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

میں علماء بدایوں و بریلی کے مکتبہ فکر کے ترجمان تھے۔ دیگر فرقوں کی طرف سے جب دین برحق پر حملے ہوتے تھے تو موصوف کا قلب و روح تڑپ اٹھتی تھی، راقم احقر نے اس دینی حمیت کے منظر "تڑپ" کو مرحوم کی خدمت میں بیٹھ کر کئی بار دیکھا ہے اس کی حدت تو وہی محسوس کر سکتا ہے جو خود ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہو اور ان کیفیات سے دوچار ہوا محفلوں میں گم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لاہور کی مجالس علمیہ کا تذکرہ کبھی نہیں ہوتا جس کے لئے ہم خود قصور وار ہیں۔ اس قسم کی علمی مجالس کا انعقاد کرتے رہنا چاہیے۔ حکیم صاحب مرحوم کے ہاں منعقد ہونے والی علمی مجالس کا ایک دفتر مرتب کرنا ان کے حلقہ کے ارباب فکر و دانش کے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ایک غیر جانبدار ذہن لے کر حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ہو۔ موصوف بجا طور پر دور آخر میں سنیت کے لئے ڈھال تھے۔ ....

احقر کو موصوف کی خدمت میں نشست و برخاست کی سعادت قریباً" تیس سال تک حاصل رہی۔ اگر ان برسوں کے شب و روز پر نگاہ ڈالوں تو آج کے طالب علم پر افسوس کرتا ہوں کہ وہ محض لاہور کے میلوں ٹھیلوں اور راگ و رنگ کی

لیکن مرحوم کی صحبت یہ غیر جانبداری پہلے تو ہلکی محسوس ہوئی پھر بتدریج یہ بات سامنے آئی کہ ہر وہ بات جو بنیادی عقائد اسلام سے ٹکرائے وہ کسی شمار میں نہیں ہے اور بڑے سے بڑے عقلی علوم بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں تاریخ تو کسی شمار میں ہی نہیں ہے۔

مرحوم نے امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات (مرتبہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مرحوم) کے فارسی متن اور اردو ترجمہ پر جو بصیرت افروز مقدمہ لکھا ہے اس میں بڑے بڑے معاصرین کو لصوص دین ثابت کردیا ہے۔

ایک مرتبہ مجھے ایک مفصل مقالہ بعنوان

The Analysis of Mujaddid Alf-i-Sani's

Attetude towords Hindus

لکھا تو بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اس کے بعض مقامات کا اردو ترجمہ کروا کر سنا تو میں نے انہیں کبھی اتنا مسرور نہیں دیکھا جتنا اس علمی و مذہبی مقالہ کو سننے کے دوران دیکھا۔ تاکیداً" فرمایا کہ اس کا اردو ترجمہ کسی کثیر الاشاعت رسالے میں شائع کرو۔ فرمایا کہ آج کے دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے افکار اس طریقے سے احاطہ تحریر میں لائے جائیں کہ ہر ذہن کو متاثر کریں اور علمی سطح پر ان کی نمائندگی ہو۔ دراصل وہ سرور و شادمانی مرحوم کے اپنے ایمان کامل کی روشنی تھی جس نظر سے انہوں نے اسے دیکھا اور سمجھا۔

حکیم صاحب مرحوم کا دوسرا اہم مقدمہ حضرت علی ہجویری معروف داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب کشف المحجوب پر ہے جس کی تحقیقی افادیت کے پیش نظر ایران میں حال ہی میں اس کا فارسی زبان میں ترجمہ شائع ہوا ہے۔

میری تصنیفی زندگی کا آغاز مرحوم کی بھرپور صحت و تندرستی کے دور میں ہوا اور یہی ایک جواں مصنف کی ذہنی و فکری بالیدگی کا زمانہ ہوتا ہے میرے خیالات و افکار جو اس وقت تک ناپختہ بلکہ نابالغ تھے۔ مرحوم کے زیر اثر پروان چڑھے۔ افسوس کہ زمانہ کی ستم ظریفی نے انہیں مطب کھولنے پر مجبور کردیا ورنہ موصوف کسی بڑی یونیورسٹی کی مسند علم و تحقیق کے سربراہ ہوتے پھر بھی مرحوم کا مطب کسی درسگاہ سے کم نہیں تھا جہاں محقق، مدرس اور شیخ طریقت سبھی لوگ آتے تھے اور مرحوم ہر ایک کے ساتھ ان کے مرتبہ کے مطابق ملتے تھے۔ موصوف کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے علماء و مشائخ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اصل کام تصنیف و تالیف ہے وعظ و تبلیغ اور دعوت و ارشاد اپنی جگہ مسلم لیکن دین و دنیا کی سدا بہار رہنمائی صرف کتابیں ہی کر سکتی ہیں۔ میں ایسے علماء و مشائخ کو جانتا ہوں کہ جنہوں نے موصوف ہی کے زیر اثر اس طرح توجہ کی اور قابل قدر تحقیقی تو تصنیفی سرمایہ یادگار چھوڑا۔

حکیم صاحب نے خود مجلس رضا قائم کر کے اس کام کا آغاز کیا اور اس کے ذریعہ بہت ہی قابل قدر لٹریچر شائع کیا جس سے علمائے اہلسنت کو توجہات اس طرف مبذول کروائیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے اس کام کو آگے بڑھایا جائے اور اہل صدق و صفا کی جو جماعت حکیم صاحب نے بنائی تھی اسے از سرنو تشکیل دیا جائے اور انہی خطوط اور بنیادوں پر اسے فعال بنایا جائے۔

امید ہے کہ حکیم صاحب نے اہل فکر و دانش کی جو جماعت چھوڑی ہے وہ دائمی طور پر متحرک رہے گی اور اس کے ذریعہ فکری ارتقا کی منازل تہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

آفتابِ علم و حکمت

حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی
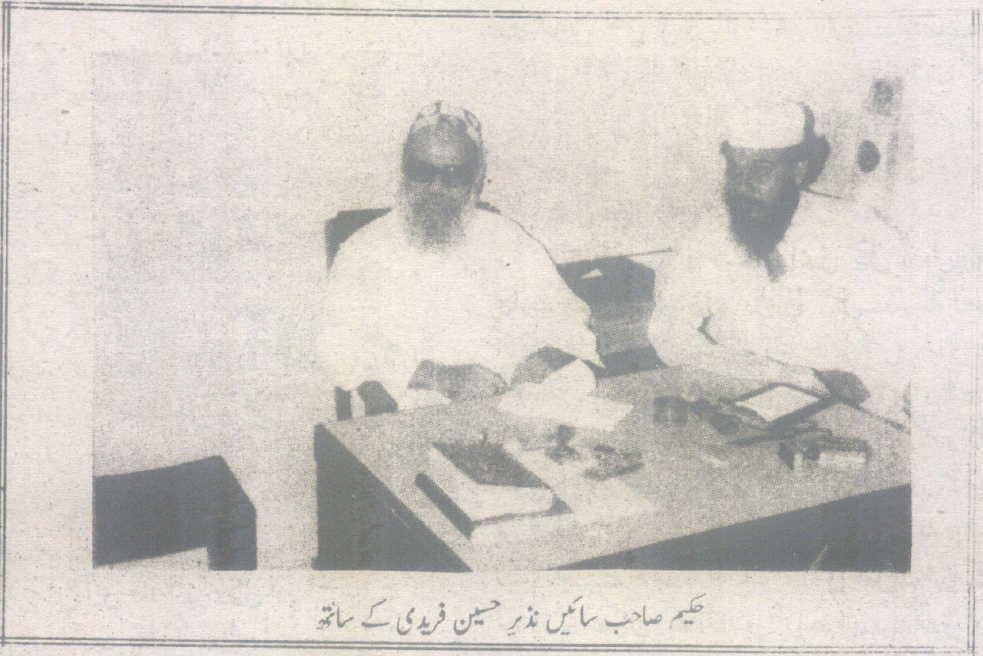
حکیم صاحب سائیں نذیر حسین فریدی کے ساتھ

تو مگو اندر جہاں یک بایزیدے بود و بس
ہر کہ واصل شد بجاناں بایزیدے دیگر است

خانوادہ حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کے ایک دانا اور مسیحا صفت حکیم، فاضل، ادیب، نقاد، مبصر، دانشور، عالم، مبلغ اسلام، علم و حکمت کا ایک روشن چراغ، مجسمہ شرافت، متانت و سنجیدگی کا پیکر، تصنع اور بناوٹ سے پاک، سادگی اور عجز و انکساری کا مجسمہ، عالی اخلاق کا حامل، امرتسر کی تہذیب و ثقافت کا مظہر، تصوف و معرفت کے علوم و نکات کا نہ صرف ماہر بلکہ راہ سلوک کا راہی، عاشق رسول ﷺ، عارف باللہ ولی کامل، نابغہ روزگار شخصیت میرے مشفق و محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم و مغفور ہم سے جدا ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کی علمی مہارت اور قابلیت اور ہمہ گیر جامع بصیرت کا اندازہ ان کے مختلف کتب کے مقدمات، تقریضات اور پیش گفتارات سے کیا جا سکتا ہے انہوں نے اپنے مقدمات

سے ان ارفع و اعلیٰ ہستیوں کے سوانح و حالات کا تعارف کرایا ہے جو آسمان ولایت کے آفتاب و ماہتاب ہیں مثلاً" حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ، مکتوبات امام ربانی عارف حقانی حضرت مجدد الف ثانی افضلیت غوث اعظم حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ شیخ العصر حضرت میاں علی محمد خان صاحب بسی شریف اور بالخصوص علامہ ابوالحسنات کے ترجمہ کشف المحجوب کا مقدمہ اور قصیدہ غوثیہ کا مقدمہ یہ مرحوم کے وہ علمی کارنامے ہیں جن سے ان کی علمی معلومات و بصیرت، تبحر علمی اور تصوف و معرفت کے رموز پر عبور ظاہر ہوتا ہے۔

وہ خود اگرچہ قادری نظامی سلسلہ میں بیعت و خلافت سے مشرف تھے مگر مرحوم نے تقریباً" تمام ہی سلسلہائے عرفان کے بانیوں اور منسلکین پر قلم اٹھایا ہے خواہ وہ تصانیف و تالیفات حضرت نوشہ گنج بخش کی ہوں یا حضرت سلطان باہو کی یا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات ہو۔ اوراد و وظائف چشتیہ ہوں یا حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہم اللہ اجمعین کی سوانح ہوں اور جن جن پر قلم اٹھایا ان کی صفات و کمالات کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک جامع اور ہمہ گیر شخصیت تھی کہ اب اس پائے کی ملنی مشکل ہے۔ تحریر میں ایسی سلاست، روانی اور کشش ہے کہ مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔

ان کے یہاں باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ تو نہ تھا مگر ان کا مقام استاذ الاساتذہ سے کم نہ تھا۔ تشنگان و طالبان علم خواہ وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی اور بڑے بڑے اسکالرز دور و نزدیک سے ان کے پاس آتے تھے اور جب ان کے علمی مسائل کی گتھیاں کہیں حل نہیں ہوتی تھیں ان کی مشکلات خواہ کسی موضوع سے متعلق ہوں ان کی تسلی اور تشفی اسی آستانہ سے ہوتی تھی وہ ان کی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے اور ان کی الجھنوں کو اس انداز سے رفع کرتے تھے کہ ان کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل حل ہو جاتے تھے جن جن کتابوں کی اس کو ضرورت ہوتی تھی ان کے پتے بتاتے تھے اور وہ شخص وہاں سے مطمئن اور شاد کام جاتا تھا۔

اور مرحوم صرف مسلمانوں ہی پر شفقت نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی یہ فیض رسانی ہر مذہب و ملت کے لئے عام تھی۔ مذہب و تصوف کے موضوع پر ایک مستشرق Ph.D. کرنے کے لئے پاکستان آیا اور حکیم صاحب سے ملا تو حکیم صاحب نے اس کی رہنمائی کی۔ اس شخص نے اپنی تھیسس کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ "تصوف سے متعلق کون کون سے کتابیں لکھی گئی ہیں اور کہاں کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں اس مشکل کے حل کیلئے لاہور میں صرف ایک شخص نے میری پوری پوری رہنمائی کی جس کا نام نامی حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہے۔ وہ واقعی اس موضوع پر ایک زندہ تاریخ اور معلومات کی بنیادی اکائی ہیں۔

حکیم صاحب موصوف کی زندگی عشق رسول ﷺ سے عبارت ہے اور اپنے اسی ذوق کی تکمیل کے لئے انہوں نے ایک بہت بڑا اور بے مثال کام یہ کیا کہ مجلس رضا کی بنیاد ڈالی محض اس وجہ سے کہ امام اہلسنت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف نظم و نثر، ان کی سوچ کا انداز، ان کی فکر و تحقیق کا مرکز و محور عشق رسول اور صرف عشق رسول ﷺ ہے اور اس پلیٹ فارم اور مجلس کے ذریعہ سے عرصہ دراز تک مولانا کی تصانیف ان کے اقوال اور ارشادات ان کے افکار و نظریات ان کے فتاویٰ کو کتابوں اور رسائل اور پمفلٹوں کی صورت میں طبع کرا کے مفت تقسیم کئے اور یوں عوام و خواص مسلمانوں کو دین حقہ اہلسنت و جماعت کی تبلیغ کا فریضہ عمر بھر سرانجام دیتے رہے۔

حکیم صاحب مرحوم نے اپنی صحت کی پروا کئے بغیر انتھک اور مسلسل کام کر کے مجلس رضا کی آبیاری کی۔ برسہا برس تک لاہور کی نوری مسجد میں مجلس رضا کی شاندار کانفرنسیں منعقد کیں۔ اور آج انہی کی کوششوں کی بدولت نہ صرف لاہور بلکہ سارے پاکستان میں مولانا احمد رضا خان کے عرس اور یوم منائے جاتے ہیں اور ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور "فیض رضا جاری رہے گا" کے نعرہ میں حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو بڑا دخل ہے۔

قطب ربانی، غوث صمدانی، شہباز لامکانی، قندیل نورانی، میراں محی الدین غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک کسی شخص میں یہ دو صفات نہ پائی جائیں وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ (1) استقامت پہاڑ جیسی اور (2) سخاوت سمندر جیسی۔ حکیم صاحب مرحوم سے تعلق رکھنے والے اس بات کے شاہد ہیں کہ اہلسنّت و جماعت کے مسلک حقہ کی تبلیغ، ترویج و ترقی، اشاعت اور اس مسلک سے متعلق ان کی تصانیف، مقدمات اور تقاریظ اس بات کی گواہ ہیں کہ وہ پہاڑ جیسی استقامت کے حامل تھے جس پر وہ آخر وقت تک قائم رہے۔ اور باقی جہاں تک سخاوت کا تعلق ہے تو وہ باوجودیکہ رئیس مالی اعتبار سے نہیں تھے مگر دل کے اعتبار سے رئیس تھے اور بڑے متواضع انسان تھے۔ دین کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے تھے جس کی زندہ مثال ان کی وہ بے مثال اور نہایت قیمتی کتب ہیں جن کو انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے سپرد کر دیا اس کے علاوہ ان کا مطب مشائخ عظام اور اولیاء اللہ اور اہل علم و دانشور حضرات کا ماویٰ تھا تو کھانے کے وقت کھانے سے اور دیگر اوقات میں چائے اور پھلوں سے اور خاص خاص احباب کی خمیرہ سے تواضع فرماتے تھے اور اب تو ان کی نایاب علمی کتب سے روحانی سمندر کے سوتے اور چشمے جاری ہیں۔

میرے ان سے برسہا برس سے تعلقات تھے اور تقریباً پانچ سات سال روزانہ ہی ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا انہوں نے مکان واپسی کے لئے مستقل رکشہ کا انتظام کیا ہوا تھا تو میں روزانہ مرحوم کے ساتھ ہی واپس آتا تھا ان کے بڑے قیمتی مشورے اور رہنمائی میری تالیف و تصنیف میں مجھ کو حاصل رہی اور میری تالیف "صوفیہ نقشبند" پر انہوں نے تقریظ تحریر فرمائی اور "عرفانِ حق" پر "نغمہائے گفتنی" کے عنوان سے تقریظ تحریر فرمائی جو میری تالیفات کی زینت بنیں۔

آخر میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ باقاعدہ فارسی اور عربی طبی کتب کے تعلیم یافتہ دانا اور ماہر طبیب تھے۔ نباضی میں خاص مہارت تھی۔ ان کے تجویز کردہ نسخے بہت کم قیمت ہوتے تھے اور اس قدر سستے علاج کی سہولتیں دوسرے اطباء کے مطبوں میں کم ہی میسر تھیں۔ جب بھی کسی طبی موضوع پر گفتگو ہوئی یا کسی مریض کے متعلق مشورہ ہوا تو ان کی حاذقانہ اور ماہرانہ طبی گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔

حکیم صاحب مرحوم و مغفور کی دینی و علمی خدمات کو چند لفظوں اور سطروں میں بیان نہیں کیا جا سکتا مختصر یہ ہے کہ حکیم صاحب بیک وقت ایک قابل طبیب، فاضل ادیب، محقق عصر، صوفی اور ولی، درویش اور متقی بھی تھے ان کے شب و

حکیم صاحب اپنے نواسہ حسن فاروق کو اٹھائے ہوئے

روز تسبیح و تہلیل اور درود و سلام کے اوراد میں گزرتے تھے۔ غرضیکہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ یہ شعر ان پر صادق آتا ہے۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات اور مراتب بلند فرمائے اپنے قرب خاص میں جگہ عطا فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور میدان حشر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین بجی طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم۔

⚙ ⚙ ⚙

مشیرانِ قانون

میاں محمد خالد حبیب الٰہی ایڈووکیٹ

محمد اسلم خاں بٹر ایڈووکیٹ

اعجاز احمد خاں ایڈووکیٹ

کتابوں کی کہانی
حکیم موسیٰ کی زبانی

زیر حوالہ "مقالہ" سہ ماہی خبرنامہ پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (پنجاب) کی جلد 3 شمارہ 1، 2 (1992ء) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں معلومات کا اندراج اس وقت تک کی صورت حال کے مطابق ہے۔ گزشتہ سات سال کے عرصہ میں کافی تبدیلی آ چکی ہے۔ شروع میں متعلقہ چند نکات کو بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ موجودہ صورت حال کو جاننے میں آسانی رہے۔

(ا) پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس وقت کتابوں کی کل تعداد چار لاکھ کے قریب ہے۔

(ب) ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری میں اب کتابوں کی کل تعداد قریباً" گیارہ ہزار ہے (بشمول جلدیں و نسخے)

(ج) فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مخزومہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کی جلد اول مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور نے 1996ء میں شائع کی۔ یہ 904 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں 5517 کے قریب کتب کی کتابیاتی تفاصیل شامل ہیں۔ اس کی جلد دوم پنجاب یونیورسٹی نے 1997ء میں شائع کی۔ یہ 320 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں 1441 کتب کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس کی جلد سوم بھی پنجاب یونیورسٹی نے 1998ء میں شائع کی۔ اس کے 520 صفحات ہیں۔ اس میں 2358 کتب کی کتابیاتی تفاصیل کا اندراج کیا گیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری وطن عزیز کا سب سے بڑا کتب

سید جمیل احمد رضوی

خانہ ہے۔ اس میں اس وقت کتابوں کی کل تعداد تین لاکھ پچاس ہزار کے قریب ہے۔ اس ذخیرے میں مخطوطات کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے جو زیادہ تر انسانی علوم پر مشتمل ہیں۔ اس طرح یہ ادارہ جنوبی ایشیائی ممالک کے کتب خانوں میں ایک ممتاز اور اہم مقام رکھتا ہے۔ کتب خانے کے ذخیرے میں بہت سے ایسے شخصی ذخائر موجود ہیں جن کو یونیورسٹی نے خریدا ہے یا بطور عطیہ وصول ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ذخیرہ "حکیم محمد موسیٰ امرتسری" ہے۔ یہ 24 دسمبر 1989ء کو لائبریری میں منتقل ہوا۔ لاہور کی نامور علمی شخصیت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے بطور عطیہ یونیورسٹی کو عنایت کیا۔ اس ذخیرے میں کتابوں کی کل تعداد اس وقت 6357 ہے

(بشمول جلدیں و نسخے)

علمی دنیا میں حکیم صاحب کی علم دوستی اور معارف پروری معروف ہے۔ کتاب کے ساتھ محبت ان کا طرہ امتیاز ہے۔ کتاب کی مفت تقسیم ان کا شعار ہے۔ تصنیف و تالیف کا کام کرنے والوں کی مدد اور رہنمائی ان کا معمول ہے۔ ان کے مطب میں جہاں جسمانی عوارض کے مریض دوائی لینے کے لئے آتے ہیں۔ وہاں علمی پیاس بجھانے والے بھی کثیر تعداد

قریب کتابیں جمع کی تھیں۔ اس طرح امرتسر میں ان کے پاس 24 ہزار کے قریب کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ یہ سب کتابیں امرتسر میں فسادات کے زمانے میں 1947ء میں ضائع ہو گئیں۔ جس مکان میں کتب رکھی تھیں' اس کو ہندوؤں نے آگ لگا دی تھی۔ اس طرح یہ قیمتی علمی سرمایہ ضائع ہو گیا۔

1947ء میں قیام پاکستان پر آپ امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ کتابوں کی جمع آوری کا عمل جاری رہا۔ جس کے

حکیم محمد موسیٰ' سید جمیل احمد رضوی کے ساتھ

میں آتے ہیں۔ کتابوں کی جمع آوری اور حفاظت حکیم صاحب کا محبوب مشغلہ ہے۔ یہ ان کو وراثت میں ملا ہے۔ ان کے والد ماجد فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری (المتوفی 1952ء) کا امرتسر میں مرجع خلائق مطب تھا۔ بقول حکیم صاحب مرحوم کا کتابوں کا جمع کرنے کا ذوق علم طب اور تصوف کے موضوعات سے متعلق تھا۔ ان علوم پر انہوں نے تقریباً چار ہزار کتابیں امرتسر میں جمع کر رکھی تھیں۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی کا ذوق ہمہ جہتی تھا۔ انہوں نے بیس ہزار کے

نتیجے میں ایک بہت قابل قدر ذخیرہ جمع ہو گیا۔ حکیم صاحب نے یہ گراں قدر اثاثہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو بطور عطیہ پیش کر دیا۔ اس ذخیرے میں عربی' فارسی' اردو' پنجابی اور انگریزی کی کتب شامل ہیں۔ چند کتابیں سندھی' پشتو اور ترکی زبان میں بھی ہیں۔ زیر نظر ذخیرہ تصوف' سوانح (انفرادی و اجتماعی) تاریخ' پاکستان و تحریک پاکستان' ادبیات اور طب کے موضوعات پر مشتمل ہے۔ اسلامی علوم _____ قرآنیات' حدیث' فقہ' سیرت (بشمول میلاد پاک) اور نعت پر بھی کتب

موجود ہیں۔ اس میں بطور خاص تصوف پر نہایت دقیع اور قابل قدر کتب محفوظ ہیں۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے تذکرے کا پہلو بہت ممتاز ہے۔ پرانے رسائل و جرائد بھی اس کا حصہ ہیں۔ کتابوں کے کئی نسخے ایسے ہیں جو کمیاب اور نایاب کے زمرے میں آتے ہیں۔ زیر حوالہ ذخیرے میں مختلف موضوعات پر پمفلٹ اور کتابچے نہایت احتیاط سے محفوظ کئے گئے ہیں۔

ذخیرے کی لائبریری میں منتقلی سے پہلے اس کی فہرست سازی کا کام راقم السطور نے کیا۔ کتابوں پر سلسلہ نمبر لگانے اور انکے پیکٹ باندھنے کے لئے عملے کے دو ارکان نے میری مدد کی۔ یہ کام حکیم صاحب کے مطب (واقع 55 ریلوے روڈ لاہور) کی بالائی منزل میں تقریباً" 52 روز جاری رہا۔ 24 دسمبر 1989ء تک 268 پیکٹ تیار ہوئے۔ اسی روز ان کو دو ویگنوں کے ذریعے لائبریری میں منتقل کرنے کا انتظام کیا گیا۔ جب کتابیں لے کر ہم مطب سے چلنے لگے تو اس وقت جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی اور پروفیسر محمد صدیق صاحب بھی مطب میں موجود تھے۔ حکیم صاحب اور ان دو دانشوروں نے ہمیں رخصت کیا۔ اس قیمتی عطیہ کے لئے میں نے حکیم صاحب کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اس وقت محترم پروفیسر محمد اقبال مجددی نے کہا۔ پوری قوم حکیم صاحب کی ممنون ہے کہ انہوں نے اپنا کتب خانہ قوم کے حوالے کر دیا۔ جناب پروفیسر محمد صدیق نے کہا۔ "اس طرح کے کام درویش ہی کر سکتے ہیں۔"

16 جنوری 1990ء تک اس ذخیرے میں کتابوں کی کل تعداد 5375 تھی۔ حکیم صاحب بعد میں برابر کتابیں بھجواتے رہتے ہیں، جو اس میں شامل کر دی جاتی ہیں اور ان کو فہرست میں بھی شامل کر دیا جاتا ہے۔ فہرست سازی کے آغاز میں ہر اندراج میں درج ذیل معلومات فراہم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

ا۔ مصنف / مولف کا نام

ب۔ عنوان کتاب

ج۔ مقام اشاعت

د۔ ناشر / مطبع

ہ۔ سال اشاعت

و۔ تعداد صفحات یا مجلدات

ز۔ زبان

ح - وضاحتی / معلوماتی نوٹ (اگر ضروری ہو)

فہرست سازی کے دوران حکیم صاحب سے علمی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ وہ بعض کتابوں کے نسخوں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات وہ اپنے قلم سے کتاب کے شروع میں کوئی اہم نوٹ لکھ دیتے تھے۔ جو کتابیں 24 دسمبر 1989ء کے بعد لائبریری میں وصول ہوتی رہیں، ان میں سے بعض کتب پر حکیم صاحب کے قلم سے مفصل یا مجمل نوٹ ملتے ہیں، جو اس کتاب کے بارے میں مفید معلومات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں ایسی کتابوں کے کتابیاتی اندراج کے بعد ان حواشی کو نقل کر دیا ہے تاکہ یہ محفوظ ہو جائیں۔ کتابوں کو موضوع وار درج کر دیا ہے۔ ہر اندراج کے آخر میں فہرست کا شمار بھی قوسین میں تحریر کر دیا ہے۔ اس نمبر سے کتاب الماری سے نکلوائی جا سکتی ہے۔ اس طرح ایک حد تک کتابوں کی کہانی حکیم صاحب کی زبانی بیان ہو گئی ہے۔

ترجمہ قرآن: محمد ابراہیم علی چشتی، اردو، قرآن مجید، جز اول، لاہور۔ سید منور علی محرر دار الخلافت، 1358ھ صفحہ 56 (اردو)۔ اس کتاب کے سرورق پر محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے لکھا ہے کہ "یہ کاوش جناب مولوی محمد ابراہیم علی چشتی کی ہے" کتاب کے اسی صفحہ پر یہ تحریر چھپی ہے۔ مرتبہ

دار الخلافت پیسہ اخبار اسٹریٹ لاہور شمارہ 3932

ختم نبوت: آسی، محمد عالم۔ الغاویۃ علی الغاویۃ یا تعلیمات جدیدہ پر ایک نظر، امرتسر۔ آفتاب برقی پریس 1931ء - 1934ء جلد 2 (صفحہ 417 - 650) اردو

جلد اول: "جن لوگوں نے اسلام کو نامکمل سمجھ کر تجدید و ترمیم یا تنسیخ و تحریف شروع کر دی ہے اور اپنے آپ کو مصلح قوم، مجدد دین، مہدی، مسیح، ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں کہ ہم اسلام کا روشن پہلو دکھلا کر دین محمدی کے اصل رخ سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔ ایسے محرفین کے لئے یہ رسالہ "الکاویۃ علی الکاویۃ" لکھا گیا ہے جس میں عام شبہات کا عموماً" اور مرزائی تعلیم کا خصوصاً" ایک ایسا خاکہ پیش کیا گیا ہے کہ جس کے دیکھنے سے ناظرین خود معلوم کر سکیں گے کہ مرزائی تعلیم یا نئی اصطلاحات میں کہاں تک تحریف و تنسیخ سے کام لیا گیا ہے۔" (سرورق)

جلد دوم: "الکاویۃ علی الغاویۃ" یعنی چودھویں صدی ہجری کے مدعیان نبوت کے مختصر تاریخی حالات جنھوں نے امام الزماں مسیح وقت محمد ثانی اور کرشن (مظہر الہیٰ) بن کر قرآنی تعلیمات کو بدلتے ہوئے اپنا اپنا الگ دستور العمل مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے اپنی تعلیم کو مدار نجات قرار دیا ہے لیکن تحقیق پسند مسلمانوں نے بڑے زبردست دلائل کی روشنی میں ان کی تعلیم کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا ہے۔ (سرورق)

بقول حکیم صاحب پہلی جلد میں عربی عبارت کی کتابت آسی مرحوم کے ہاتھ سے ہے۔ (شمارہ 2842)

آسی، محمد عالم، الکاویہ علی الغاویہ - 589 اوراق۔ (عربی) یہ مخطوطہ کی فوٹو کاپی ہے۔ اس پر محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ایک اہم نوٹ تحریر کیا ہے۔ اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

علامۃ الدھر حضرت قبلہ محمد عالم آسی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف (الکاویۃ علی الغاویۃ) عربی زبان میں لکھی جانے والی اولین مبسوط و مدلل کتب رد قادیانیت میں شمار ہوتی ہے مگر اس لئے طبع نہ کرائی گئی کہ فاضل علام مصنف کے معاصرین نے یہ مشورہ دیا کہ عربی کی بجائے اردو میں چھپوائیں تاکہ عوام الناس بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ حضرت علامہ آسی علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کو اردو کا جامہ پہنا کر 1931ء میں امرتسر سے چھپوا دیا۔ اس نادر تالیف کا خطی نسخہ میاں ضمیر احمد و سیر ایم اے ساکن راگھو سیداں تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ کے پاس محفوظ ہے۔ پیش نظر نسخہ غالباً" حضرت آسی کے شاگرد خاص ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ محققین کی آگاہی کے لئے یہ تحریر کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ کتاب خط مصنف بھی میاں ضمیر احمد و سیر کے ہاں موجود ہے۔ (شمارہ 4409)

حیات مسیح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر مرزائیوں کی دھوکے بازیاں اور ان کا جواب، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کو بدلائل ثابت کیا گیا ہے۔ امرتسر: مطبع اہل فقہ 1913ء صفحہ 24 (اردو)

اس پر حکیم صاحب نے ایک نوٹ تحریر کیا ہے۔

"اخبار اہل فقہ، امرتسر بابت 3 فروری 1913ء (مدیر مولانا غلام احمد اخگر) کا ایک خاص نمبر در رد مرزائیت۔" (شمارہ 4120)

فقہ / فتویٰ: آسی، محمد عالم۔ المدافعات الفقہیتہ فی تردید معقولات الحنفیتہ (علی بصیرہ انا ومن اتبعنی یعنی خدا کا رسول اور اس کے تابعدار معقولیت پر قائم ہیں) امرتسر: احمد سعید ناظم خدام الحنفیتہ (س - ن) صفحہ 32 (اردو)

حکیم صاحب سالم عبداللہ، ابو طاہر، احسین فدا، میاں حبیب الٰہی انجینئرنگ کے ساتھ

محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے کتاب پر ایک نہایت مفید نوٹ لکھا ہے۔ اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

استاذی حضرت مولانا حکیم محمد عالم آسی امرتسری مرحوم نے اپنے متعدد مضامین و مقالات دوسروں کے ناموں سے شائع کروائے اور کچھ فرضی ناموں سے چھپوائے۔ اس طرح پیش نظر "رسالہ المدافعات الفقہیۃ" کا مضمون استفتاء حضرت آسی کے ایک شاگرد اور دوست جناب مولانا احمد سعید اشرفی مرحوم کے نام سے ہے۔ (شمارہ 2838)

عبدالحکیم شرف قادری، محمد۔ جہاد افغانستان در نظر علماء اہلسنت پاکستان۔ لاہور، رضا اکیڈمی، 1989ء صفحہ 8 (فارسی)

اس پمفلٹ کے صفحہ 5 کے حاشیہ پر حکیم صاحب نے یہ نوٹ لکھا ہے۔

"شاہ احمد نورانی صاحب نے اس فتویٰ کی تائید کرنے سے انکار کر دیا تھا نیز تائید کنندگان (مفتیان کرام) میں سے بعض ان پڑھ ہیں۔ ایک ان پڑھ کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔" (شمارہ 3264)

تصوف: علی چشتی نظامی ہوشیار پوری، میاں۔ مکتوب۔ پاک پتن شریف، مصنف، 1374ء صفحہ 80 (اردو)

اس کتاب کے درج ذیل دو حصے ہیں۔

1- شرح وحدۃ الوجود والشہود، صفحہ 2 - 36

2- المکاتبہ فی المکتوب، صفحہ 37 - 80

بقول حکیم صاحب دوسرے حصے میں مولانا عبدالسلام نیازی سے مکاتبت ہے مگر کتاب میں صرف محقق دہلوی لکھا ہوا ہے۔ (شمارہ 932)

سوانح صوفیائے عظام: عمر، محمد عمر خان۔ یاد پیر الموسوم باسمہ التاریخی آئینہ پیغمبری۔ المحشی بہ التنقید العجیب من افکار الحبیب علی یاد پیر از مولانا حکیم محمد حبیب اللہ جگرانوی۔ دہلی۔ اشتیاق احمد چشتی، 1349ھ صفحہ 150 (اردو، فارسی)

زیر حوالہ کتاب حضرت میاں محمد شاہ چشتی ہوشیار پوری

کا تذکرہ ہے یہ کتاب کمیاب اور نہایت اہم ہے۔ اس کی کتابت منشی عبدالمجید پرویں رقم لاہوری کی ہے۔ انہوں نے اکثر مقامات پر کتاب کے اندر اپنا نام لکھا ہے۔ منشی صاحب بقول حکیم صاحب، حضرت حافظ غلام محی الدین قصوری کے مرید تھے اور وہ حضرت میاں محمد شاہ چشتی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ (شمارہ 1039)

غلام سرور، مفتی۔ حدیقۃ الاولیاء کانپور، صفحہ 7 - 182 (اردو)

یہ نسخہ ناقص الطرفین ہے۔ بقول حکیم صاحب یہ کتاب حکیم مفتی محمود عالم نواسہ مفتی غلام سرور لاہوری و مصنف "ذکر جمیل" کے استعمال میں رہی۔ انہوں نے اس پر اپنے قلم سے حواشی لکھے ہیں۔ اس کو مرتب کر کے شائع کرنا چاہتے تھے لیکن اس کی اشاعت ممکن نہ ہوئی۔ اس اعتبار سے یہ نسخہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ (شمارہ 676)

غلام سرور لاہوری، مفتی۔ خزینۃ الاصفیاء نو لکشور 1914ء جلد دوم (صفحہ 452) (فارسی)

یہ نسخہ غلام دستگیر نامی کے استعمال میں رہا ہے۔ کئی مقامات پر ان کے لکھے ہوئے حواشی (Notes) موجود ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے۔ (شمارہ 332)

فرحت، فرح بخش۔ اذکار قلندری، اردو ترجمہ از غلام دستگیر نامی۔ لاہور، مطبع حمیدیہ، 1332ھ، صفحہ 52 - 2 (اردو)
حکیم صاحب نے اس کے شروع میں ایک نوٹ دیا ہے۔
"اذکار قلندری کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ فارسی متن بعد میں طبع ہوا تھا جو میرے ذخیرے میں موجود ہے۔" (شمارہ 3887)

محمد ایوب قادری۔ تعارف۔ 1983ء ورق 23 (خطی) (اردو)

محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اس تعارف کے متعلق لکھا ہے۔

"قادری صاحب مرحوم نے جناب وحید احمد مسعود کیلئے تعارف لکھا تھا جو ان کی تصنیف سوانح خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ابتدا میں درج ہونا تھا۔" (شمارہ 4048)

مسعود، وحید احمد۔ سیرت خواجہ معین الدین چشتی۔ لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 1987ء صفحہ 276 (اردو) یہ کتاب سوانح خواجہ معین الدین چشتی (شمارہ 1001) ہی ہے۔ نام میں تبدیلی کے ساتھ اس کو شائع کیا گیا ہے۔ (شمارہ 1002)

تحریک پاکستان : حبیب احمد چودھری، علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور تحریک پاکستان۔ فیصل آباد : رفیق احمد، 1981ء صفحہ 928 (اردو)

اس کتاب کے حوالہ سے ایک روز حکیم صاحب نے بتایا کہ ایک بار چودھری حبیب احمد مرحوم (1919ء - 1980ء) ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے لیکن اس کو چھپوانے کی بساط نہیں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ آپ کام شروع کریں۔ اس کے ساتھ ہی اشاعت کے سلسلے میں مالی تعاون کے لئے ایک خاص رقم ان کی خدمت میں پیش کی۔ حکیم صاحب کے کہنے پر محترم میاں جمیل احمد شرقپوری نے بھی اس کام کے لئے مالی تعاون کیا۔ اس طرح انہوں نے کتاب کی اشاعت کا کام شروع کروایا۔ یہ کتاب چوہدری حبیب احمد مرحوم کی وفات کے بعد ان کے بیٹے جناب رفیق احمد نے شائع کروائی۔ مرحوم وفات سے پہلے اپنی اولاد کو بتا گئے کہ اس سلسلہ میں کس کس نے تعاون کیا ہے چنانچہ ان کی وفات کے بعد مرحوم کے فرزند کتاب لے کر حکیم صاحب کے پاس آئے۔ آپ نے کہا کہ اس کی قیمت لے لیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ کی رقم تو پہلے ہی آ چکی ہے۔ اس کتاب کے دو نسخے محترم میاں جمیل احمد شرقپوری کے لئے بھی دے گئے اور کہا کہ ان کی رقم بھی آ چکی ہے۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد حکیم صاحب نے فرمایا کہ چودھری حبیب احمد

بہت کام کے انسان تھے۔ ان میں لکھنے کی بہت صلاحیت تھی لیکن افسوس ان کی قدر نہ کی گئی اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ نہ کیا گیا۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ چودھری حبیب احمد مرحوم بہت مہربان تھے جب بھی فیصل آباد سے لاہور آتے' ان کو ضرور مل کر جاتے۔ (شمارہ 1693)

عبدالقدیر' محمد۔ ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام۔ علی گڑھ: مطبع مسلم یونیورسٹی' 1925ء صفحہ 53 (اردو)

"اس میں ذبح و قربانی کے متعلق نہایت تحقیق کے ساتھ عقلی' نقلی اور اقتصادی پہلوؤں سے بحث کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان اس شرعی حق سے جو شعائر اللہ میں داخل ہے۔ کسی ملکی مصلحت سے یا خیالی نفع کی توقع پر دست بردار نہیں ہو سکتے۔" (سرورق)

اس کتاب کے شروع میں محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ایک مبسوط نوٹ تحریر کیا ہے جس میں اس کتاب کے اصل مصنف کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس نوٹ کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"جناب محمد مقتدیٰ خاں شروانی مرحوم (علی گڑھ) نے پیش نظر رسالہ (ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام) جناب عزیز بلگرامی کے صاحبزادے مقیم کوئٹہ (پاکستان) کی معرفت احقر کو بھجوایا اور خود لکھا کہ اس رسالہ کے حقیقی مصنف جناب عزیز الدین بلگرامی (علی گڑھ) ہیں لیکن سرکاری ملازمت کے باعث انہوں نے اپنے بھائی محمد عبدالقدیر کے نام سے طبع کرایا تھا (مفہوماً) شروانی مرحوم اور بلگرامی صاحب دونوں تحریک خلافت اور گاندھی کے سخت مخالف تھے اور ایک ہی شہر کے باسی بھی' لہٰذا ان کی معلومات بالکل صحیح ہیں۔"

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ ایک ذی علم نے اس نادر تحریر کو تحریک خلافت کے راہنما مولوی محمد عبدالقدیر بدایونی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ یہ سہو ان سے اس لئے سرزد ہوا ہے کہ اولاً" تو یہ رسالہ (غالباً" 1920ء) نظامی پریس بدایوں کے ترجمان اخبار ذوالقرنین میں بالاقساط شائع ہوتا رہا۔ پھر اس ادارے نے کتابی صورت میں بھی چھاپا۔ دوسری بار علی گڑھ سے طبع ہوا مگر اس حقیقت کو سامنے نہیں رکھا گیا کہ مولوی عبدالقدیر بدایونی مرحوم خلافتی ہونے کے باعث ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔"

اس نوٹ کا آخری حصہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ "بہرحال تحریک پاکستان پر کام کرنے والے حضرات کو اس تاریخی دستاویز کو سامنے رکھنا چاہیے۔ نیز اس طرف توجہ کرنا چاہیے کہ فاضل مولف نے تقسیم کا جو نقشہ 1920ء میں پیش کیا تھا' 1947ء میں تقریباً" وہی نقشہ پاکستان کی صورت میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا۔"

اس حساس اور دور اندیش مولف کی دوسری تالیف "ابلیس کا خطبہ صدارت" کے نام سے موسوم ہے جس میں گاندھی ازم پر تنقید کی گئی ہے۔" (شمارہ 3736)

سید احمد بریلوی : عنایت اللہ چشتی۔ سید احمد بریلوی' بحیثیت انگریز دوست یا انگریز دشمن؟ بے لاگ محاکمہ۔ 1966ء صفحہ 70 (قلمی) (اردو)

حکیم صاحب نے اس پر لکھا ہے کہ یہ کتابچہ ابھی تک طبع نہیں ہوا۔ (4017)

غلام احمد چشتی : وسیر' محمد اسلم۔ ان کے نقش پا چراغ' فدائے شمع بزم رسالت' حضرت قبلہ مولانا غلام احمد صاحب چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ لاہور' 1979ء صفحہ 1-95 (اردو) (کتابت شدہ کی نقل)

اس پر حکیم صاحب نے ایک نوٹ لکھا ہے۔

"حضرت علامہ محمد عالم آسی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد

حکیم صاحب اپنے معتمد خاص قاضی صلاح الدین قادری کے ساتھ

حصرت مولانا غلام احمد چشتی مدفون کولو تارڑ (حافظ آباد) اور ان کی اولاد و احفاد کا مختصر تذکرہ جو تاحال شائع نہیں ہو سکا۔" (شمارہ 4325)

تاریخ

اشرف خان، محمد نواب۔ اشرف نامہ۔ لکھنؤ: مطبع فتح الاخبار، 1270ھ (1271ھ) صفحہ 231 (فارسی)

اس کتاب کے طباعت قدیم ہے۔ نفس مضمون اور طباعت دونوں اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے چند نسخے معلوم ہیں۔ اس لحاظ سے کمیاب بھی ہے۔ (شمارہ 230)

تاریخ کھیم کرن

پرتاب سنگھ، سردار، آئینہ کھیم کرن۔ لاہور: بالمکند سٹیم پریس، 1925ء۔ صفحہ 2-200 (اردو)

"اس میں قوم کا مبوج کی وجہ تسمیہ، اس کے بزرگوں کے شجرہ ہائے نسب نسل و کارنامہ جات، اس کی ملکیت اور عروج و زوال کے تاریخی حالات ابتدائے آبادی قصبہ کھیم کرن سے لے کر آج تک کے مکمل اور مفصل واقعات درج کئے ہیں۔" (سرورق) (اردو)

اس کتاب کے بارے میں حکیم صاحب نے ایک روز بتایا کہ پاکستان و ہندوستان کی 1965ء کی لڑائی میں جب کھیم کرن فتح ہوا، تو لوگ (مال) لوٹنے کے لئے جاتے تھے۔ اس وقت ہم باہمت تھے۔ دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ ایک ہندو کے مکان میں کتابیں دیکھیں۔ ایک کتاب "آئینہ کھیم کرن" تھی۔ اس کے چند نسخے اٹھا لئے جب واپس ہوئے تو راستے میں ایک پاکستانی فوجی نے کہا۔ "اس کتاب کی مجھے بھی ضرورت ہے۔ ایک نسخہ مجھے دے دیں۔" چنانچہ ایک نسخہ اس کو دے دیا۔ باقی نسخوں میں سے دو نسخے میں نے رکھ لئے اور دوسر[ے] تقسیم کر دیے۔ اب یہ دونوں نسخے حکیم صاحب کے ذخیر[ے] میں محفوظ ہیں۔ (شمارہ 1551، 2/1645)

طب: آسی، محمد عالم۔ بیاض مطب الاسی۔ 139 اوراق (فار[سی]۔ اردو) (قلمی، غیر مطبوعہ کی فوٹو کاپی)

یہ علامہ آسی مرحوم کی غیر مطبوعہ طبی بیاض ہے۔ حکی[م] صاحب نے اس پر ایک اہم توضیحی نوٹ لکھا ہے۔ اس کو ذ[یل] میں درج کیا جاتا ہے۔

"بحر العلوم والفنون حضرت مولانا حکیم محمد عالم آ[سی] امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بیاض علوم طبیہ اور مجربات نادرہ کا ایک بحرز خار ہے۔ اس سے صحیح استفادہ عربی دان اطباء کا ایک ب[...]

ہی کر سکتا ہے۔

استاذی حضرت آسی قبلہ اعلی اللہ مقاصد کی دوسری علمی بیاض بھی (فوٹو کاپی) میرے ذخیرہ (ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری) میں موجود ہے۔ ان بیاضوں کے اصل نسخے حضرت قبلہ آسی کے برادر خورد حضرت مولانا حکیم محبوب عالم مرحوم کے نبیرہ جناب میاں ضمیر احمد وسیر ایم اے سکنہ موضع راگھو سیداں، براہ کولو تارڑ، تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ کے پاس محفوظ ہیں۔ وسیر صاحب کے پاس حضرت آسی کے بہت سے علمی تبرکات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے، آمین" (شمارہ 4335)

آسی، محمد عالم۔ بیاض مطب الاسی۔ اوراق 198 (فارسی- عربی) (قلمی، غیر مطبوعہ کی فوٹو کاپی)

یہ بھی علامہ آسی مرحوم کی طبی بیاض ہے۔ اس کے شروع میں بھی حکیم صاحب کا ایک توضیحی نوٹ موجود ہے۔ اس کی عبارت وہی ہے جو محولہ بالا بیاض (شمارہ 4338) پر درج کئے گئے نوٹ کی ہے۔ (شمارہ 4339)

حیدر علی، حکیم۔ مطب حیدری، صفحہ 50 قلمی کی نقل۔ (فوٹو کاپی) (فارسی) یہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی دریافت اور حصول کے بارے میں حکیم صاحب نے نہایت اہم نوٹ کتاب کے سرورق پر تحریر کیا ہے۔

"حضرت مولانا حکیم حیدر علی بجنوری مرحوم و مغفور اسلامیہ ہائی سکول امرتسر میں مدرس تھے اور بڑے باکمال طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ دولت نور بصیرت سے بھی مالا مال تھے۔ 1919ء میں نفاذ مارشل لاء سے قبل امرتسر کو "آفات کا شہر" قرار دیتے ہوئے آپ ملازمت چھوڑ کر وہاں سے ہجرت کر گئے۔ مارشل لاء کے عذاب کا طویل اور صبر آزما دور ختم ہوا تو عقیدت مندوں کے بے حد اصرار پر واپس آ گئے مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ کہہ کر تشریف لے گئے کہ "اب یہاں امن نہیں رہے گا"۔ ____ حضرت مولانا حکیم حیدر علی اور حضرت مولانا علامہ حکیم محمد عالم آسی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے کے بڑے گہرے دوست تھے۔ چنانچہ جاتی دفعہ اپنا یہ قلمی بیاض موسوم بہ "مطب حیدری" حضرت آسی کو دے گئے اور "مجربات قیسی" احقر کے والد ماجد جناب فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کو عطا فرما گئے اس لئے کہ والدی ان کے اخص الخواص تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت قبلہ آسی اعلیٰ اللہ مقامہ (المتوفی 1944ء) کے وصال کے بعد ان کے بھائی جناب مولانا حکیم محبوب عالم مرحوم و مبرور ان کا ذاتی کتب خانہ اپنے گاؤں راگھو سیداں تحصیل حافظ آباد لے گئے۔ اس طرح مطب حیدری محفوظ ہو گئی اور میرے بڑے بھائی جناب حکیم غلام قادر چشتی مرحوم (ملتان) نے اس نادر طبی شاہکار کو راگھو سیداں سے منگوا کر نقل کیا اور اس نقل کی فوٹو اسٹیٹ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔" (شمارہ 2688)

شریف خان، محمد۔ علاج الامراض (فارسی) دہلی: اکمل المطابع 1203ھ/1867ء صفحہ 2-10-530 (فارسی)

آخری دو صفحات پر مولوی الطاف حسین حالی کی تقریظ شائع ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ اشاعت خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ بقول حکیم صاحب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے مولانا حالی پر کام کرتے ہوئے اس نسخہ سے استفادہ کیا تھا۔ (شمارہ 179)

عیسیٰ۔ دار الشفاء، خیر منکھ، رسائل نتھو شاہ، لاہور: مطبع مصلفائی۔ 1294ھ صفحہ 208 (پنجابی- فارسی)

دار الشفاء اور خیر منکھ از عیسیٰ دونوں کتابیں ساتھ ساتھ چھپی ہیں ان پر فارسی میں حاشیہ ہے۔ حاشیے کے شروع میں فقیر عزیز الدین، حکیم علوی خان اور دیگر اطباء کے مجربات بیان

کرنے کا ذکر ہے۔ یہ نسخہ اس اعتبار سے خاصا اہم ہے۔ (شمارہ 2656)

غلام جیلانی امرتسری، حکیم۔ مجربات جیلانی، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب 1991ء صفحہ 288 (اردو)

محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اس کے سرورق پر نوٹ دیا ہے۔

"حضرت حکیم غلام جیلانی صاحب نے اعلیٰ اللہ مقامہ احقر کے والد ماجد علیہ الرحمہ کے اساتذہ کرام میں سے تھے۔" (شمارہ 4122)

محمد اسماعیل خوارزمی۔ زبدۃ الطب۔ سال کتابت 1255ھ اوراق 351 (قلمی) (عربی)

اس مخطوطے کی اہمیت کے بارے میں حکیم صاحب راقم السطور کے نام ایک خط مکتوبہ 23 جنوری 1991ء میں لکھتے ہیں۔

یہ بڑا نادر خطی نسخہ ہے۔ آج تک یہ کتاب چھپی نہیں اور نہ ہی اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ خطی نسخے بھی بہت کم لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔" اس کے علاوہ ایک نوٹ میں حکیم صاحب کی جانب سے یہ معلومات بھی دی گئی ہیں۔ "اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے اور دوسرا نسخہ اسلامیہ کالج، پشاور کی لائبریری میں محفوظ ہے۔" اس اعتبار سے یہ نسخہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ (شمارہ 4016)

فارسی نظم

اقبال، سر محمد۔ زبور عجم۔ لاہور: شیخ مبارک علی، 1948ء صفحہ 264 (فارسی)

محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اس کے شروع میں ایک ضروری نوٹ لکھا ہے۔

یہ نسخہ علامہ محمد حسین عرشی امرتسری کے زیر مطالعہ رہا ہے اور جلد کی اندرونی جانب عرشی مرحوم نے اپنے قلم سے سحابی نجفی کے اشعار نقل کئے ہیں اور آخر میں حضرت ابن عربی کے بارے میں اپنی رائے بھی ظاہر کر دی ہے۔" (شمارہ 3805)

متفرق مضامین و منظومات

نامی، غلام دستگیر۔ رجسٹر مطبوعہ مضامین در اخبارات و رسائل۔ (اردو)

اس رجسٹر میں پیر غلام دستگیر نامی مرحوم کے مضامین اور منظومات کو چسپاں کیا گیا ہے حکیم صاحب نے درج ذیل نوٹ اس پر لکھا ہے:

"یہ رجسٹر حضرت پیر غلام دستگیر نامی مرحوم و مغفور نے خود ترتیب دیا تھا اور ایام بیماری میں احقر کو تحفتہ" عطا کر دیا تھا۔" (شمارہ 4163)

حکیم صاحب فاروق کے ہمراہ

مکتوب آسی مرحوم

آسی، محمد عالم - مکتوب (غیر مطبوعہ) 13 اوراق (عربی) - (فوٹو کاپی)

یہ خط اس مکتوب کی فوٹو کاپی ہے جو آسی مرحوم نے ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم کو لکھا تھا۔ اس کے حصول کی تفصیل حکیم صاحب نے اپنے نوٹ میں لکھی ہے جو اس کے ساتھ موجود ہے۔ اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مشہور دانشور ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب استاذی حضرت مولانا علامہ محمد عالم آسی امرتسری علیہ الرحمت کے لائق ترین تلامذہ میں سے تھے اور انہوں نے علمی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا تھا، ڈاکٹر صاحب احقر کے کرم فرماؤں میں سے تھے اور ان سے اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ موصوف اپنی وفات سے تقریباً ایک سال قبل میرے پاس تشریف لائے اور ایک ملفوف مجھے سونپتے ہوئے فرمایا:

"جب میں حصول تعلیم کے لئے انگلستان گیا ہوا تھا، تو میں نے وہاں سے کچھ علمی سوالات لکھ کر حضرت آسی کی خدمت میں ارسال کئے تھے۔ ان کے جوابات میں آپ نے مجھے ایک طویل مکتوب تحریر فرمایا تھا جو آج تک میرے پاس موجود ہے۔ اب یہ مکتوب میں آپ کو (محمد موسیٰ) پیش کر رہا ہوں۔" (بلفظہ بقدر حافظہ)

یہ بیش قیمت اور نادر علمی خط میرے سپرد کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب حضرت آسی کے علمی کمالات اور ان کی سادگی و بے نفسی پر گفتگو فرماتے رہے جو بجائے خود ایک مضمون کی متقاضی ہے۔ غرض کہ حضرت قبلہ آسی کا یہ مکتوب جو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے، کی فوٹو اسٹیٹ اپنے ذخیرہ کتب مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شامل کر رہا ہوں، تاکہ محققین اس سے مستفید و مستفیض ہوتے رہیں۔" (شمارہ 2847)

حکیم صاحب اپنے نواسوں حسن فاروق اور جہانزیب کے ساتھ

حکیم صاحب (صولت رضا قادری، ضیاء الدین قادری) اپنے ننھے منے دوستوں کے ساتھ

صابر علی میاں قادری

فیض الحسن
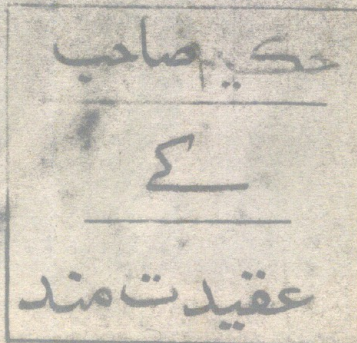
مرکزی مجلسِ رضا کا بانی

جلال الدین ڈیروی

نبیرۂ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حضرت مولانا محمد ریحان رضا خاں بریلی شریف اور
حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری

تحریک پاکستان کے دوران سنی علماء و مشائخ نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور گاندھی فلسفہ متحدہ قومیت کی شدید مخالفت کی جب کہ بعض علماء نے کانگریس کا ساتھ دیا اور ہندوؤں کی مدد سے مسلم لیگی ذہن کے سب مسلمانوں کے متعلق وسیع پیمانے پر پروپیگنڈہ مہم چلائی کہ یہ لوگ انگریزوں کے ایجنٹ ہیں، قیام پاکستان کے بعد ان شکست خوردہ عناصر نے ہمت نہیں ہاری اور عوام کو یہ بات ذہن نشین کرانے کی جدوجہد جاری رکھی کہ ان کے اکابرین نے اگرچہ ہندوؤں کا ساتھ دیا تھا لیکن ان کی نیت میں فتور نہیں تھا جب کہ مخالف علماء و مشائخ کے متعلق حسب سابق یہ بے بنیاد پروپیگنڈہ جاری رکھا کہ ان حضرات نے انگریز کی شہ پر "مجاہدین تحریک آزادی" پر فتوے لگائے اور شرک و بدعات کو فروغ دیا۔

مخالفین کی یہ تحریک حیرت انگیز طور پر توقع سے زیادہ کامیاب رہی، یہاں تک کہ نصابی کتب میں ان علماء و مشائخ کے زریں کارناموں کو شامل نہ ہونے دیا گیا جنہوں نے تحریک پاکستان میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ سنی اکابرین کے معتقدین نے چپ کا روزہ رکھا۔ اس موضوع پر کچھ لکھنے سے گریز کیا، ان کا خیال تھا کہ چونکہ عوام حقیقت حال سے واقف ہیں اس لئے مخالفین کا یہ جھوٹا پروپیگنڈہ بے اثر رہے گا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن ایک ایک کرکے اس فانی دنیا کو خیرباد کہتے گئے اور جو زندہ تھے ان کی اکثریت حکام وقت کے نامناسب رویہ کے باعث گوشہ نشین ہو گئی۔ اس طرح مخالفین کو اپنا رنگ جمانے کا ایک اور نادر موقع ہاتھ آگیا۔

قوم کے درد مند افراد نے اس سنگین صورت حال کا سختی سے نوٹس لیا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے حکیم اہلسنت محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے عملی اقدام اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ ابتدائی قدم کے طور پر انہوں نے امام اہلسنت مجدد دین ملت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت اور خدمات کو روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا کیونکہ وہی قائد اہلسنت تھے اور جب قائد پر لگائے جانے والے الزامات بے بنیاد ثابت ہو جاتے تو ان کے معتقدین اور ہم مسلک علماء و مشائخ کی صفائی میں کہنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

اس پرخار وادی میں قدم رکھنے کی وجہ بتاتے ہوئے مرحوم حکیم اہلسنت نے ایک انٹرویو میں فرمایا۔

"مطالعہ میرا شروع سے شغف رہا ہے میرے مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علماء نے کہ جنہوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی، انگریزوں کی کاسہ لیسی کی، ان کا تذکرہ تو ہیرو کے طور پر ملتا ہے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کہ جن کے حوالے سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں، ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے، میں ان سوالات کو پروفیسر ایوب قادری جو کہ لاہور میں جب بھی تشریف لاتے، میرے ہاں قیام کرتے، سے اکثر کیا کرتا مگر کیونکہ ان کا دیوبندیت کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا، اس لئے وہ میرے اس سوال کے جواب کو گول کر جاتے، جس سے مجھے اعلیٰ حضرت کے بارے میں پڑھنے کی مزید جستجو ہوئی یہ 1960ء کی بات ہے، میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو کہ اس دور میں نایاب تھیں، تلاش کرکے پڑھیں اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حالیہ تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں لہٰذا اس پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا۔" (ماہنامہ "جہان رضا" لاہور مئی 1993ء صفحہ 14-15)

حکیم صاحب مرحوم نے بے سروسامانی کی حالت میں کام شروع کر دیا، نشر و اشاعت کے اداروں پر مخالفین کا قبضہ تھا۔ حکومت کا اگرچہ یہ فرض تھا کہ اس محسن قوم کو متعارف کروانے میں خود دلچسپی لیتی جس نے مصور پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ سے بھی قبل دو قومی نظریہ کے احیاء کے لئے عظیم جدوجہد فرمائی تھی لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حکومت کو اس اہم ذمہ داری کا "قطعاً" کوئی احساس نہیں تھا، مستند مواد کی کمی کا مسئلہ اپنی جگہ موجود تھا، لکھنے والے میدان سے غائب تھے اور سب سے بڑھ کر تکلیف دہ بات یہ تھی کہ اپنے خواب غفلت کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ اس مایوس کن حالت میں بھی حکیم صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے پاکستان اور ہندوستان کے مختلف حصوں کے اہل علم سے رابطہ کیا، ایک جانب بکھرے ہوئے مواد کو اکٹھا کرنا شروع کیا تو دوسری طرف جدید انداز میں تصنیف و تالیف کی اہلیت رکھنے والے اسکالرز کو ڈھونڈا، مواد ان کے گھر پہنچایا، مخیر حضرات کو اس کار خیر میں حصہ لینے پر آمادہ کیا اور "مرکزی مجلس رضا" کے نام سے ایک ادارہ بنا کر اس کے زیر اہتمام کتابیں چھاپنا شروع کر دیں۔

کسی بھی تحریک کے آغاز میں مختلف نوعیت کی مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اگر قائد میں بے نظیر انتظامی صلاحیتیں موجود ہوں تو اس قسم کی عارضی مشکلات پر جلد قابو پا لیا جاتا ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہوا اور وقت گزرنے

مولانا ضیاء الدین مدنی قادری اور مصطفیٰ رضا خان کی یاد میں منعقدہ جلسہ سے مفتی محمد حسین نعیمی، نواب مشتاق احمد خطاب اور مولانا محمد بخش مسلم صدارت کر رہے ہیں۔ صدر کے ساتھ صاحبزادہ حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری بیٹھے ہیں

کے ساتھ ساتھ "مرکزی مجلس رضا" کی کارکردگی بہتر ہوتی گئی اور بالآخر یہ تحریک کامیابی سے ہم کنار ہوئی، محترم محمد محبوب الٰہی رضوی نے مجلس رضا کی شاندار کارکردگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"حضرت حکیم صاحب نے اسی عنوان سے ایک عالمگیر تحریک کی بنیاد رکھی اور فاضل بریلوی ؒ کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا اور اس طرح حکیم صاحب نے مصنفین کا ایک کارخانہ بنا دیا جس میں علمی اور تحقیقی کام کا آغاز کیا گیا، مرکزی مجلس رضا ایک ایسا ادارہ بن کر ابھرا جس کے خم و پیچ اور یمین و یسار میں صرف حکیم صاحب کی پر کیف خوشبو پھیلی ہوئی محسوس ہو رہی ہے اور ان کی سرکردگی میں مرکزی مجلس رضا نے فاضل بریلوی ؒ کی پاکیزہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لاکھوں کی تعداد میں کتابیں شائع کر کے اندرون ملک اور بیرون ملک پھیلا دیں، ترکی کے جناب حسین حلمی کی طرح پاکستان میں حکیم صاحب نے اہلسنت کا ایمان افروز لٹریچر لوگوں کے گھروں میں پہنچا دیا اور اس طرح فاضل بریلوی ؒ کی ذات اقدس پر اڑائے گئے چھینٹوں کا موثر علاج جو کسی یونیورسٹی یا ادارہ نے نہ کیا وہ حکیم صاحب کی ذات اور ان کے عزم و عمل نے کر دکھایا، انہوں نے ایک انجمن، ایک تنظیم، ایک جماعت، ایک قافلہ کا کام فرد واحد کے روپ میں رضاکارانہ طور پر از خود پایہ تکمیل کو پہنچایا۔" (ہفت روزہ "شاہ ولایت" لاہور، 28 جولائی/3 اگست 1991ء صفحہ 21)

مرکزی مجلس رضا لاہور کے علاوہ حضرت حکیم صاحب ؒ کے ایماء پر کئی اور ادارے بھی قائم ہوئے، گو ان کے منتظمین میں ان کا اسم گرامی شامل نہیں لیکن در حقیقت انہیں وجود میں لانے کی تحریک حکیم صاحب نے ہی کی تھی اور وہی ان کی سرپرستی فرماتے تھے، ان اداروں نے بڑا مفید اور مستند لٹریچر ملک بھر میں مفت تقسیم کرنے کے علاوہ دیگر فلاح و بہبود کے کئی امور بھی سرانجام دیئے اور اب بھی یہ فیض جاری ہے ان میں ادارہ معارف نعمانیہ لاہور، مرکزی مجلس امام اعظم لاہور اور کنز الایمان سوسائٹی لاہور شامل ہیں۔

خوش قسمتی سے راقم الحروف کو چند سال لاہور میں قیام کرنے کا موقع ملا، حکیم صاحب سے کئی ملاقاتیں ہوئیں، ان کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے نہ تو پہلے سے وقت لینے کی ضرورت تھی اور نہ ہی دروازے پر کوئی دربان تھا، ہر خاص و عام کسی وقت بھی ملاقات کر سکتا تھا، قدیم وضع کی اس

سادہ مگر پر وقار شخصیت کی محفل میں جو روحانی سکون ملتا تھا' اسے محسوس تو کیا جا سکتا تھا لیکن الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن نہیں وہ کسی سے کچھ لیتے نہیں بلکہ عطا کرتے تھے ان کے دوستوں میں ہم عمر کے لوگ شامل تھے' ہر مہمان کی خاطر تواضع کرتے' کم از کم چائے ضرور پلاتے' کھانے کا وقت ہو جاتا تو وہاں موجود سب حضرات کو ان کی حیثیت سے قطع نظر ایک ہی قسم کا کھانا بہ اصرار کھلاتے' اسے وہ لنگر کے نام سے تعبیر فرماتے' ان کی گفتگو تصنع اور بناوٹ سے پاک ہوتی' اپنا علمی رعب جمانے کی قطعاً" کوشش نہیں فرماتے' ہر شخص سے اس کی ذہنی صلاحیت کے مطابق بات چیت کرتے' لکھنے والوں کی بہت قدر کرتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے' اگر کسی کو لکھنے پڑھنے کی جانب معمولی سے رغبت بھی ہوتی تو اس پر خصوصی کرم فرماتے' اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھار کر' اسے مصنف بنا کر اس میدان میں مزید جوہر دکھانے پر اصرار کرتے۔

حکیم صاحب اگرچہ بہت شفیق' ٹھنڈے اور ہر وقت ہر شخص پر مہربان نظر آتے' کسی کی دل آزاری نہ کرتے لیکن بعض موقعوں پر راقم نے انہیں غصہ میں بھی دیکھا ہے' ایک بار بعض موقع پرست' ابن الوقت اور زکوٰۃ خور مولویوں کا ذکر کرتے کرتے کچھ جذباتی ہو گئے تھے' انہیں ان مولویوں سے بجا طور پر شکوہ تھا جو صرف اور صرف اپنی ذاتی منفعت پر نظر رکھتے ہیں' حکومت وقت کی قصیدہ خوانی کرتے ہیں اور اپنے عقائد و نظریات کو پس پشت ڈال کر مخالفین کی محفلوں کی زینت بنتے ہیں اس جانب اشارہ کرتے ہوئے جناب بشیر حسین ناظم رقمطراز ہیں:

"جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب طبعاً" غیور اور مزاجاً" جسور ہیں' وہ کسی مولوی' صوفی' واعظ اور مصنف و ادیب کو راہ راست سے ہٹتا دیکھ کر دلی افسوس کرتے ہیں اور کڑھتے ہیں' مصلحت کیش نہیں' حق گوئی' حق جوئی' حق دانی' حق رسائی اور حق یابی ان کا مقصد حیات ہے' ان کی غیرت و حمیت بے مثال اور جرات و ہمت قابل ستائش ہے' راقم الحروف نے اس بات کا بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ جب بھی مسلک مظہر عشق مصطفیٰ (بریلویت) سے متعلق کچھ حضرات نے دیا بنہ کے جلسوں میں جن کا انعقاد "تقویت الایمان" اور "بسط البنان فی حفظ الایمان" کے مصنفین کی تعریف و توصیف تھا شرکت کی' ان کے نام نہاد جہاد کی زبانی کلامی خبر لی بلکہ تحریراً" بھی ان سے جواب طلبی کی اور ان سے بہ بانگ دہل استفسار کیا کہ آیا وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی ان تحریروں' تقریروں اور تصنیفوں اور افکار کے منکر ہو گئے ہیں جن کا انہوں نے ان حضرات کے علمی و ادبی محاکمہ کرتے وقت ظاہر و باہر سچائی کی بنیاد پر اظہار کیا تھا' سچی بات یہ ہے کہ قبلہ حکیم صاحب ہر بریلوی سنی کو متحکم العقیدہ دیکھنا چاہتے ہیں اور اعلیٰ حضرت کے افکار و عقائد پر قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں جو ایمان و عرفان کی اساس ہیں۔" (ماہنامہ "جہان رضا" اپریل 1993ء صفحہ 16)

کنز الایمان سوسائٹی لاہور کے زیر اہتمام ہر سال یوم رضا کی تقریب بڑے دھوم دھام سے منعقد ہوتی ہے جس میں ملک بھر کے چیدہ چیدہ اسکالرز تحقیقی مقالے پیش کرتے ہیں' اس سوسائٹی کو قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی کا فخر حاصل تھا' ایک بار راقم اپنے دوست کے ہمراہ اس تقریب کے اختتام سے قبل ہی وہاں سے واپس آ کر حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا' حکیم صاحب مرحوم کو جب اس کا علم ہوا تو ہم نے ان کے چہرے پر غصہ کے واضح آثار دیکھے' کوئی ناگوار الفاظ تو ارشاد نہیں فرمائے لیکن یہ نصیحت ضرور فرمائی کہ تمہارا وہاں رہنا یہاں آنے سے زیادہ فائدہ مند تھا اور پھر یکدم ہشاش بشاش دکھائی دینے لگے اور مختلف علمی موضوعات پر گفتگو ہونے لگی۔

قبلہ حکیم صاحب کی دکان پر کئی مشہور و معروف اہل علم حضرات سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہ اصل مصنّفین کے علاوہ ہم جیسے نام نہاد لکھنے والے کی سرپرستی فرمانے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے' ہر بار حوصلہ افزائی فرمانے کے ساتھ ساتھ قیمتی کتب و رسائل عطا فرماتے اور چھپوانے کا بندوبست بھی کرتے' اس مسکین کو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار اپنے صاحبزادے مولانا زین الدین ڈیروی فاضل انوار العلوم ملتان کا مقالہ "تحریک انسداد گاؤ کشی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی" بغرض اصلاح لے کر حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ ماہنامہ "القول السدید" لاہور کے مدیر اعلیٰ محترم محمد طفیل کو میرا سلام کہہ دیں اور یہ مقالہ اس کے حوالے کر دیں' حکم کی تعمیل کی گئی' یہ مقالہ اس رسالہ کے دسمبر 1994ء کے شمارے میں چھپا۔

قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ سنی نوجوانوں کو منظم کر کے ان سے کام لیا جائے کیونکہ یہ بات اب سب کو معلوم ہو چکی ہے کہ نوجوان بعض ابن الوقت علماء کی کارکردگی سے نالاں نظر آتے ہیں' ان میں قوت عمل موجود ہے' جوش و جذبے کی کمی نہیں' صرف ایسی قیادت کی ضرورت ہے جس پر انہیں اعتماد ہو' اکثر نوجوانوں کو راقم نے دیکھا ہے' جو قبلہ حکیم صاحب کے سچے شیدائی تھے' ایسے ہی چند نوجوانوں نے جناب محمد نعیم طاہر رضوی کی قیادت میں کنز الایمان سوسائٹی لاہور کی بنیاد رکھی ہے' نعیم صاحب اور ان کے ساتھیوں کے بہت قریب رہنے کا راقم کو شرف حاصل ہے' یہ نوجوان قبلہ حکیم صاحب مرحوم کے ہر حکم کو حرف آخر سمجھتے تھے اور ان ہی کی رہنمائی میں اتنے مفید کام کئے ہیں جو کئی ادارے مل کر بھی نہیں کر سکتے' یہ علیحدہ بات ہے کہ اہل سنت کا خوشحال طبقہ ان کے ساتھ اس طرح تعاون نہیں کرتا جو انہیں کرنا چاہیے۔ سچ فرمایا ہے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ____

"سنیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے' انہیں دین کا کم خیال ہے اور جنہیں دین سے غرض ہے افلاس کا مرض ہے۔" (مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی' مرتب مولانا محمود احمد قادری مطبوعہ لاہور 1986ء صفحہ 62)

کنز الایمان سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک ماہنامہ "کنز الایمان" بھی مسلسل کئی سال سے شائع ہو رہا ہے' اس رسالہ کے مدیر اعلیٰ جناب محمد نعیم طاہر رضوی نے ناموافق حالات کے باوجود اپنے رفقاء کی مدد اور قبلہ حکیم صاحب مرحوم کی ہدایت پر کئی یادگار اور تاریخ ساز خصوصی نمبر شائع کئے مثلاً" تحریک خلافت و ترک موالات نمبر (نومبر 1994ء) اور تحریک پاکستان نمبر (اگست 1995ء) سچی بات یہ ہے کہ وقت کی ضرورت کے عین مطابق ان جیسے مستند ماخذ سے مزین (بقید حوالہ جات) تحقیقی مقالے آج تک کسی اور سنی رسالے میں شائع نہیں ہوئے ہیں' ان دونوں مقالوں کو اگر مناسب ترتیب کے ساتھ یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو تحریک خلافت سے لے کر قیام پاکستان تک سنی اکابرین کی شاندار سیاسی خدمات اور مخالفین کی کارکردگی کے لئے کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی' قبلہ حکیم صاحب تو اس فانی دنیا کو خیر باد کہہ چکے ہیں' کاش ان کا کوئی متمول معتقد اس جانب متوجہ ہو جائے اور سنیوں کو مستند مواد پر مشتمل یہ کتاب تحفہ میں پیش کر دے۔

فخر الاطباء حضرت فقیر محمد چشتی نظامی (والد گرامی حکیم محمد موسیٰ امرتسری)
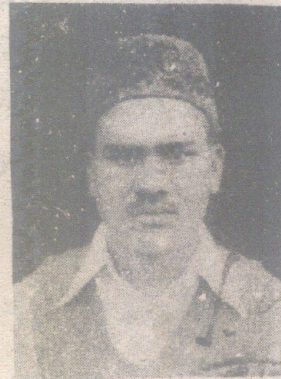
حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا بچپن

حکیم نور الدین چشتی

پیارے تایا جان
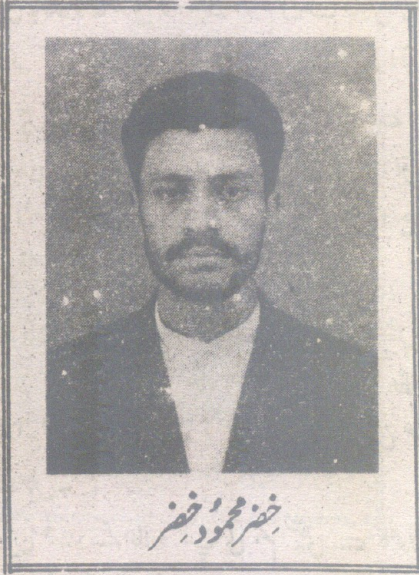
خضر محمود خضر

محقق عصر حکیم اہلسنت الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور میرے والد محترم جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا کی ساٹھ سالہ طویل رفاقت آخر کار 17 نومبر 1999ء کو انجام پذیر ہوئی لیکن شاید یہ روحانی و قلبی وابستگی بعد از حیات مستعار بھی قائم و دائم رہے۔

حکیم صاحب سے ہمارا یہ رشتہ مودت و رفاقت اس قدر گہرا تھا کہ ہم سب بہن بھائی انہیں بصد ادب و احترام ہمیشہ تایا جان کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے کیونکہ آپ کی شخصیت اس اعلیٰ مقام پر فائز تھی جہاں تک پہنچنے کے لئے عمر رفتہ کی مسافت کو طے کرنا آسان نہیں ہے۔ آپ کی مجلس میں ہر آنے والا آدمی اپنے آپ میں دینی و ملی کیفیات محسوس کرنے لگتا۔ یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ میں نے بچپن سے لے کر جوانی تک سکول سے لے کر کالج تک کے دور کا عرصہ ان کی خدمت گزاری میں بسر کیا، الحمدللہ! اور انہیں نہایت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ آپ جذبہ علم و حکمت اور فہم و فراست کی دولت سے مالا مال اور عشق مصطفیٰ آپ کی رگ و پے میں جاری و ساری تھا۔ بدیں وجہ آپ کی خدمت گرامی میں ملک بھر سے بیشتر جید علماء کرام مشائخ عظام اور مورخین و محققین اور دور حاضرہ کے نامور حکماء و اطباء طب و حکمت کے پیچیدہ مسائل کے حل کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے بصیرت افروز مشوروں سے مستفید و مستفیض ہوتے اور گلہائے مقصود سے اپنی جھولیاں بھرتے۔

محترمی تایا جان قبلہ سے صرف مسلک اہلسنت کے اکابرین ہی فیضیاب نہیں ہوئے بلکہ کئی دوسرے مکتبہ فکر کے علماء و فضلا نے بھی آپ سے علمی و تحقیقی مسائل میں استفادہ کیا۔

تایا جان کی زندگی و شخصیت اور حالات و واقعات پر کچھ لکھنے کے لئے ایک اچھا خاصا دفتر درکار ہے لیکن میں طوالت کے خوف سے زیر نظر مضمون نہایت اختصار سے سپرد قلم کر رہا ہوں جسے میں اپنے لئے ایک بہت بڑی سعادت سے تعبیر

کرتا ہوں۔ آپ پابند صوم و صلوۃ، تہجد گزار، عاشق ختم المرسلین ﷺ پیکر صدق و صفا، حلیم الطبع، ملنسار، وضع دار، علم دوست اور بے شمار ایسی ہی خوبیوں کے بحر بیکراں تھے جن کا احاطہ کرنا مشکل ضرور ہے یہاں آپ کی زندگی کے ایک اہم ترین واقعہ کا ذکر کرنا اشد ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ نے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر ہر جمعہ المبارک کی باقاعدہ حاضری کا سلسلہ تادم زیست جاری رکھا۔ یہ اس لئے کہ آپ کے والدین کریمین اور دیگر اعزہ و اقربا یہیں پر مدفون ہیں یہ احاطہ "مقابر چشتیاں" کے نام سے موسوم ہے۔ تایا جان کا ایک یہ بھی معمول رہا کہ مقدس اوراق جہاں بھی دیکھتے انہیں محفوظ کر لیتے اور پھر جمعہ کے دن انہیں کسی اچھی جگہ دفن کرا دیتے۔

تایا جان کی دینی و ملی خدمات کے اعتراف میں بیشتر پہلوؤں کا ذکر ان کے ہمعصر علماء و فضلا اور مشائخ عظام نے اپنے اپنے انداز میں کیا ہے اور انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اکابرین ملت کے علاوہ آپ کی ہم نشینی سے کالجوں کے پروفیسر، یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی ہولڈرز، اسکالرز علم حدیث کے طلباء اور عاشق مجدد دین نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق خوب سے خوب تر استفادہ کیا۔

آپ نے پنجاب یونیورسٹی کو اپنے ذاتی ذخیرہ سے نادر کتب کا جو بے بہا خزانہ عطا فرمایا ہے وہ عالم انسانیت پر ایک احسان عظیم سے کم نہیں۔ تایا جان نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنے وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ روزہ مرہ کے ان امور سے فارغ ہونے کے بعد خدمت خلق اور دکھی لوگوں کی مسیحائی کے لئے اپنے مطب پر تشریف لاتے۔ غریبوں، ناداروں اور مفلسوں کو ادویات مفت مہیا کرتے۔ حاجت مندوں کی ہمیشہ دستگیری فرماتے آپ کے بے شمار اسلوب ایسے ہیں جو بلا شبہ قابل صد تحسین و آفرین ہیں۔

تایا جان نے اپنی زندگی کے اہم ترین مشن کی تکمیل اور اپنے قلبی سکون کے لئے مجدد دین ملت امام اہلسنت حضرت شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو برصغیر میں روشناس کرانے کے لئے 1968ء میں "مرکزی مجلس رضا" کا انعقاد فرمایا۔ اس مجلس کے تحت آپ نے کنز الایمان، فاضل بریلوی اور ترک موالات، جو کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی منہ بولتی نادر تحریروں کو شائع کر کے عوام الناس میں لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیں۔ علاوہ ازیں مجلس رضا کے پلیٹ فارم مسلک کی اشاعت کے لئے دیگر لاکھوں کتب کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا جس سے مسلک اہلسنت کے ماننے والے آج تک مستفیض ہو رہے ہیں۔

مجھے یہ بات لکھنے میں فخر محسوس ہو رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مسلک کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لئے کسی پوری تحریک یا کسی ادارے کا نام لینے سے پہلے فرد واحد حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہ لکھنا تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہے۔

آپ حکیم حاذق تو تھے ہی لیکن آپ کے مشن کی تکمیل سے خوش ہو کر قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو آپ کی زندگی ہی میں حکیم اہلسنت کے اعزاز سے نوازا، ان کے عقیدت مندوں کے جذبات کی ترجمانی فرمائی اور انہیں اپنی خلافت و اجازت سے بھی نوازا۔

میں اپنی اس خوش نصیبی پر جس قدر ناز کروں کم ہے کہ میں اس عظیم ہستی کی آغوش شفقت میں پھلا پھولا اور مجھے آپ سے پند و نصائح کی تلقین اور نیک دعاؤں کی بے بہا ثروت سے نوازا گیا۔ سبحان اللہ و بحمدہ

آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہ عالیہ میں دست بستہ دعاگو ہوں کہ وہ مجھے موصوف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین ثم آمین۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

رفتید ولے نہ از دلِ ما

احقر نے اپنی سوا ساٹھ سالہ زندگی میں جن لوگوں کو تحریر و تقریر میں بڑا آدمی جانا' بالعموم وہ اپنی حقیقی حیثیت میں چھوٹے آدمی ثابت ہوئے۔ گفتگو اور خطابت کے بارے میں تو میرا نظریہ یہ ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے زندگی بھر کبھی تقریر نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ کے جو خطبات ملتے ہیں' وہ صرف کام کی باتیں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ جوامع الکلم تھے۔ جس بات کا ابلاغ مقصود ہوتا صرف وہی بیان فرماتے۔ کبھی کبھی مثال ضروری ہوتی تو اس کے ذریعے وضاحت فرما دی جاتی اور بس۔ خطابت کے کلی پھندنے نہیں ہوتے تھے آواز کے اتار چڑھاؤ سے متاثر کرنے کی ضرورت کبھی نہیں پڑی' لمبی چوڑی تمہیدوں کا یہاں عمل دخل نہیں ملتا' ڈرامے اور سسپنس سے ہر گفتگو خالی ملتی ہے۔ حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے سادہ الفاظ اور فقرے تاثر ابھارنے کے خارجی عوامل اور معاونات نہ رکھتے ہوئے بھی معانی و مفاہیم کے سمندر اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتے تھے۔ چنانچہ جو شخص جتنا اچھا مقرر جس قدر بڑا خطیب نظر آئے' سمجھ لیجئے کہ حضور حبیب کبریا علیہ التحیہ والثنا کی سنت کا تارک ہے اور کبھی سچا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے "واعظاں خلوت میں کار دیگر" کے مرتکب ہوتے نظر آ سکتے ہیں۔ ان کے یہاں گفتار کا دائرہ کردار تک وسیع نہیں ہوتا۔ یہ لم تقولون مالا تفعلون کی عملی تفسیر دکھائی دیتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب آج تک کوئی مولوی نہ دے سکا

راجا رشید محمود - ایڈیٹر ماہنامہ "نعت"

کہ جب مسلمان یہ دعوئ کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ احادیث مبارکہ میں منضبط اور محفوظ ہے تو "خطبہ حجۃ الوداع" مکمل کیوں محفوظ نہیں۔ جبکہ اس وقت ایک لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی وہاں موجود تھے اور یہ سب سے اہم موقع بھی تھا۔ اصل میں اس کا درست جواب یہ ہے کہ یہاں بھی حضور سید و سرور عالمیاں ﷺ نے کوئی تقریر نہیں فرمائی۔ ایک جگہ توقف فرمایا اور کوئی ایک بات دو تین فقروں میں واضح فرما دی۔ دوسرے مقام پر ٹھہرے تو کوئی دوسری بات ارشاد فرما دی۔ اس طرح مختلف مقامات پر جو جو کچھ حضور رحمت ہر دو عالم ﷺ نے فرمایا' سننے والوں نے روایت کر دیا اور سب کچھ احادیث کی

کتابوں میں محفوظ ہے۔ جب ہم اسے ایک خطبہ ایک تقریر کہتے ہیں تو اسے ثابت کس طرح کر سکتے ہیں۔

کسی حد تک یہی صورت حال تحریر کی ہے۔ استثنٰی تو خیر ہر جگہ پایا جاتا ہے لیکن جو لکھنے والا خوبصورت فقرے، نادر تشبیہات ہلا دینے والے کنایات اور متاثر کر دینے والی ترکیبات استعمال کرتا ہے وہ بالعموم کذب نگاری اور غلو سے کام لیتا ہے اور اس کی تحریر اور عمل میں تفاوت کی کار پردازی دکھائی دیتی ہے۔

مجھے مختلف دوست مرکزی مجلس رضا کے شائع کردہ کتابچے دکھاتے اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تعریف کرتے رہے۔ اس ادارے کی کارکردگی مجھے بھی متاثر کرتی رہی لیکن میں نے حکیم صاحب سے ملاقات پر اس لئے اپنے آپ کو قطعاً" تیار نہ پایا کہ دور سے اچھا نظر آنے والا ہر کام بسا اوقات نزدیک پہنچنے پر کوئی اور ہی رخ دکھاتا ہے۔ خصوصاً" آج کے زمانے میں دین و مذہب کے حوالے سے سامنے آنے والے قریباً" ہر کارنامے کے پیچھے کچھ ذاتی مفادات کار فرما ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے نہیں ملا۔

1975ء میں میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ سات دن بے ہوش رہا۔ دائیں ٹانگ کی دونوں ہڈیاں اور ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، سر میں چوٹیں آئیں۔ میں ساڑھے آٹھ مہینے چارپائی پر رہا۔ حکیم صاحب کو حادثے کا پتہ چلا تو عیادت کے لئے میرے ہاں آ گئے۔ دو اڑھائی گھنٹے میرے پاس رہے اور جاتے ہوئے میرا دل بھی ساتھ لے گئے۔ پھر قریباً" بیس برس یوں گزرے کہ میں ہفتے میں دو تین دن ان کے پاس ضرور حاضری دیتا تھا۔

حکیم صاحب کے مطب میں، بہت بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ میں نے ان کے سامنے صاحبان علم کو مودب دیکھا، محققین کو استفادہ کرتے ہوئے پایا، مورخین کو رہنمائی حاصل کرتے دیکھا۔ تاریخ کی بات ہو یا منطق کی، تصوف و طریقت کے مسائل ہوں یا علم دین کے، شعروسخن کا تذکرہ ہو یا قومی و علاقائی ادب کا، صرف و نحو کے معاملات ہوں یا صحافت کی تاریخ، کثرت مطالعہ اور ژرف نگاہی کی وجہ سے وہ ان علوم و فنون کے ماہرین کو راہ دکھاتے ہی دکھائی دیئے۔

برصغیر کی بات نہیں، مشرق وسطیٰ سے یا یورپی ممالک سے کوئی شخص تحقیق و تدقیق کے لئے پاکستان آتا تو رہنمائی اور کسب فیض کے لئے حکیم صاحب کا پتا اس کی جیب میں ہوتا تھا۔ اگر کوئی اپنے ملک سے یہ پتا لے کر نہ چلتا تو پاکستان پہنچ کر اور بہت سی درسگاہوں، اداروں اور دانشوروں سے استفادے کے بعد بھی اسے اس دروازے پر پہنچنا ہی پڑتا کہ اس کے بغیر تشنگی دور نہیں ہو سکتی تھی، تحقیق مکمل ہونا ممکن نہ تھا، بات بنتی نہیں تھی۔

میں نے 1966ء میں ایم اے (اردو) کیا تھا۔ اس کے بعد چاہا کہ پی ایچ ڈی کے لئے کوئی موضوع پالوں مگر صدر شعبہ ڈاکٹر وحید قریشی نے بوجوہ مجھے بھگا دیا۔ بعد میں ذوالفقار علی بھٹو کے حکم سے یونیورسٹی کے شعبوں کی صدارت سینیارٹی کی بجائے باری باری ملنے لگی تو حفیظ تائب بھی صدر شعبہ پنجابی بن گئے۔ میں مبارک دینے گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ میں پنجابی میں پی ایچ ڈی کروں۔ ایک صاحب کا منظور شدہ موضوع "بلھے شاہ ـــ حیاتی تے شاعری" فارغ ہوا پڑا تھا، میں نے لے لیا اور سیدھا حکیم صاحب کے پاس پہنچا۔ ان کے ذخیرہ کتب اور علمی رہنمائی سے ہفتے بھر میں موضوع کا تفصیلی خاکہ تیار کیا اور پیش کر دیا۔ کہنے والوں نے کہا کہ ایسا مبسوط اور مکمل خاکہ پنجابی میں پہلے کبھی سامنے نہ آیا تھا مگر کرنے والوں نے جھنگ کے ایک پروفیسر سے اس خاکے کے خلاف رپورٹ لکھوا دی، اور میں بد دل ہو گیا۔ بعد میں شعبہ اردو سے "اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ" کے موضوع پر کام کرنے

سے بھی مجھے سازشوں کے ذریعے بددل کیا گیا اور میں نے پی ایچ ڈی پر چار حرف بھیج دیئے۔ عنقریب یہ سب تفصیلات میں اپنی خود نوشت کی نذر کر رہا ہوں۔

عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ میں نے اور میری طرح جس طالب علم نے حکیم صاحب کی مدد چاہی' معاونت طلب کی اور رہنمائی کی خواہش کی' وہ کسی بھی موضوع پر ہو اور کسی بھی زبان سے متعلق ہو' حکیم صاحب کے ذخیرہ علم نے اسے نہال کر دیا۔ اس عمل میں پاکستان' بھارت' ایران اور دوسرے قریبی ممالک ہی نہیں' امریکہ' برطانیہ' کینیڈا' فرانس وغیرہ ممالک کے متلاشیان علم و دانش کی سیرابی کی داستانیں بھی اپنی بہار دکھاتی رہیں۔

تحقیق کی راہ اختیار کرنے والے مسلمان بھی تھے' ہندو عیسائی اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے بھی۔ سب پر حکیم صاحب کی کشادہ دلی سایہ افگن رہی۔ انہوں نے مرکزی مجلس رضا کے ذریعے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو صحیح معنوں میں زندہ کر دیا اور ان کی علمی' ادبی حیثیت کو دنیا سے منوا لیا' مگر اہلحدیث' دیوبندی' شیعہ وغیرہ تمام مسالک کے رہروان منزل علم و ادب اس سالک سے اکتساب کرتے رہے۔ حکیم صاحب کا در علم کسی کے لئے کبھی بند نہیں پایا گیا۔ یہ مدینۃ العلم (ﷺ) اور باب مدینۃ العلم (کرم اللہ وجہہ) کے سچے نام لیوا تھے۔

پھر ہر طالب علم کو چائے' بوتل' کھانا اور دوا مفت ملتی تھی' ملتی رہتی تھی۔ کام کسی نے ایک آدھ سال' یا ایک آدھ ماہ کیا مگر حکیم صاحب کی کشادہ دلی اور کشادہ دستی ساری عمر اس کی معاون رہی۔ یہی نہیں اس پڑھے لکھے یا پڑھنے لکھنے والے شخص کے اعزہ و اقارب اور احباب اور ملاقاتی بھی اس سے فیض یاب ہوتے تھے۔ میں پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں 31 سال 7 ماہ 6 دن ملازم رہا جہاں تین سو آدمی کام کرتے ہیں۔ کچھ لوگ میرے ساتھ' کچھ مجھے بتا کر اور بہت سے ازخود حکیم صاحب کے پاس جاتے' مرض بیان کرتے' میرا نام لیتے یا صرف پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ سے اپنا تعلق جتاتے اور بلا قیمت دوا لے کر تندرستی کی نعمت پا لیتے۔ اس طرح کی داد و دہش کسی نے کبھی دیکھی ہے؟

ایک زمانہ تھا کہ طرح طرح کی ہیئتوں اور قسم قسم کی جلتوں والے مولوی' حکیم صاحب کے پاس آ کر بھانت بھانت کی بولیاں بولتے تھے۔ یہ مرکزی مجلس رضا کے شباب کا زمانہ

میاں ظفر اقبال - راجا رشید محمود
میاں زبیر احمد قادری ضیائی - حکیم محمد موسیٰ امرتسری

تھا۔ میں نے ان سے کئی بار کہا۔ حکیم صاحب اس زمانے کا تصور فرمایئے کہ انجمن انسداد مولویت بنی ہوئی ہے آپ اس کے صدر ہیں اور میں سیکرٹری۔ خدا کا شکر ہے کہ زیادہ عرصہ نہ گزرا اور حکیم صاحب پر بیشتر مولویوں کی اصلیت اور حیثیت عرفی کھل گئی۔ اگرچہ اس طرح مرکزی مجلس رضا کا بہت نقصان ہوا۔ نقصان کیا، دھڑن تختہ ہو گیا۔ ایک جاہل مولوی مجلس کا پیسہ کھا گیا، حکیم صاحب نے مجلس کو (لفظوں کی پوری معنویت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں) خون جگر پلایا تھا۔ اپنا سارا وقت، اپنا سارا پیسہ، اپنی ساری صلاحیتیں مجلس کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ اس میں ان کے مخلص ساتھی ظہور الدین خان نے واقعی ان کا ساتھ نبھایا۔ حکیم صاحب نے اسے بچانے کی کوشش کی مگر نقاب الٹ چکے تھے، تقدس ماب نظر آنے والے چہرے، عفریتوں کی شکل میں دانت نکوسے، پنجے پھیلائے کھڑے دکھائی دے رہے تھے اور جو ایسے نہیں تھے انہوں نے بوجوہ پیٹھ دکھائی، خاموش رہے یا بے حمیتی کا نشان بنے رہے۔ اکلاپے کے احساس نے حکیم صاحب سے استعفیٰ دلوا دیا، اور مجلس غفرلہ ہو گئی۔ بڑے کاروباریوں نے نام تبدیل کر لیا، چھوٹے تاجروں نے مجلس کے علاوہ حکیم صاحب کا نام بھی آج تک زیر استعمال رکھا ہے۔

میرا مجلس رضا سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا لیکن میں نے جو کچھ اوپر لکھا ہے اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اپنے علم اور مشاہدے کے مطابق بالکل سچ لکھا ہے میں اصل میں بہت عرصہ پہلے سے اس حقیقت کو جان گیا تھا کہ ملت اسلامیہ میں اجتماعیت کا شعور نہیں ہے (حالانکہ اسی شعور کی بیداری ملت کی زندگی کی ضامن اور اس کی سربلندی کا نشان تھی) اس لئے میں کسی تنظیم میں شامل نہیں ہوتا اور سنیوں (اہلسنّت والجماعت جنہیں عرف عام میں بریلوی کہا جاتا ہے) میں تو اجتماعیت کا فقدان زیرو پوائنٹ سے بھی بہت آگے جا چکا ہے۔

ایسے میں جن لوگوں نے مجھے "پاکستان سنی رائٹرز گلڈ" کے لئے دن رات ایک کرتے دیکھا ہے ان کے لئے میرا یہ بیان تعجب انگیز ہو سکتا ہے اس لئے حقیقت بیان کرتا ہوں، اور اس حقیقت سے واقفیت رکھنے والے بہت سے لوگ ابھی حیات ہیں۔

1978ء میں ملتان میں سنی کانفرنس ہوئی۔ لاہور سے ایک قافلہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی قیادت میں روانہ ہوا۔ میں بھی اس میں شامل تھا۔ ہمیں رات کو ایک سکول کے ایک کمرے کے فرش پر جگہ ملی۔ حکیم صاحب نے ازراہ شفقت مجھے اپنے قریب جگہ دی۔ قسم بخدا اس وقت میں نے یوں محسوس کیا کہ مجھے رتبہ مل گیا ہے اور حکیم صاحب کی شفقت کے اس مظاہرے سے یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک ﷺ نے مجھے اپنی رحمتوں کے حصار میں لے لیا ہے لیکن دنیا دار آدمی ہوں صبح میں نے حکیم صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے کیونکہ ان کے بلند بانگ خراٹوں نے میری پوری رات حرام کر دی تھی۔ حکیم صاحب ہنسے بھی اور افسوس بھی کیا۔ فرمانے لگے، یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی ورنہ تمہیں دو تین کمرے دور جگہ دلواتا۔ کیونکہ ایک بار دوستوں نے میرے خراٹے ریکارڈ کر کے مجھے سنوائے تھے تو میں خود ہول گیا تھا۔

سنی کانفرنس ملتان کے چار سیشن تھے۔ پہلی نشست میں مجھے نظم پڑھنا تھی، پڑھی۔ دوسرے دن مجھے کتابوں کے اسٹالوں کے پاس مولانا جمیل نعیمی (کراچی) ملے کہنے لگے ہم آپ کو تلاشتے رہے، آپ ملے نہیں۔ میں نے کہا، فرمایئے! کہنے لگے "پاکستان سنی رائٹرز گلڈ" بنا ہے آپ کا پنجاب کا کنوینر مقرر کیا گیا ہے۔ میں نے کہا، میں تو کسی تنظیم کا رکن تک نہیں بنتا، کس نے مجھے کنوینر شپ دینے کی جرات کی ہے؟ میں نے لفظ تو غلط سا استعمال کیا تھا مگر جب انہوں نے بتایا کہ میری کنوینر شپ پر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے صاد کر

دیا ہے تو میں خاموش بھی ہو گیا اور اس گاڑھے لفظ پر شرمندہ بھی ہوا جو میں حکیم صاحب کے علاوہ شاید کسی پر استعمال کرنے میں نہ جھجکتا۔

"پاکستان سنی رائٹرز گلڈ" کا شوشہ خواجہ رضی حیدر نے چھوڑا تھا۔ کراچی کیمپ میں بات چلی حکیم صاحب کو رہنمائی کے لئے کھینچا گیا۔ میری غیر حاضری میں مجھے پنجاب کا کنویز بنایا گیا۔ پھر عملاً" سارے طوق میرے گلے میں ڈال دیئے گئے۔ سنی کانفرنس کے آخری اجلاس میں مجھے گلڈ کے اغراض و مقاصد پر مبنی گفتگو کرنا پڑی۔ ملک بھر میں رکن سازی کی۔ سندھ اور سرحد کے کنویزوں نے کوئی کام نہ کیا' کاغذات جوں کے توں مجھے واپس کر دیئے۔ بلوچستان کے کنویز ہمارے ہتھے ہی نہ چڑھے۔ حکیم صاحب سنی قلمکاروں کو راہ پر لگانے کی دیرینہ خواہش کو پورا کرنے کی تمنا کے حصار میں تھے۔ مجھے بھگاتے دوڑاتے رہے۔ میں نے پتا نہیں کیا کیا پاپڑ بیلے' لیکن آخر کار یہ گلڈ مولویوں کی سیاست گردی کا شکار ہونے لگا۔ میں نے استعفیٰ دے دیا تو حکیم صاحب ایک وفد کے ساتھ میرے غریب خانہ پر پہنچے۔ مجھے استعفیٰ واپس لینے کو کہا' میں ان کی خدمات سے' ان کے اخلاص سے واقف تھا' انکار تو نہ کر سکا لیکن علیحدگی میں انہیں کہہ دیا کہ میں پھر انتخابات کرا کے' ایک طرف ہو جاؤں گا۔ یہی ہوا ____ اور یہ ادارہ بھی مرحوم ہو گیا۔

نام البتہ حکیم محمد موسیٰ کا' مختلف کاروباریوں کے نزدیک ہمیشہ ثمر آور سمجھا گیا ہے۔ ممکن ہے اب ان کی وفات کے بعد بھی اسے کیش کرانے کی مختلف صورتیں نظر آئیں۔ 1984ء میں عالم فقری صاحب جنرل سیکرٹری پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کی کتاب "گلزار صوفیاء" چھپی۔ ناشر گلڈ ہی بتایا گیا۔ بیرونی اور اندرونی سرورق پر "زیر اہتمام" حکیم اہلسنّت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری تحریر تھا۔ میں نے حکیم صاحب سے پوچھا تو انہوں نے میرے نسخے پر یہ تحریر لکھی۔

"کتاب ہذا کے سرورق پر جو یہ تحریر ہے کہ یہ کتاب احقر کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے" یہ کذب ہے' افترا ہے اور میرا سنی رائٹرز گلڈ سے کوئی تعلق باقی نہیں۔ محمد موسیٰ عفی عنہ 12-11-84

پتا نہیں حکیم صاحب کے نام کے ساتھ "حکیم اہلسنّت" کیوں اور کس کی ذہنی اپج کے تحت لکھا جانے لگا۔ اہلسنّت کے بیمار ہونے' بلکہ مختلف قسم کے موذی امراض میں گرفتار ہونے میں

حکیم صاحب اپنے نواسہ حسن فاروق اور قاری بشیر احمد کے ساتھ

توکسی کو شک نہیں ہو گا۔ یہ تو کھلی حقیقت (اوپن سیکرٹ) ہے لیکن حکیم محمد موسیٰ کو اہل سنت کا حکیم قرار دینے کا مقصد تو ان کی ناکامی کا اعلان کرنا ہے' اور یہ ناجائز اور ناروا الزام ہے۔ اس لقب یا خطاب کا معنی و مفہوم تو یہ بنتا ہے کہ اہلسنّت کے امراض کا علاج نہ کر سکنے کی ذمہ داری حکیم صاحب پر آ جائے۔ حالانکہ جو خود کشی پر تلا ہوا ہو وہ تو کسی حکیم کے پاس جاتا ہی نہیں۔ جاتا ہے تو مقصد علاج نہیں ہوتا' دنیا کو' اعزہ و اقرباء کو یا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہوتا ہے۔ میں نے تو حکیم صاحب کے نام کے ساتھ ہمیشہ "محقق عصر" لکھا ہے' اس لئے کہ حقیقت یہی ہے۔

ان کی کتابوں یا تحقیقی مقالوں کی مقدار تو شاید اتنی نہیں جتنی کئی اور لوگوں کی ہو سکتی ہے لیکن معیار ایسا ہے کہ اسی کو معیار قرار دیا جائے ویسے تو آج کل معیار کی پرسش کم ہی ہوتی ہے' یہ غلغلہ اٹھتا ہے کہ فلاں اتنی کتابوں کا مصنف ہے ____ وغیرہ۔

میں نے ایک بار ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا سے ایک پروفیسر کے بارے میں پوچھا۔ کہنے لگے' جاہل ہے۔ میں نے کہا اس کی تو کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ کہنے لگے' بک مینوفیکچرنگ تو الگ آرٹ ہے۔ حکیم صاحب آرٹسٹ نہیں تھے' حکمت و دانش کا پیکر تھے' تحقیق و تدقیق کے رسیا تھے' علم کا سمندر تھے۔ سمندر ان معنوں میں بھی کہ ان کے یہاں بھی مختلف رنگ' مختلف ذائقے اور ہمہ پہلو کیفیتیں تھیں۔ وہ علم' تاریخ اور ادب کے ہر رنگ پر گہری ناقدانہ اور محققانہ نظر رکھتے تھے۔

حکیم صاحب ماہنامہ "مہر و ماہ" کی ادارت میں جناب ابو الطاہر فدا حسین فدا کی معاونت کرتے تھے۔ اس جریدے کے کئی یادگار نمبر حکیم صاحب کی تحریک اور تگ و دو سے شائع ہوئے۔ پیر فضل گجراتی اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر پر جتنے وقیع نمبر مہر و ماہ نے شائع کئے وہ فدا و موسیٰ کی کاوش ہی سے وقعت یاب ٹھہرے۔ جب سعودی عرب کے ایک جریدے میں اس نوع کا مضمون چھپا کہ حضور اکرم ﷺ کے جسد مبارک کو کسی اور جگہ منتقل کیا جائے تو دنیا بھر کے مسلمانوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی لیکن پاکستان کے مولویوں نے صرف مال روڈ کے لارڈز ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس کی جس کی دو سطری خبر دو ایک اخبارات میں شائع ہوئی' اور بس۔ ماہنامہ "ضیائے حرم" کے اداریے "سر دلبراں" میں خالد بزمی کے خط کے حوالے سے ان لوگوں کے خلاف لکھا گیا جو اس مضمون پر احتجاج کی زبان کھول رہے تھے۔ ایسے میں پاکستان بھر کے جرائد میں سے واحد جریدہ ماہنامہ "مہر و ماہ" تھا جس کا "گنبد خضرا نمبر" چھپا اور احتجاج کی ایک مبسوط صورت سامنے آئی۔

ایک دفعہ قاری عطاء اللہ نے "فیضان" جاری کیا تھا بھی حکیم صاحب کے علم و حکمت ہی کا مظہر تھا۔ انہوں ماہنامہ "نور اسلام" شرقپور کے کئی وقیع نمبر مرتب کئے او شائع کرائے (مثلاً امام اعظم نمبر' مجدد نمبر اور اولیائے نقشب نمبر)۔ میں نے ماہنامہ "نعت" جاری کرنا چاہا تو اپنے والد (اللہ کریم انہیں جنت میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت پر ما فرمائے) کی اجازت اور اشیرباد کے بعد حکیم صاحب کی ت لینا ضروری سمجھا اور خداوند کریم جل شانہ العظیم کا کرم ا حضور رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم کی نگاہ رحمت طفیل یہ ماہنامہ جنوری 1988ء سے شروع ہوا اور تادم مسلسل اشاعت کے بارہ برس پورے کر چکا ہے اس کا ہر نعت یا سیرت کے کسی موضوع پر خاص نمبر ہوتا ہے اور ک کم 112 صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ بارہ برسوں میں سترہ (17,000) سے زائد صفحات چھپ چکے ہیں۔ اور مجھے ا ہے کہ میرے والدین کی نظر کرم کے ساتھ ساتھ حکیم صا کی حوصلہ افزائی اور بعض موضوعات پر بے حد معاون

وجہ سے ایسا ہو سکا ہے۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ایک وقت وہ تھا کہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولویوں کی بہت سرپرستی فرمائی۔ اسی عہد نامسعود کا واقعہ ہے کہ مورخ لاہور محمد دین کلیم قادری نے ایک کتاب لکھی "علماء لاہور کی بدمعاشیاں" انہوں نے حسب معمول حکیم صاحب سے مسودے کی منظوری چاہی لیکن انہوں نے وہ مسودہ ہی پارہ پارہ کر دیا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حکیم محمد حسین عرشی امرتسری کا مجموعہ کلام محمد حسین تسبیحی (ایرانی) نے مرتب کیا اور ہر صاحب فہم محقق کی طرح حکیم صاحب کو پیش کیا۔ انہوں نے عرشی مرحوم کی ایک نظم "در مدح مولوی" نکلوا دی، مجموعہ کلام میں شامل نہ ہونے دی لیکن بعد میں جب ان پر مولویوں کی اصلیت کھلی تو میرے علم کی حد تک ماہنامہ "مہر و ماہ" میں بھی یہ نظم چھپوائی اور مجھے بھی ایک خط لکھا جس میں ان دونوں غلطیوں کو تسلیم کیا اور ان پر اللہ سے استغفار کی۔ نیز لکھا کہ محمد دین کلیم قادری کا مسودہ تو ضائع ہو چکا، نظم بھیج رہا ہوں یہ چھاپ دیجئے۔ چنانچہ میرے بیٹے اظہر محمود نے (جو ان دنوں ہفت روزہ "ملتان روڈ نیوز" لاہور نکال رہے تھے) اپنے پرچے میں حکیم صاحب کا خط اور نظم شائع کر دی۔

ان کی زندگی کے آخری کئی برس آگاہی کا زمانہ کہلا سکتے ہیں۔ علماء سوء (جنہیں میں علماء کرام کے بجائے علماء کرائم کہتا ہوں) کی حقیقت کھل جانے پر حکیم صاحب نے ایسے مولویوں اور جعلی پیروں (اور سچ یہ ہے کہ الا ماشاء اللہ بیشتر پیر جعلی ہی کہلانے کے مستحق ہیں) کو باقاعدہ دشنام طرازی کا ہدف سمجھا اور ان کی فکر اور زبان و بیان میں ہم آہنگی تو ہمیشہ رہی۔

محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری، حضرت میاں علی محمد (بستی شریف والوں) سے بیعت تھے، مدینہ طیبہ گئے تو مولانا ضیاء الدین مدنی قادری نے انہیں خلافت عطا فرمائی۔ لیکن شاید پاکستان کے دوسرے کئی لوگوں کے "ضیائی" ہو جانے اور پیری مریدی کے کاروبار کو فروغ دینے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے کسی کو مرید نہیں کیا۔ ایک بار حکیم امین الدین احمد (مولف کتب متعددہ) نے مجھ سے پوچھا کہ میرا تعلق کس سلسلہ تصوف سے ہے؟ میں نے نفی میں سر ہلایا تو بولے، ہاں فی زمانہ آپ کو کوئی ایسا صاحب حال ملا ہی نہیں ہو گا۔ میں نے عرض کیا بندہ تو ہے لیکن بیعت نہیں کرتا۔ ان کے استفسار پر میں نے حکیم صاحب کا نام لیا تو انہوں نے تائید کی کہ بے شک موجودہ دور میں یہی ایک شخصیت نظر آتی ہے۔

حکیم صاحب پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا پرتو تھا۔ سادگی ان کی ضرب المثل تھی۔ صاحبان علم، بلکہ طالبان علم کے سامنے ان کے مزاج کا انکسار ان کی عظمت کا آئینہ دار تھا لیکن ہر متکبر، غیر مخلص، بے ایمان شخص کے مقابلے میں ان کے مزاج کی تیزی ایمان کو جلا بخشتی تھی۔

ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری کو بنانے اٹھانے میں حکیم صاحب نے جو کشت اٹھائے، پاپڑ بیلے، وہ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ پروفیسر صاحب خود بیمار ہوتے یا ایک بار ان کی بچی بیمار تھی تو میں انہیں اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر حکیم صاحب کے پاس لے جاتا اور وہاں سے مفت دوا ملتی۔ حکیم صاحب نے ان کے ٹیلنٹ سے فائدہ اٹھانے کے لئے مسلم مسجد میں ان کا درس قرآن شروع کروانا چاہا تو مفتی عبدالقیوم ہزاروی نے ایسے اچھے مقرر کو اپنے سر پر مسلط نہ ہونے دیا اور اس پراجیکٹ کی مخالفت کی۔ پھر حکیم صاحب نے سید محمد حسن گیلانی سے بات کر کے نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن) میں ان کا درس شروع کروانے کا اہتمام کیا ہی تھا کہ ڈاکٹر محمد علی (مستشفیٰ علی والے) نے اپنے گھر (واقع شادمان) میں درس قرآن شروع کروانا چاہا۔ حکیم صاحب نے پروفیسر صاحب کو موزوں قرار دیا اور ہفتہ وار درس جاری

ہوا۔ یہیں ادارہ منہاج القرآن بنا۔ میں نے اور حلیم صاحب نے ہر تعاون طاہر القادری کو دیا مگر واضح کر دیا کہ ادارے میں شامل نہیں ہوں گے۔ پھر بھی انہوں نے پہلے تعارف نامے میں ہم دونوں کے نام مجلس عاملہ اور شوریٰ میں شامل کر دیئے۔ ہم دونوں نے سخت احتجاج کیا تو آئندہ کے لئے انہوں نے توبہ کر لی۔ لیکن پھر پتا نہیں، کس کس کام سے توبہ کر لی۔ اور آج کل تو سیاست نے انہیں شاید ہر کام سے بیگانہ کر دیا ہے۔

محمد طاہر القادری کی طرح، یا ان سے کم یا زیادہ حکیم صاحب نے بہت سے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا، کرتے رہے۔ پتا نہیں کس کس کو ان کا کون سا سلوک یاد رہتا ہے۔ یاد رہتا بھی ہے یا نہیں۔ جہاں لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات پر کلمہ شکر ادا کرنا بوجھ سمجھتے ہوں وہاں اور کس کی اچھائیوں کو بھول جانا مشکل ہے۔

سادگی کا مجسمہ، خلوص و دیانت کا پیکر، علم کو دل پر برتنے والا شخص، مریضوں سے دوا کی برائے نام قیمت لینے والا درد مند آدمی، تحقیق و تصنیف کی راہوں کے ہر راہی کا رہنما اور معاون، دوسروں کے دکھ درد کو شدت سے محسوس کرنے والا ـــــ جو فرشتہ نہ تھا، آدمی تھا۔ عہد حاضر میں انسانیت کی قدروں کا پشتیبان تھا، بہت بڑا انسان تھا، وہ اب ہم میں نہیں رہا، اپنے رب کریم کے پاس چلا گیا ہے۔

کاش کوئی اس کی راہوں کا رہرو نکلے!

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

ایک قاموس ___ ایک انسائیکلوپیڈیا

سید سبط الحسن ضیغم

حکیم محمد موسیٰ امرتسری مجھے اس مردم خیز، سیاسی، تجارتی، مذہبی، تعلیمی، ادبی اور تہذیبی مرکز میں پیدا ہوئے۔ جس کی بنیادوں میں پنجاب کی پوتر اور بزرگ ہستیوں نے اپنی نیک خواہشات اور مقدس ہاتھوں سے اپنا حصہ ڈالا اور اس شہر کی عالمی اتہاس حصہ بنا دیا جہاں بیسویں صدی کے آغاز ہی کے ساتھ فرنگی سامراج کے خلاف نہتے عوام نے جہاد شروع کر دیا اور سیکڑیں جانوں آزادی کی دیوی کے حضور بلیدان دیا۔ اس سے پہلے جتا پگڑی سنبھال نامی تحریک کے لوگوں کی اکثریت بھی جتھہ بندی کر کے یہیں سے چلی۔ گوردوارہ صاحبان پر قابض ہستیوں (سجادہ نشینوں) کو وہاں سے بے دخل کرنے کا یدھ بھی امرتسر ہی سے شروع کیا گیا جس کی وجہ سے فرنگی کی پریشانی بڑھی کیونکہ 1881ء کے ایام میں مشہور انقلابی فلسفی کارل مارکس نے اپنے متر فریڈرک اینجلز کو ایک خط کے ذریعہ آگاہ کیا تھا کہ ابتدا میں اپنی سوچ یہ تھی کہ ہنر دور طبقہ اس ملک یا ملکوں میں انقلاب لائے گا جہاں صنعتی جیون عروج پر ہو گا۔ اس لحاظ سے جرمنی، برطانیہ اور فرانس میں انقلاب کی جوت روشن ہونا چاہیے تھی جو انقلاب لا سکتی تھی مگر سامراج کی ایشیا افریقہ اور امریکہ میں ہونے والی لوٹ مار میں صنعتی یورپ کا مزدور طبقہ بھی باقاعدہ حصہ دار ہے اس لئے میں محسوس کر رہا ہوں اب انقلاب دنیا کے پسماندہ ترین ملکوں میں آئے گا اور وہ ہیں روس چین اور ہندوستان اور پھر ساری دنیا میں غربت اور لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہندوستان کو بچانے کے لئے انہوں نے امرتسر اور پنجاب میں جہاں انقلابی تحریکیں جنم لے رہی تھیں۔ رد انقلاب کے لئے کرم چند موہن داس گاندھی کو منتخب کیا اس کی تربیت کی گئی مالی برتری بھی کی یہی وجہ ہے جب یہ بزرگ بار ایٹ لاء کر کے ہندوستان پہنچے تو مشہور بنیاد پرست ہندو صنعتکار اور گاندھی جی کے ہم وطن گھنشیام داس برلا نے وائسرائے ہند کو خط لکھا کہ گاندھی جی کے آنے سے ہماری کئی مشکلات حل ہو جائیں گی اس لئے برطانیہ عظمیٰ کو چاہیے کہ گاندھی کی پوری طرح سرپرستی کرے۔ اس طرح انیسویں صدی میں ایسٹ انڈیا کے خلاف جہاد سے خائف ہو کر بعض مذہبی لیڈروں سے بھی جہاد کے خلاف فتوے دلوائے جس پر

علامہ اقبال مرحوم نے طنزاً کہا کہ

رد جہاد میں تو بہت لکھا گیا

تردید حج میں بھی کوئی رسالہ رقم کریں

وہ مشکلات کیا تھیں۔ ہندوستانی سیاست کا ہندو مسلم ایکتا کی طرف سے تیزی سے بڑھنا، انقلابی تحریکوں میں شدت پیدا ہونا جن کے بنگال سے لے کر پنجاب تک ہر صوبہ میں کئی جہادی اور انقلابی قوتوں کا زور پکڑنا، پنجاب میں جٹا پگڑی سنبھال، بھرتی کے خلاف انقلابی تحریک میں بھرتی کے لئے دیہات میں جانے والے سرکاری افسروں کا قتل، غدر پارٹی کی انقلابی ہر اکال دل کی ہندو منتوں سے گوردواروں کی آزادی کے لئے جدوجہد، مزدور اور کسان تحریکیں، ایم اے او کالج، خالصہ کالج اور امرتسر میں موجود بعض ہندو کالجوں میں انقلابی فکر کے حامل اساتذہ کا اکٹھ۔ علماء کی احیاء اسلام کے لئے تحریکوں کا آغاز جس کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ فرنگی راج تھا۔ خواجہ احمد دین، علامہ عرشی امرتسری اور ایسے روشن فکر علماء کا سرسید احمد خان کے فکری پرچم کو بلند کرنا مسلم نیشنلسٹ تحریکوں میں ابھار اتفاق ہے کہ تمام فکری اور عملی تحریکوں کا مرکز امرتسر بن گیا جس پر عدم تشدد کا جھنڈا لے کر گاندھی حملہ آور ہوئے تاکہ اپنے ایجنڈے کو بروئے کار لا سکیں یہ وہ ماحول تھا جس میں حکیم فقیر محمد چشتی کے گھر 27 اگست 1927ء کو ایک فرزند نے جنم لیا جن کا اسم گرامی محمد موسیٰ رکھا گیا۔

عربی زبان کا مقولہ ہے کہ نام آسمان سے اترتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ناموں کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔ باپ کے نطفے، ماں کے دودھ اور گور دھرتی اور ماحول کے اثرات اور اساتذہ کی تربیت جسے علامہ اقبال مکتب کی کرامت سے تعبیر کرتے ہیں، کسی فرد کو گوندھ کر اس کا خمیر اٹھاتے ہیں۔ حکیم فقیر محمد چشتی مان جٹ تھے ان کے والد صاحب حکیم کپور تھلہ سے نقل مکانی کر کے امرتسر پہنچے۔ ان کے بزرگ جراحی

کے فن میں یکتائے روزگار تھے۔ اس ماحول خاندانی پر منظر اور امرتسر سے عظیم ترین ماحول اور اساتذہ کے فیضان نے امرتسر کی فکری، ذہنی، تہذیبی، ثقافتی، علمی ادبی اور سیاسی تربیت کی گود میں حکیم محمد موسیٰ پل کر جوان ہوئے۔

خاندانی ماحول طبابت، حذاقت اور تصوف کا مرکز تھا پورا شہر سیاسی، دینی، مذہبی، ادبی اور معاشی فکر کے لحاظ سے ایک شعلہ جوالہ بنا ہوا تھا۔ ہندوستان بھر سے ہر فکر کے لوگ امرتسر پہنچنا ضروری خیال کرتے۔ حکیم صاحب مرحوم نے روایتی سکول و مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کی بجائے اپنے والد صاحب کی راہنمائی کے تحت ہر اس استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا جو اپنے فن میں ماہر تھا اور سب سے اہم یہ کہ امرتسر میں ہونے والے ہر اجتماع میں شریک ہوئے۔ تقاریر سنتے اور اس عہد میں جلسہ اجتماع بجائے خود اہم ترین درس گاہیں تھیں۔ 1927ء سے لے 1947ء تک بیس سال امرتسر کا عظیم انقلابی عہد ہے جس میں فکر و نظر میں بھی طبابت و حذاقت میں بھی دین و سیاست میں بھی مسلم قوم پرستی، ہندو احیاء پسندی، سکھ Revivalism کمیونسٹ انقلابی

لہر' پاکستان مخالفت مسلم تحریکیں (مجلس احرار' خاکسار آل انڈیا مومن کانفرنس) مزدور کسان اندولن' بریلوی' دیو بندی چپقلش' مقلد اور غیر مقلد کی بحثیں' شیعہ سنی' حدیث و فقہ کی اہمیت ناقدانہ نقطہ نظر کے حامل تھے اور بجا طور پر شاکی تھے اور ان کا ایمان تھا کہ پاکستان جن مقاصد کے لئے قائم ہوا تھا۔ ان مقاصد سے جان بوجھ کر غداری کی گئی ہے مسلم انڈیا کے لیڈروں نے جس قدر وہ قائداعظم کے والہ و شیدا تھے اور کسی کے نہیں۔ علامہ قبال کو تحریک پاکستان کا فکری راہنما قرار دیتے۔ مولوی صاحبان سے وہ پوری طرح بیزار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جدید ترکی کے خالق اتاترک کا دل گہرائیوں سے احترام کرتے تھے۔ مولوی صاحبان اور علماء سو نے وہاں اسلام کی جو درگت بنا رکھی تھی۔ وہ اس صورت حال سے مختلف نہیں تھی جو پاکستان میں کار فرما ہے' مصطفیٰ کمال پاشا کو مولویت کے رخ و کردار کے رد عمل کے طور پر دیکھتے تھے۔ اتاترک مصطفیٰ کمال اسلام کا واقعی درد رکھنے والوں میں تھا اور اسلام کی نشت ثانیہ کے قائل اور دینی خلفشار اور ملت کو پارہ پارہ کرنے کی بجائے مسلم اتحاد کے لئے جدوجہد کرنے والے علماء کا جدید ترکی کا خالق مصطفیٰ کمال پاشا کا بہت زیادہ احترام کرنا۔ اس لئے حکیم محمد موسیٰ امرتسری ناپسند نہیں کرتے تھے۔ اور بجا ترکی کا اسے صحیح معالج تصور کرتے۔

امرتسری پچھوکڑ رکھنے والے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو لاہور نے اپنے فیضان سے رنگ دیا۔ امرتسر میں ہوتے تو وہ ایک انقلابی سیاسی مفکر کے طور پر سامنے آتے لیکن متحدہ ہندوستان میں مسلم احیاء کے لئے چلنے والی تحریکوں احناف میں بریلوی مسلک کے بانی مولانا احمد رضا خان مرحوم' ان کے معاصرین کی علمی کارناموں کے مطالعہ نے انہیں ایک خاص لگن دی اور پھر اس معاملہ میں پریشانی بھی ہوتی اور تشویش بھی کہ ایک ذہن اور دین کے بارے میں اہل قلم کو لکھنے والے کی علمی بصیرت اور کام کا صاحب موج کوثر' آب کوثر' رود کوثر' شیخ محمد اکرام مرحوم آئی سی ایس نے انکار کیا فاضل بریلوی کی علمی کاوش کا جس انداز میں ذکر کرکے انہیں چھپانے اور کم تر ورجہ دیا۔ متحدہ ہندوستان میں مسلم احیاء کی تحریک کے حوالہ سے جس انداز سے انہیں متعارف کرایا تھا۔ شیخ صاحب کی اپنی کوتاہ نظری تھی سہو نہیں غلطی تھی اور اکثر لوگوں نے شیخ صاحب کے تتبع میں انہی کی پیروی کی۔ اس ایک اہم علمی شخصیت اور آٹھ سو سے زیادہ علمی کتب اور کتابچوں کے مصنف کو کوتاہ قد بنا دیا۔ بریلوی مسلک سے متعلق لوگوں میں اس سے احساس کمتری کا جنم لینا غیر فطری اور غیر قدرتی نہیں تھا۔

امرتسری پس منظر رکھنے والے اور مولانا محمد عالم آسی حافظ آبادی ثم امرتسری ایسے سکالر علماء کے قریب بیٹھنے والے حکیم محمد موسیٰ نے اپنے ہم وطن ملا قمرالدین خان کے فرزند ظہور الدین خان اور ہم خیال اور ہم سفر ساتھیوں کو لے کر مجلس رضا لاہور کی بنیاد رکھی۔ اسے رجسٹر کرایا۔ ظہور الدین ہی اس کے پہلے سیکرٹری منتخب کیے گئے اور فاضل بریلوی کے بارے میں کتابچے اور ان کی تصنیفات کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے بارے میں سالانہ اجلاس بڑے اہتمام سے کرنا شروع کر دیئے جس سے احیاء بریلویت کا سلسلہ چل نکلا اور فاضل بریلوی بھی پہلی بار اس انداز میں متعارف ہوئے کہ وہ واقعی غیر معمولی مسلم اسکالر اور حنفی فقہ کے غیر معمولی عالم تھے۔

لاہور میں فروری 1972ء میں مجھے اپنی سیاسی مصروفیات کے سلسلہ میں مستقل طور پر آنا پڑا اور پھر میں یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ روزگار کے لئے روزنامہ مساوات میں ابوذر محمد کے نام سے لکھنا شروع کیا اور کتابوں کے تبصروں کا سلسلہ بھی حاجی محمد ارشد قریشی سے گوجرانوالہ کے حوالہ سے تعلق پیدا ہوا

کیونکہ وہ المعارف کے نام سے ایک وقیع ناشر کی حیثیت سے کتابیں طبع کر رہے تھے۔ 1973ء (غالباً) انہوں نے کشف المحجوب کا ایک ترجمہ طبع کیا جو سید ابوالحسنات قادری کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھا' ترجمہ کے ساتھ ایک مبسوط مقدمہ تھا۔ جو حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تخلیق تھا جناب محمد حبیب مرحوم پروفیسر مسلم علی گڑھ یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ کے ایک بلند پایہ صدر تھے اور واقعی مورخ تھے اور دقت نظر رکھنے والے اہل قلم اکابر صوفیاء کرام کے ملفوظات کے حوالہ سے ان کی تحقیق اور اس کے نتائج تصوف کی کتابوں میں پائی جانے والی افراط و تفریط کے بارے میں بلاشبہ اس موضوع پر قابل قدر کارنامہ ہے جس سے بہت کچھ مشکوک ہو کر رہ جاتا تھا کشف المحجوب کا مسطورہ بالا مقدمہ اس حوالہ سے ایک مدلل جامع اور وقیع کوشش تھی اگرچہ اس مقدمہ میں پروفیسر محمد حبیب کے نقطہ نظر کے بارے میں تو کوئی بات نہیں کی گئی لیکن پنجاب میں لکھی جانے والی تصوف کے موضوع پر اہم ترین دستاویز اور اس کے مولف داتا گنج بخش کے بارے میں بلاشبہ پہلی علمی کاوش تھی اگرچہ ایک دو ایسے مسئلے ضرور تھے جنہیں مقدمہ لکھتے وقت درخور اعتنا نہ سمجھا گیا لیکن داتا صاحب" کے بارے میں شاید وہ پہلی سنجیدہ کوشش تھی جس نے تصوف سے متعلق لوگوں نے صحیح معنوں میں نوٹس لیا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی یہ پہلی تنقیدی تحریر نہیں تھی اس سے پیشتر وہ کئی کتابوں کے دیباچے کئی کتابوں پر تبصرے اور تصوف' ادب کی دنیا سے متعلق قابل ذکر افراد کے بارے میں مسلسل لکھتے رہتے تھے۔ مجلہ نقوش کے جس قدر خاص نمبر طبع ہوئے اس میں حکیم صاحب اپنا وقیع حصہ ڈالتے رہے مگر انہوں نے اپنے مادر وطن امرتسر کو فراموش نہیں کیا ان کی زبردست خواہش تھی کہ کوئی اہل قلم امرتسر اس کی تہذیب و ثقافت وہاں چلنے والی مذہبی' سیاسی' انقلابی تحریکوں اور اس سے متعلق افراد کے بارے میں کوئی تو لکھے۔ وہ اس کی دامے درمے سخنے مدد کرنے کے لئے تیار تھے۔ اس مٹی نے جس قدر بھی چھوٹے بڑے افراد کو جنم دیا وہ کوئی مسلمان ہو ہندو ہو سکھ ہو عیسائی ہو اس کے بارے میں اس قدر جانتے تھے کہ اس میدان میں وہ یکتائے روزگار اور نابغہ کی حیثیت رکھتے تھے اور پنجاب سے اس سے بھی زیادہ موہ اور محبت رکھتے تھے چنانچہ کشف المحجوب کا مقدمہ پڑھنے کے بعد میں بھی ایک دن 55 ریلوے روڈ پر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مطب پر پہنچ گیا۔ انہوں نے بڑی عزت اور مان بخشا۔ خمیرہ گاؤزبان سے تواضع کی اور پھر ان سے تعلق خاطر بڑھتا ہی گیا۔ مساوات میں 1975ء تک رہا مجلس رضا کی تمام مطبوعات پر بیشتر تبصرے میرے ہی قلم سے نکلے۔ لاہور میں پہنچنے کے بعد محمد اکرام چغتائی اور ایسے ہی دوسرے لوگوں سے ملاقات ہوئی بعض سے لاہور پہنچنے سے پیشتر ہی شناسائی تھی۔ صدر مجلس وارث شاہ میاں محمد شفیع مرحوم کہنے لگے کہ اب پنجابی ادبی بورڈ کے قیام کے لئے کچھ ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حکیم محمد موسیٰ مرحوم' محمد اکرام چغتائی' سیدہ عابدہ حسین' بشیر احمد قریشی (بی اے قریشی مرحوم)' مسعود کھدر پوش' انور علی نتھا' میاں سلیم جہانگیر مرحوم' جوشو افضل الدین سے بات ہوئی۔ ذوالفقار اور تابش کے ذریعہ سندھی ادبی بورڈ کے قواعد و ضوابط منگوائے ان میں ترجمہ و اضافہ کے بعد ریاض احمد نثار سے نقول ٹائپ کروائیں اسے سب میں تقسیم کرنے کے بارے میں رائے لی تو سب نے اس کی تائید کی چنانچہ مئی 1975ء میں شیزان ریسٹورنٹ شاہراہ قائداعظم میں اجلاس منعقد ہوا جس میں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ تشکیل دیا۔ مسعود کھدر پوش صدر' میاں محمد شفیع نائب صدر اور سیکرٹری راقم السطور کو چنا گیا۔ لائف ممبران میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری' بی اے قریشی' میاں سلیم جہانگیر مرحومین کے

ساتھ سیدہ عابدہ حسین، فقیر سید اعجاز الدین، راقم السطور اور انور علی بھی شامل تھے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی پنجابی رگ حمیت جس علمی مقام و مرتبہ پر فائز تھی یہ مقام بہت کم پنجابیوں کو حاصل تھا ابوالطاہر فدا حسین فدا سے مہروماہ سے پیر فضل حسین گجراتی مرحوم کے بارے میں ایک اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے بارے میں دو خاص نمبر طبع کروائے عام مضامین تو ان بزرگوں کے بارے میں ضرور طبع ہوئے اگرچہ اس وقت بھی چند ماہوار رسالے پنجابی زبان و ادب کے حوالہ سے طبع ہوا کرتے تھے مگر یہ توفیق صرف حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو ہوئی کہ اپنی نگرانی میں طبع ہونے والے اس ماہوار رسالہ میں دو عظیم پنجابی تخلیق کاروں کے بارے میں مبسوط نمبر طبع کروائے۔ مولانا غلام محمد ترنم امرتسری پنجابی زبان کے استاد الاساتذہ تھے ان کے بارے میں کتابچہ بھی رقم کیا تذکرہ مشاہیر امرتسر میں زیادہ تذکار امرتسر کے پنجابی شعرا ہی کا ہے لیکن اس سے بھی اہم یہ بات ان کی نظر اس بات پر تھی کہ دہلی اور یوپی کی سرزمین میں پیدا ہونے والوں میں پنجاب کے خلاف غیر معمولی بغض و نفرت موجود تھی اور اب بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے بارے میں حکیم صاحب نے بتایا کہ اہل دلی نے ان کا دلی میں پہنچنے پر مذاق اڑانے کی کوشش کی کہ ان کا تو شین و قاف ہی درست نہیں وہ کیا سیکھیں گے جس پر متعلقہ استاد دلی کی گفتگو میں موجود غیر منطقی استدلال کو جب مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے علمی اور وقیع انداز میں رد کیا تو وہ مولوی صاحب سے پوچھنے لگے کہ کہاں کے رہنے والے ہو تو مولانا سیالکوٹی نے بتایا کہ اسی پنجاب کی ایک مشہور لیکن قدیم بستی سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں تو میں بھارت کے کرن پرب میں موجود کوروں کے جرنیل کرن اور سیالکوٹ کے راجہ شل کے درمیان ہونے والا مکالمہ یاد آ گیا مجھے یاد پڑتا ہے کہ حکیم صاحب مرحوم کی ان معلومات کو بنیاد بنا کر جو مضمون لکھا تھا جو روزنامہ عوام لائلپور کی کسی اشاعت میں اس زمانہ میں طبع ہوا۔

حکیم صاحب کو مولانا عبدالحق محدث دہلوی سے بھی شکایت کی تھی کہ انہوں نے اخبار الاخیار لکھتے وقت اس میں تصوف کی عظیم ترین تالیف کرنے والی اور لاہور میں مدفون عظیم صوفی شخصیت حضرت عثمان بن علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرنا ضروری خیال نہیں کیا اور اس قسم کے کئی درجن واقعات ان کے سامنے تھے جن سے اہل دہلی کے اس خصوصیت کا پتہ چلتا ہے۔

انیسویں صدی کے آغاز ہی میں دہلی پر قابض ایسٹ انڈیا کمپنی کو بجا طور پر خدشہ لاحق ہوا تھا کہ اگر لاہور دربار کو کوئی مشکل نہ ڈالی گئی تو اسے دہلی پر قابض ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے خانوادہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے ایک فرد شاہ اسماعیل کو منتخب کیا جنہوں نے دور دراز کا سفر کرنے کے بعد آخری مورچہ بالاکوٹ میں لگایا جس کے بارے میں مسعود عالم ندوی اور مولانا غلام رسول مہر نے دلچسپ واقعات سے معروف تحریریں قلمبند کیں مگر پہلی بار بھارت میں مقیم مولانا وحید احمد مسعود نے اس تحریک کے اصلی خدوخال سے آگاہ کیا جو اکثر اہل قلم کے لئے نئی بات تھی۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے اس کتاب کو طبع کر کے پاکستانی قارئین کو اس اسلامی تحریک کے مالہ اور مالیہ سے آگاہ کیا پھر مولانا عبدالحکیم شرف سے "تاریخ تناولیاں" کے نام سے ایک اور تاریخی دستاویز کو طبع کرایا تو ڈاکٹر ایوب قادری کہنے لگے کہ اب اس مواد کی موجودگی میں مہر صاحب اور ان کے ہمسفر و ہم خیال اہل قلم کی ذمہ داری ہے کہ احقاق حق کیلئے اپنی ثقاہت کو ثابت کریں۔

اس کے بعد ہی برطانوی ریکارڈ کے حوالہ سے میرا بھی

انکار حدیث اور حدیث کی حجیت' احمدیت اور رد احمدیت' ٹوڈی اور غیر ٹوڈی کے جھگڑے' ترقی پسند اور انگریز پسند اور سامراج نواز ادبی لہریں جنھیں ادب برائے زندگی اور ادب برائے ادب کا نام دیا تھا۔ (حالانکہ اس معاملہ انگریزی راج کی فکری اور ادبی مخالفت اور برطانوی راج کو مستقل بنیادیں فراہم کرنے کا تھا اور انگریزی راج کی "برکتوں" سے متمتع

لئے پنجابی اساتذہ کے اکھاڑوں میں ضرور پہنچتے جہاں سے کسی بھی پنجابی شاعر کو سند فضیلت حاصل کرنے کے لئے پہنچنا پڑتا۔ ان مراکز سے انہوں نے بہت کچھ اخذ کیا سیکھا انداز فکر بنایا۔ قیام پاکستان تک وہ ان تمام خصوصیات کو اپنے اندر جمع کر چکے تھے جس کے نتیجہ میں ان میں پنجابیت' تصوف' تاریخ پر ناقدانہ نظر اسلام سے والہانہ عقیدت حضور سرور کائنات

حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور ابو الطاہر فدا حسین فدا

ہونے کا معاملہ تھا) امرتسر میں 47-1927ء کا زمانہ سب سے اہم عہد تھا نہ پنجاب میں کسی شہر کو اور نہ ہی ہندوستان کے کسی اور شہر کو یہ فوقیت حاصل تھی نوجوانی کا عالم سیکھنے اور جستجو کی خواہش ہر نئی فکر کو پڑھنے' سننے' جاننے اور پھر پرکھنے اور جانچنے کا جذبہ انہیں ہر جلسہ میں ہر میٹنگ میں ہر اجتماع میں کشاں کشاں لے جاتا۔ بنیادی طور پر پنجابی نہاد تھے اس

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی عشق احناف میں بریلویت کی پرچم برداری تاریخ پاکستان کے آغاز و ارتقاء پر گہری نظر تحریک پاکستان کی اہمیت اور اس کے مخالف مسلمان قائدین کے عالم اور ماعلیہ کا پوری گہرائی سے مطالعہ ابد مورخانہ اپج اور تخلیقی ذہن' انسان دوستی' جاگیردارانہ سماج سے بیزاری' سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ اور حکومتی تاناشاہی سے بیزاری

ایسے گن ہیں جن کے اجتماع کو حکیم محمد موسیٰ قرار دیا جانا چاہیے۔

14 اگست 1947ء سے لے کر اپنی وفات 17 نومبر 1999ء تک جس میدان میں جو کچھ بھی ہوا اس کے بارے میں ایک مضمون المعارف میں طبع ہوا برطانوی ریکارڈ میں اس سلسلہ میں اور بہت سا مواد موجود ہے جو دعوت تحقیق دے رہا ہے۔

حکیم صاحب کی ہندو مسلم دوستی کے حوالہ سے ہونے والی سیاست اور اس سلسلہ میں صحیح مسلم نقطہ نظر سے چھوٹی چھوٹی جزئیات کے بارے میں بھی مطبوعہ مواد موجود تھا اور میری دانست میں پاکستان اور بھارت میں وہ واحد اور شاید اکیلے فرد تھے جنہوں نے اس میدان کو اپنی کھوج اور پرکھ کے لئے مختص کر لیا تھا چنانچہ جب بھی کوئی ریسرچ اسکالر، مسلم قومیت اور اس کے احیاء و تجدید کے بارے میں کام کرتا تو اس کی مجبوری تھی کہ وہ حکیم صاحب اور ان کی لائبریری سے استفادہ کرے چنانچہ بھارت سے بھی اور یورپ کی دانش گاہوں میں مسلم احیاء اور Revival کے موضوع پر تحقیق کرنے والوں کو 55 ریلوے روڈ لاہور پر حاضر ہونا پڑتا، خط و کتابت کرنا پڑتی۔

قائداعظم کے بعد پاکستان کی راج گری پر براجمان ہونے والوں کو ان کے لچھن بدکرداری اور پاکستان اور اس کے عوام کے خلاف حکومتی سازشوں سے بہت زیادہ بیزار تھے اور حکمرانوں پر تنقید بھی کرتے اور مطب میں آنے والوں سے اس موضوع پر بلا خوف و خطر گفتگو بھی کرتے۔ حکومتوں کی مسلم دشمنی اور سامراج کی غلامی بھی انہیں ہضم نہ ہوئی۔ ضیاء الحق کے کردار سے وہ بہت زیادہ بیزار تھے اور ظاہر ہے جب پاکستانی حکمرانوں کو ناپسند کرتے تھے تو ان کے کاسہ لیس مولوی صاحبان کے لئے کب کلمہ حق کہتے ہوں گے۔ چنانچہ خاص مذہبی نقطہ نظر رکھنے کے لئے پاکستان سے جان سے زیادہ پیار اور عقیدت پنجابی ادبی بورڈ کی لائف ممبری دنیا جہاں سے آنے والے اسکالروں کی ان تک پہنچنے کی مجبوری دنیا بھر سے تحقیق کے حوالہ سے خط و کتابت نے حکومتی اداروں کے نزدیک ان کی اہمیت کو دو چند کر دیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا خود حکومت بھی ان سے راہنمائی حاصل کرتی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ حکیم صاحب مرحوم کی خط و کتابت بھی تنقیدی طور پر دیکھنے کے لئے سنسر ہوتی اور ساتھ ہی ان کی نگرانی کے لئے کہ انہیں کون ملتا ہے۔ حکیم صاحب سے کس کی کیا گفتگو ہوتی ہے وہ کیا رائے زنی کرتے ہیں۔ یہ سب معلومات حاصل کرنے کے لئے حکومت نے ان پر نگرانی کی غرض سے ہمہ وقتی "شرطے" لگا دیئے۔ جنہوں نے ہدایات ملنے پر حکیم صاحب کے حلقہ احباب کو کم کرنے کی کوششیں بھی کیں۔

تاریخ و تصوف اور ادبیات اور اس کے تذکرہ نگاری کی طرف غیر معمولی طور پر متوجہ ہونے کی وجہ سے ان کا مطالعہ غیر معمولی تھا۔ حافظہ بلا کا تھا کتاب پڑھتے تو ان کے حافظہ میں محفوظ ہو جاتی۔ ان کے زیر مطالعہ آنے والی ہر کتاب پر وہ اپنی رائے ضرور لکھتے یا کمی بیشی کا حواشی میں ضرور نوٹس لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ ان کا ذاتی کتب خانہ نہ صرف محفوظ ہو گا بلکہ ریفرنس کا حصہ بنے گا چنانچہ معاملہ میں راقم السطور کے ساتھ گفتگو کرتے رہتے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا کتب خانہ قائداعظم لائبریری میں جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مجھے ہی پروفیسر عبدالجبار شاکر سے رابطہ کرنے کے لئے کہا کیونکہ قائداعظم لائبریری کے ائیر کموڈور (ر) انعام الحق کی خواہش پر لائبریری کے لئے سیکرٹری شپ کا عہدہ پیدا کیا گیا جس پر ائیر کموڈور پروفیسر عبدالجبار شاکر کو تعینات کرایا۔

شاکر صاحب سے بات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ حکیم صاحب کا کتب خانہ زیادہ بریلوی عقائد سے متعلق ہے اس

لئے قائد اعظم لائبریری میں تفرقہ بازی کے حوالہ سے مواد نہیں رکھا جا سکتا چنانچہ پھر یونیورسٹی لائبریری کے چیف سید جمیل احمد رضوی سے بات ہوئی وہ بلا تاخیر حکیم صاحب کے پاس پہنچے اور حکیم صاحب کی تائیدی خواہش دیکھ کر اسی وقت ان کے ذخیرہ کتب کی فہرستوں کی تدوین شروع کر دی اور یونیورسٹی سے ٹرانسپورٹ منگوا کر کتابوں کو فوری طور پر یونیورسٹی لائبریری میں منتقل کر کے ایک غیر معمولی کارنامہ سرانجام دیا۔ کیونکہ یہ کتابیں مجموعی طور پر گیارہ ہزار ہیں۔ ان میں سیاست بھی، مذہب بھی، تاریخ بھی ہے، ادب بھی ہے، طب بھی ہے، مناظرانہ ذخیرہ بھی ہے ____ گویا وہ سب کچھ ہے جو کسی لائبریری کے لئے ضروری ہے۔ سید جمیل احمد رضوی نے نہ صرف یونیورسٹی لائبریری میں ایک گوشہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری وہاں بنوایا بلکہ ان کی گیارہ ہزار کتب کی ببلوگرافی بھی تین جلدوں میں مرتب کر کے شائع کر دی۔

یہ درست ہے کہ حکیم صاحب پکے بریلوی تھے بلکہ بریلویت کے احیاء کے لئے اس مکتبہ فکر کو ایک مستند علمی مقام دلانے کے لئے ان کی کوششیں کامیاب رہیں لیکن دوسرے مسلم مکاتب فکر کو اپنی مذہبی شدت کے باوجود دائرہ اسلام سے خارج یا مرتد قرار نہیں دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ مجلّہ "المعارف" میں تحریک بالاکوٹ کے حوالہ سے میرا ایک مضمون طبع ہوا جس کا ماخذ مسٹر ہارڈی کی ایک رپورٹ تھی جو قیام پاکستان سے پیشتر رابرٹ کلب لاہور میں تعینات تھا۔ بعد میں انہوں نے پی ایچ ڈی بھی کی اور آکسفورڈ یا کیمبرج یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ سے منسلک ہو گئے۔ المعارف کے ایڈیٹر محمد اسحاق بھٹی تھے جن کے نام کے ساتھ مولانا کا لاحقہ خواہ مخواہ لگا دیا گیا ہے وہ مسلک اہلحدیث سے متعلق ہیں۔ "الاعتصام" کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں جو اہلحدیث مکتبہ فکر کا ناقوس خصوصی ہے ان کے بارے میں بات ہو رہی تھی کہ سلسلہ کلام مولانا محمد حنیف بھوجیانی تک جا پہنچا۔ حکیم صاحب پوچھنے لگے کہ ان سے ملے ہو۔ غیر مقلدین میں بہت پڑھے لکھے فرد ہیں۔

پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ شیش محل روڈ پر مکتبہ تقویۃ الایمان کے سامنے ایک دوکان کی دوسری منزل میں رہتے ہیں چنانچہ انہیں ملنے کے لئے ایک دن وہاں جا پہنچا۔ کھجور اور کائی کے بنے بان سے بنی ہوئی چارپائی پر بیٹھے ہوئے شلوار کی بجائے دھوتی یا تہمد میں ملبوس تھے۔ انتہائی سادہ شخصیت معلوم ہوئے انکساری بدرجہ اتم موجود تھی اور خوشی ہوئی کیونکہ مولویانہ خشکی سے مبرا دکھائی دیئے۔ اہلحدیث پنجابی شعراء کے بارے میں بات چیت ہوئی تو انہوں نے اس سلسلہ میں کھل دلی سے معاونت کی۔

اٹھنے پر انہیں بتایا کہ آپ سے ملنے کی ترغیب اور آپ کا پتہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے دیا تو مسکرائے اور کہنے لگے کہ حکیم صاحب بلاشبہ ایک اسکالر اور علم دوست ہیں اس زمانہ میں یہ لوگ غنیمت ہیں اپنے عقیدہ پر پکے ہونے کے باوجود کسی کو آگاہی بخشتے ہوئے نہ بخل سے کام لیتے ہیں نہ ہی کوئی بات چھپاتے ہیں اور یہ بات درست ہے کہ کوئی ذر ان کے اپنے عقیدہ سے متعلق ہو تو اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس کی کوتاہیوں کمزوریوں موقعہ پرستیوں سے صرف نظر نہیں کرتے اس سلسلہ میں راہنمایانہ کردار ادا کرتے ہیں۔

حکیم صاحب پیشہ کے لحاظ سے ایک طبیب تھے۔ یہ پیشہ ان کے خاندان میں دو تین نسلوں سے موجود تھا۔ طب کے موضوع پر تمام طبی لٹریچر پر خواہ وہ عربی فارسی میں تھا پنجابی میں موجود تھا۔ معلوم ہوتا تھا ان کی اس پر پوری نظر تھی بعض طبی کتابوں پر ان کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے حاشیے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ تشخیص میں بھی اپنا مقام رکھتے تھے اور نسخہ تجویز کرنے میں بھی منفرد مقام تھا۔ لاہور میں جن دو بڑے طبیبوں سے یاد اللہ تھی۔ ایک دیوبندی تھے۔ قیام

پاکستان کے وقت دیو بند میں مقیم رہ کر تعلیم حاصل کرنے میں مصروف تھے۔

1948ء میں پاکستان آئے اور پھر بہاولپور میں بھی تعلیم کی تکمیل کے لئے پہنچے اور پیشہ کے لحاظ سے خاندانی حکیم تھے۔ حذاقت میں غیر معمولی مقام و مرتبہ کے حامل تھے۔ یہ بزرگ حکیم محمد شریف جگرانوی تھے جو مسلک دیو بند سے متعلق تھے مگر دوسری شخصیت حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری کی تھی جن کی علمی فکری شناخت بریلوی کی تھی۔ دونوں بزرگ بلا شبہ اپنے زمانہ کے بڑے طبیب اور حاذق حکیم تھے۔ دو مختلف نقطہ ہائے نظر رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کا نام انتہائی احترام سے لیتے اور میرے لئے خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ میں دونوں بزرگوں کا ہم جلیس رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی بڑے آدمی کی عظیم معاصر کی عظمت اور بزرگی کا احترام بجائے خود بڑی بات ہے۔ کوتاہ قد افراد اس مقام و مرتبہ سے عاری ہوتے ہیں مگر عظمت کا احترام کرنے والا خود باعظمت ہوتا ہے۔

دونوں حکیموں سے لاہور کے طبیب حضرات اس لئے شاکی تھے کہ بیشتر لوگوں سے پیسے لیتے ہی نہیں تھے اور اگر کسی سے دوا کے پیسے لیں گے تو وہ بہت کم ہوں گے۔ مگر حکیم محمد شریف جگرانوی مرحوم اپنے علمی پس منظر کے باوجود اپنے علمی مشاغل پر زیادہ توجہ دینے کی بجائے اپنی حکمت اور طبابت پر زیادہ توجہ دیتے تھے جب کہ حکیم محمد موسیٰ مرحوم کا دن بدن رجحان فکری علمی، ادبی، دینی اور متصوفانہ تحریکوں کی جانب بڑھتا گیا اور یوں محسوس ہونے لگا کہ طبابت تو محض روٹی ٹکر کے لئے کرتے ہیں دراصل ایک تحریکی آدمی تھے بلکہ مجسم تحریک کیونکہ ان کا خمیر ایسی تحریکوں کے عظیم مرکز سے اٹھا تھا ان کی مجلس سے ایک اندازہ یہ بھی ہوا کہ حکمت سے جو کماتے خاندان کی روٹی ٹکر کا پیسہ رکھ لینے کے بعد وہ روزانہ کی کمائی کا بیشتر حصہ مستحقین میں تقسیم کر دیتے یا کتابوں کی خرید انہیں متعلقہ لوگوں تک پہنچانے کے ڈاک خرچ کے لئے رکھ لیتے۔ مجلس رضا کے لئے وقف کر دیتے اس سے ان کے مسلک ابوذری کا پتہ بھی چلتا ہے لباس میں بھی انتہائی سادگی تھی کبھی بھی انہیں بوٹ یا اچھی خوبصورت جوتی پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ نیلے رنگ کی ربڑ کی باٹا کمپنی کی بنی ہوئی چپل پہنتے۔ گرمی ہو یا سردی اکثر وہی پہنتے۔ جرابوں کے تکلف سے بھی بے نیاز تھے۔ گویا لباس ان کے نزدیک ثانوی درجہ رکھتا۔ ان کی شخصیت کا حسن ان کی کارکردگی فکری توانائی اور تحریکی جذبہ اور جوش تھا جو عرصہ تک قائم رہا۔

وفات کے روز وہ حسب معمول اپنے مطب میں پہنچے، ساڑھے دس بجے انہوں نے محسوس کیا کہ خونی دباؤ بڑھتا جا رہا ہے چنانچہ رکشہ منگوا کر گھر چلے گئے۔ بیٹی سے کہنے لگے، میرے کندھے دباؤ تا کہ محفل سماع میں شرکت کر سکوں۔ چنانچہ بارہ بجے کے قریب اس محفل میں شرکت کے لئے آخری سانس لیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

دراصل یہ محفل سماع حضرت میاں میر لاہوری سے منسوب قبرستان میں اس جگہ منعقد ہوئی جہاں حکیم محمد موسیٰ کو دفن کیا گیا تھا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری اپنے میدان میں انسائیکلوپیڈیا تھے جو اپنی تحریروں سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ظہور الدین خان ایسے ان کے عقیدت مندوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کے لکھے ہوئے تمام مواد کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی علم شناسی کی شمع کو اور بھی روشن کریں۔ ان سے فیض یاب ہونے والے اسی طرح احسان شناسی کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

نبیرگان فخر الاطباء کا اجمالی تعارف

حکیم محمد نور الدین چشتی نظامی امرتسری مرحوم کے پانچ صاحبزادے ہیں۔ سب سے بڑے محمد احمد ہیں جو بوریوالہ میں اپنے والد محترم کے علمی و ادبی امور کو بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ دوسرے صاحبزادے حکیم محمد حامد نور ہیں جنہوں نے 1977ء میں طبیہ کالج لاہور سے فاضل طب کی ڈگری حاصل کی اور اپنے والد محترم کی مسند پر طب کے شعبہ سے منسلک ہیں اور اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے والد محترم کی تعلیمی، ادبی اور طبی سرگرمیوں کے روح رواں ہیں۔ تیسرے صاحبزادے محمد سعید الدین مان ہیں جنہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے جرنلزم اور ایم اے اردو کیا۔ اور پھر روزنامہ "جنگ" لاہور میں بطور سینئر سب ایڈیٹر کے عہدہ پر قریباً" دس سال تک فرائض بجا لاتے رہے۔ 90ء کی دہائی کے آغاز میں بیلجیم چلے گئے اور وہاں پر اپنے کاروباری امور پر مامور ہیں۔ چوتھے صاحبزادے محمد مزمل اللہ مان، جنہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے سیاسیات، ایم اے پنجابی، ایل ایل بی اور ڈپلومہ ان فرنچ لینگویج کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لاہور میں لیکچرار کے عہدے پر فائز رہے اور دوران سروس اعلیٰ تعلیم کے لئے بیلجیم چلے گئے جہاں پر برسلز یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور آج کل وہیں مقیم ہیں۔ پانچویں صاحبزادے محمد تجمل خالد مان ہیں جنہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے M.I.S. کیا اور لاہور میں اپنی ایڈورٹائزنگ ایجنسی چلا رہے ہیں۔

محمد احمد

محمد سعید الدین مان

حکیم الحاج محمد حامد نور

محمد مزمل اللہ مان

محمد تجمل خالد مان

صاحبِ حکمت درویش

ابوالعاصم محمد سلیم حماد
(سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش)

حکیم صاحب مرحوم کی ذات والاصفات پر کوئی ایک فرد اپنی تقریری یا تحریری کاوشوں سے مکمل روشنی ڈال سکے، ممکن نہیں۔ اس لئے کہ موصوف کی زندگی کا لمحہ لمحہ دینی، علمی تحقیقی، طبی اور سماجی بے لوث ظاہری و پوشیدہ خدمات سے مزین ہے اگر ان حوالوں اور دکھی انسانیت کی صلاح و فلاح کے ناطے سے آپ کی تمام تر زندگی جو جہاد اکبر میں مجاہدانہ گزری، اسے احاطہ تحریر میں لایا جائے تو دفتر کے دفتر رقم ہو سکتے ہیں پھر بھی شاید آپ کی ذات سے پورا پورا انصاف نہ کیا جا سکے۔

راقم کی حکیم صاحب مرحوم سے نیاز مندی تیس برسوں پر محیط ہے۔ آپ سے ہر ملاقات میں راقم کے لئے نئی نئی اطلاعات یا انکشافات اور ماضی کے لمحات سے آگاہی کے دریچے کھل جاتے اور آج بھی آپ کا علمی و تحقیقی اور دینی و روحانی فیض کا نور راقم اور دیگر بے شمار فیض یافتگان کے قلب و ذہن کو روشن کر رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ کرتا رہے گا۔

حکیم صاحب کا بچپن:

حکیم شمس الدین (متوفی 1993ء) جو حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اکبر کہا کرتے تھے کہ "ہمارے والد گرامی حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری (متوفی 1952ء) کے مرشد طریقت حضرت میاں علی محمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 28 جنوری 1975ء) آپ قیام پاکستان سے قبل جب بھی امرتسر تشریف لاتے تو ان کے قیام و طعام کا اہتمام ہمارے ہی گھر میں ہوا کرتا تھا۔ دوران قیام مرشد ہمارے والد بزرگوار کا یہ معمول تھا کہ وہ مطب جانے سے پہلے اور واپسی پر حضرت موصوف کی خدمت میں حاضری دیتے اور کھانا پیش کرتے اور خود یا ہم بھائیوں میں سے کسی ایک کو حضرت موصوف کے ہاتھ دھلوانے کا حکم دیتے۔ ایک مرتبہ اس خدمت گزاری کا حکم ہمارے چھوٹے بھائی محمد موسیٰ کو ملا جس کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔ حکم کی تعمیل میں بھائی موسیٰ پانی کا لوٹا بھر کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہاتھ دھلوانے کے لئے لوٹا بڑھایا تو حضرت نے لوٹا بھائی موسیٰ سے خود پکڑ لیا اور فرمایا اے حکیم فقیر محمد تیرے اس بیٹے موسیٰ سے ہاتھ نہیں دھلواؤں گا

بلکہ میں خود اس کے ہاتھ دھلواؤں گا اس لئے کہ میرے لئے موسیٰ سے خدمت لینا مناسب نہیں کیونکہ یہ بچہ معمولی بچہ نہیں اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں اس سے بہت اہم کام لینا ہے۔ (راویان میاں زبیر احمد قادری ضیائی اور باض ہمایوں سعیدی صاحب)

یہی بچہ جب بالغ ہوا تو اپنے والد گرامی کے مرشد طریقت ہی کو مرشد مانا اور ان سے باقاعدہ بیعت ہونے کا شرف اور خلافت و نیابت کی سعادت حاصل کی۔ حکیم صاحب مرحوم نے اپنے پیر و مرشد کی خصوصی توجہ اور فیض سے طریقت کی منازل طے کیں۔

سلسلہ طریقت قادریہ میں شیخ عرب و عجم حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی (1877ء - 1981ء) خلیفہ مجاز حضرت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ (1856ء - 192ء) سے حکیم صاحب کا روحانی تعلق قائم ہوا اور جب حکیم صاحب مرحوم نے فریضہ حج (1973ء میں) ادا کیا تو شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور الوداعی حاضری کے موقع پر حکیم صاحب مرحوم نے شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دوبارہ حاضری نصیب ہو اس پر شیخ مدنی نے فرمایا، حکیم صاحب آپ کی اس خطہ ارض پر اشد ضرورت ہے اور آپ جو کام پاکستان میں انجام دے رہے ہیں اسے جاری رکھیے آپ کو اس کا اجر بے حد و حساب ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر راضی ہیں۔

یہ اہم کام کیا تھا جس کا اہل بصیرت کی نگاہ رسا احاطہ کر چکی تھیں۔ یہ ملت اسلامیہ کا سید الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور تعظیم و تکریم کا وہ رشتہ تھا جسے توڑنے کمزور تر کرنے اور عقائد اہلسنّت و جماعت کا کھوکھلا کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف نجد کی وہ روحانی بیماری تھی جو آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے برصغیر تک پہنچ چکی تھی۔ برصغیر میں اس روحانی بیماری

کے پر جوش ابتدائی حملوں کا سامنا اکابرین اہلسنّت نے کیا جن میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ اعلیٰ و ارفع ہے۔

اس سے پہلے کہ یہ نجدی عقائد وبائی بیماری بن کر ملت اسلامیہ کے رگ و ریشے میں سرایت کر کے ناسور کی صورت اختیار کر لیتے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے علم و عمل کی دو دھاری تلوار سے اس بیماری کا آپریشن کیا اور اس سے متاثر افراد کے علاج کے لئے نجدی عقائد کے رد میں سینکڑوں کتب تصنیف کیں جن سے متاثرہ افراد کے عقائد کا قبلہ درست ہو گیا اور جن افراد کی بیماری لا علاج ہو گئی ان سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھنے کے لئے "فتاویٰ رضوی" جاری کر دیئے گئے جس سے بھولے بھالے سنی مسلمانوں کی اکثریت کا محبوب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور عظمت و تقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اثاثہ لٹنے سے محفوظ ہو گیا۔

1947ء میں قیام پاکستان کے وقت جبکہ ہر طرف بے سروسامانی کا عالم تھا اور لوگ روٹی، کپڑا اور مکان کے چکر میں سرگرداں تھے تو نجدی فکر و نظر کے پرچار کے ٹولے نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان میں بڑے بڑے مناصب اور بڑی بڑی عمارتوں پر قبضہ کر لیا اور ان میں درس و تدریس کی آڑ میں نجدی فکر و نظر کا زور شور سے تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند ہی سالوں میں جو لوگ نجدیوں سے اپنی کوئی نسبت ظاہر کرنے میں جھجک محسوس کرتے تھے اب وہ کھلم کھلا اپنی اوقات سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و مقام اور عظمت و حرمت کو تولنے، ماپنے اور پرکھنے کی سعی لاحاصل میں احترام کی حدیں پار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ تاریخی، علمی اور مذہبی ریکارڈ میں بھی بددیانتی کے مرتکب ہونے لگے اور سب سے بڑا جھوٹ دھڑلے سے بولنے اور لکھنے لگے کہ احمد رضا ایک بدعتی مولوی اور فتویٰ فروش مفتی

تھا۔ اس لئے کہ حضرت احمد رضا بریلوی ان کے مذموم مقاصد میں حائل ایک کوہ گراں شخصیت تھے۔ پاکستان میں ان کے نام اور کام کو گم رکھنا نجدی غلاموں کی متفقہ پالیسی تھی اور وہ اس میں کسی حد تک پاکستانیوں کی اکثریت کو اعلیٰ حضرت کے نام و کام سے بے خبر رکھنے میں کامیاب بھی رہے اس لئے کہ وطن عزیز میں نجدیوں کی ظاہری و پوشیدہ باطل حرکات کے خلاف علماء و مشائخ اہلسنت کی اکثریت نے وہ موثر کردار ادا نہ کیا جس کی ضرورت تھی اور نہ وہ بند باندھا جس سے نجدیت کے طوفان کو روکا جا سکے۔ نئی صورت حال میں نجدی بیماری کو نئی توانائی مہیا ہو چکی تھی اس لئے نئے سرے سے اس کی درست تشخیص، اس کے اثرات سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر اور متاثرین کا علاج معالجہ کرنا اور لا علاج مریضوں کا محاسبہ کرنا وقت کا اہم تقاضا تھا جو پورا نہیں کیا جا رہا تھا۔ اس کے لئے ایک صاحب حکمت درویش کی ضرورت تھی جو یہ کام انجام دے سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس اہم کام کی توفیق حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمائی۔ حکیم صاحب مرحوم بچپن ہی سے دین داری، عقائد میں استواری اور کام کاج میں مستعدی کے رجحانات رکھتے تھے۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا تو آپ 1947ء میں قیام پاکستان کے وقت امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور میں مقیم ہوئے اور دکھی انسانیت کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ جب آپ نے نجدیت کی کالی گھٹا کو سرزمین پاکستان پر چھاتے دیکھا تو اس کے خلاف مشیت ایزدی کے تحت عطائے خداوندی، لیاقت و فراست، ذہانت و فطانت، لطافت و شرافت، ذکاوت و سخاوت، طب و حکمت اور علم و قلم کو اپنے تدبر سے بروئے کار لاتے ہوئے حیران کن کامیاب نتائج حاصل کئے اور اپنے رفقاء اور معاونین کو بھی اس طرف تحریک و ترغیب دی کہ وہ سب تن، من اور دھن سے آپ کی درویشانہ قیادت میں رواں دواں ہو گئے اور باہم مشاورت سے مجلس رضا کے نام سے ایک تنظیم 1968ء میں قائم کی گئی جس نے قلم و قرطاس کے میدان میں نجدی فکر و نظر کو بے اثر کرنے اور تحفظ ناموس رسالت کے لئے بے مثال کام کیا۔ حکیم صاحب مرحوم نے اپنی ذات اور اپنے جملہ وسائل اور توانائیوں کو بد عقیدگی کے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے وقف کئے رکھا۔

حکیم صاحب مرحوم نے نجدیت کے خلاف عاشق رسول امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و قلمی ترکش کا ہر تیر آزمانے کا عزم باندھا اور ان کے سینکڑوں تحریری شہ پارے اور ان کی دیگر قلمی کاوشوں کے اقتباسات سے مزین 175 کتب اور ان کے متعدد ایڈیشن شائع کئے۔ اس وقت مجموعی طور پر ان کتابوں کی تعداد بقول علامہ اقبال احمد فاروقی صدر مرکزی مجلس رضا تقریباً" 18 لاکھ ہے۔ اس کے علاوہ فاروقی صاحب کے زیر ادارت ہر ماہ "جہان رضا" ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ استاد محترم جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا مدظلہ کا ماہنامہ "مہر و ماہ" بھی حکیم صاحب مرحوم کی مشاورت میں مسلک اہلسنّت و الجماعت کا ترجمان بن کر شائع ہوتا رہا۔ حکیم صاحب مرحوم نے مجلس رضا کی شائع کردہ لاکھوں کتب کو اندرون و بیرون ملک ہر پڑھے لکھے اہل اور مستحق افراد کو بلا قیمت ان کے گھر ارسال کرنے کا بندوبست کئے رکھا اور اپنے مطب پر کتابیں مفت تقسیم کرتے رہے۔ یہ سلسلہ حکیم صاحب مرحوم نے تاحیات جاری رکھا۔

ہر آنکھ نے دیکھا ہر ذہن نے مانا کہ حکیم صاحب مرحوم جوانی سے پیرانہ سالی تک آپ کا قلم اور عزم جواں رہا۔ آپ کا بیان و کلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان رہا۔ آپ کا فکر و عمل ہمیشہ اہل و سنت کا ترجمان رہا۔ اپنے عزم و استقلال سے وہ کام کر دکھایا جو کوئی تنظیم و ادارہ نہ کر

حکیم محمد موسیٰ امرتسری اپنے داماد ڈاکٹر اخلاق احمد رخشانی کے ہمراہ

سکا۔ نتیجتاً اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا حقیقی تعارف اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و مقام کا ادراک و شعور ملت اسلامیہ میں بیدار اور پختہ ہوا۔

حکیم صاحب مرحوم نے حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس مبارک کو روایتی طریقوں سے ہٹ کر "یوم رضا" کے نام سے منانے کا پروگرام شروع کیا۔ 1969ء سے ہر سال یوم رضا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و مقام اور عظمت و تقدس پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کثیرہ کے حوالوں سے بھرپور مقالہ جات پڑھے اور تقاریر کی جاتیں۔ نوری مسجد ریلوے اسٹیشن میں سامعین سے کھچا کھچ بھری نورانی محفلیں منعقد ہوتیں اور ان میں شریک افراد پر ایسی روحانی کیفیت طاری ہوتی کہ الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ اس طرح حکیم صاحب کی مخلصانہ کوششوں سے تقریری محاذ کے اس معرکہ میں بھی آپ نے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے اور آج برصغیر پاک و ہند، مشرق وسطیٰ، امریکہ اور یورپ میں بھی مجلس رضا اور یوم رضا ایک تحریک کی صورت میں جاری ہیں۔

حکیم صاحب مرحوم کی نجدیت کے خلاف ہر محاذ پر موثر کامیابیوں اور ان کی پڑھی لکھی ٹھیک ٹھیک چوٹوں سے نجدیت کے غلام صاحب موصوف کی جان کے درپے ہو گئے اور آپ کی بہت عرصہ تک غیر محسوس انداز میں حفاظت کی جاتی رہی کہ کوئی بدباطن خدانخواستہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ ان دنوں اگر دہشت گردی کا رواج ہوتا تو خدا جانے کیا ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حکیم صاحب کو کوئی بیگانہ نقصان نہ پہنچا سکا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت فرمائے اور حکیم صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

مصنّفین کا مرکز
مطب حکیم موسیٰ رح

میاں ظفر مقبول - لاہور

میں نے 1975ء میں پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ جائن کیا۔ راجا رشید محمود صاحب پہلے سے اس ادارہ میں آفیسر تھے یوں ایک علمی ادبی شخصیت کی رفاقت نصیب ہوئی۔ اکثر اوقات ہم دفتری امور یا علمی ادبی محافل کے لئے ایک ساتھ دفتر سے نکلتے راجا صاحب کا حکیم محمد موسیٰ کے ہاں کافی آنا جانا تھا۔ ان کے ساتھ میں بھی جایا کرتا تھا۔

جب کبھی میں اکیلا جاتا تو بڑے پیار سے اپنے عملے کو فرماتے:

"او بھئی سلسلہ رشیدیہ کے لوگ آئے ہیں ان کی کچھ تواضع کرو۔"

آپ مصنّفین کے بڑے قدر دان تھے اور کتاب کو بہترین دوست سمجھنے والے تھے اور طبابت میں انہیں خاص مقام حاصل تھا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ پیشہ ان کا حسبی نسبی تھا۔ ان کے کمال فن کی ایک مثال یوں ہے کہ راجا رشید محمود صاحب کی آنکھ کی جھلی سکڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے دیا اور کہا کہ جب آپ کی جھلی میں دراڑیں پڑ جائیں گی تو پینٹ کر دیا جائے گا جس سے یقیناً آپ کی تصویر متاثر ہوگی۔ راجا صاحب نے اس بات کا ذکر حکیم صاحب سے کیا۔ حکیم صاحب نے بات اسی طرح سنی جیسے کہ یہ بات ہی نہیں - بڑے آرام سے کہنے لگے: "بھئی ڈاکٹروں کی دنیا اور ہے اور ہماری دنیا اور۔ آپ اللہ کا نام لے کر سر صاف کروا دیں اور اس پر کچی گھانی کے تیل کی مالش کریں اور آئندہ سے بالوں کو سیاہ کرنا چھوڑ دیں۔"

دوسری بار ہم گئے تو حکیم صاحب نے راجا صاحب کو مخاطب کر کے کہا:

"بابا ہم فقیروں کی بات مان لو اور ہمارا علاج شروع کرو" راجا صاحب نے حکم کی تعمیل کی اور شفایاب ہو گئے۔ میں خود بھی اپنے لئے یا کسی بچے کے لئے دوا لیتا اور دوائی کی قیمت پوچھتا تو جواب ملتا "بس میرے لئے دعا کرنا۔" ایسی اور ان گنت مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کا حافظہ دیا ہوا تھا۔ بیک وقت مصنّفین کو بھی ڈیل کر رہے ہوتے تھے اور مریضوں کو بھی۔ آپ مصنّفین کے ساتھ باتوں میں اس طرح محو ہوتے تھے جیسے کہ ان کے اندر والا کہہ رہا ہو کہ یہ مریض کچھ عرصہ کے لئے نہ ہی آئیں تو بہتر ہے حالانکہ وہ ان کا ذریعہ معاش ہوتے تھے اور ہم لوگ........

مجھے یہ کہنے میں قطعاً" باک نہیں کہ مجھے حکیم صاحب کا قرب، راجا رشید محمود صاحب کی وجہ سے نصیب ہوا۔ 1988ء

میں میری بیک وقت چھ کتابیں شائع ہوئیں یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بورڈ چھوڑ کر PCSIR جائن کر چکا تھا تو میں نے راجا صاحب سے کہا کہ چلو حکیم صاحب کو کتابیں پیش کر کے آئیں۔ جب میں نے کتابیں پیش کیں تو حکیم صاحب نے فرمایا: "بھئی آپ کی مہربانی آپ نے یاد رکھا۔ اب تو میرا ذخیرہ کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔ جب کتاب کی ضرورت پڑتی ہے تو ملتی ہی نہیں۔ یہ سوچ رہا ہوں کہ کسی لائبریری کو دے دوں۔ یونیورسٹی والوں سے میری بات چل رہی ہے۔ چلو لوگ استفادہ کریں گے۔ یہ میں نے کہا ہے کہ وہ میرے ذخیرہ کتب کی ایک الگ گیلری بنائیں۔ کتابیں دیں اور ہم واپس آگئے۔ اگلی بار جب میں گیا تو میں نے یونہی پوچھ لیا آپ امرتسری مصنفین پر کام کر رہے تھے اس کا کیا بنا؟ یقین جانئے میں نے یوں محسوس کیا جیسے میں نے ان کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا ہے۔ فرمانے لگے: "یار اب نہ دیدے ساتھ دیتے ہیں نہ لاغر جثہ اور اگر کبھی یہ پروجیکٹ میری زندگی میں مکمل ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ میرا مقصد پورا ہو گیا اور میری یہ خواہش صرف آپ پوری کر سکتے ہیں۔" حکیم صاحب نے میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اپنی چھڑی تھامی اور بالائی منزل پر چلے گئے اور فرمایا کہ آج سے کام شروع کر دیں میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب پنجابی میں؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ "بے شک پشتو میں کرو میں ہر طرح سے معاونت کروں گا۔"

اس دن کے بعد حکیم صاحب نے اپنی نشست کے بالکل ساتھ ایک خانہ میرے نام سے بنا دیا۔ میں ہفتہ عشرہ کے بعد جب بھی جاتا وہاں میرے لئے کتابیں اور رسالے پڑے ہوتے جن سے مجھے نواز دیا جاتا۔ روابط کے لئے مجھے ایڈریس دیتے۔ خود بھی رابطے کرتے۔ یہ کام کچھ اس لئے بھی ٹیڑھا تھا کہ دوست احباب کوائف دیتے وقت نخرے بھی کرتے تاہم میں نے اس پروجیکٹ میں کافی کامیابی حاصل کر لی۔

1996ء کی بات ہے کہ اتفاق سے میں اور راجا صاحب اکٹھے بیٹھے تھے کہ حکیم صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب ہمارے پروجیکٹ کا کیا بنا ہے؟ مجھے تو آج رات حج کی چٹھی مل گئی ہے۔ لگتا ہے کہ وقت کم ہے۔' یار میری حسرت پوری کر دو' ایک سو کتاب کا میں خریدار ہوں۔ حکیم صاحب کی بات سن کر میرا دل لرز گیا۔ اگلے روز میں نے سارا پروجیکٹ اٹھایا اور ان کے پاس لے گیا۔ انہوں نے میرا کام دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور فرمانے لگے: "یار اس کو حتمی شکل دو پروفیسر سلیم کی کتاب آگئی ہے اور تم ابھی ایسے ہی پھر رہے ہو۔" میں نے عرض کیا کہ پروفیسر صاحب نے صرف نعت پر کام کیا ہے۔ ان کا موضوع محدود تھا اور یہ اردو میں تھا میری لائن ذرا مختلف ہے۔

حکیم صاحب نے میری کتاب کا دیباچہ لکھنے کی خواہش کا بھی اظہار کیا تو میں نے کہا کہ "ہرگز نہیں میں نے اس کا دیباچہ آپ سے نہیں لکھوانا۔" یہ انکار ان کے لئے بڑا عجیب تھا کیونکہ لوگ تو ان سے لکھوانا اعزاز سمجھتے ہیں اور میں ان کی پیش کش سے انکار کر رہا ہوں۔ آپ نے حیران کن انداز سے پوچھا: بھئی کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضور اس کتاب کا انتساب آپ کے نام ہے۔ بہر کیف مجھے افسوس ہے کہ سرکاری و غیر سرکاری اداروں کی عدم توجہی کی وجہ سے میری یہ کتاب تاحال شائع نہیں ہو سکی اور میں حکیم صاحب کی خواہش ان کی زندگی میں پوری نہ کر سکا اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنے کے لئے مجھے مطلوبہ کتابوں سے مالا مال کرتے رہے سچ پوچھئے تو میرا مجموعی تاثر تو یہ ہے کہ مطب تو ایک بہانہ تھا اصل مقصد تو مصنفین کے ساتھ میل جول تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مصنفین کے لئے آپ مرکزیت کی حیثیت رکھتے تھے جو آپ کے وصال سے ختم ہو گئی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

اہلِ سنّت کا ایک روشن ستارہ

17 نومبر 1999ء کے دن جب سرزمین لاہور کے آسمان پر نصف النہار کا سورج اپنی تابانیوں کے ساتھ چمک رہا تھا' ٹھیک اس وقت ملت بیضا کا ایک آفتاب درخشاں غروب ہو گیا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری احباب و اعزہ کو روتا چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوئے۔

دین کی عصبیت' سنت نبوی کی تمازت سے معمور سینہ رکھنے والا فرد فرید جو شریعت و طریقت' اخلاق و شرافت کی روشن و تاباں روایات کے ساتھ دانشمندی و فراست' حکمت و بصیرت کے مطلع پر نصف صدی سے زائد عرصہ سے برابر چمک رہا تھا اور جس نے اپنے اعلیٰ کردار اور حسن عمل کی کرنوں سے زندگی کے بہت سے میدانوں' دین و دانش کے ایوانوں' ادب و انشاء کی محفلوں اور تصنیف و تالیف کے گلستانوں کو مسلسل منور کیا۔ وہ اپنے یاروں پیاروں اور اہل مجلس کو داغ مفارقت دے گیا۔

ہرگز گماں مبر کہ آں صاحب کمال مرد
کو روح محض بود' یہ جسم فنا پذیر

روشن ضمیر' طب مجسم' فقیر حق
کہ بود در زمانہ' یکے بندہ بے نظیر

سردار علی احمد خان

حکیم محمد موسیٰ ـــ اسلاف و اکابر اور اولیاء اللہ اور علمائے حق کے مقدس و معزز قافلہ کی یادگار تھے جن کی بغیر ہماری شاہراہ علم و عمل تاریک و تنگ دکھائی دیتی ہے۔ موصوف بلا شبہ عظمت کا مینار تھے۔ ایک ایسا چمچماتا مینار جو پر از فتن دور جدید کے مکر و دجل اور ریاکاری و منافقت کے گھنے اندھیاروں میں روشنی دکھاتا اور تند و تیز مخالف ہواؤں کے مقابل کسی چراغ ضوفشاں کے مصداق جلتا رہتا ہے۔

آج جیسے میں یہ چند سطور حکیم صاحب کے بارے میں لکھ رہا ہوں تو مجھے اہلسنت کے سب سے مخلص' بے لوث اور درد مند رہنما کی یاد دل کے دروازے پر دستک دیتی اور فکر و شعور کے دریچوں میں جھانکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

حکیم موسیٰ سے میرا تعلق خاطر قریباً" تیس (30) برس پر محیط ہے اور گاہے ماہے ان کی مجلس میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہا۔ ان سے ہر نشست میں علم و ادب' تاریخ و تصوف پر گفتگو ہوتی۔ مجلس اتنی دلچسپ اور پر از معلومات ہوتی کہ اٹھنے کو جی نہ چاہتا۔

صحبت مرداں اگر یک ساعت است
بہتر از صد خلوت و صد طاعت است

حکیم صاحب اگرچہ روایتی معنوں میں مروجہ علوم ظاہری کی پوری تکمیل نہ کر سکے مگر ان کی استعداد خدا داد تھی انہیں دینی اور ادبی کتابوں سے اولاد جیسا پیار تھا۔ وہ کتاب کلچر کے آدمی تھے اور شاکی تھے کہ ہماری نوجوان نسل ذوق مطالعہ سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ شوق مطالعہ نے ان کو ہر علم و فن کی کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے پر راغب کیا اور ہاں انہوں نے اتنی کتابیں جمع کیں کہ آپ کی ذاتی کتب کا ذخیرہ ایک مختصر لائبریری بن گیا۔ حکیم صاحب نے حسین حیات میں اپنا کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو بلا معاوضہ عطیہ کر دیا۔

حکیم محمد موسیٰ کے اندر ایک بہترین طبیب کی جملہ شرطیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ وہ بڑے نیک' منکسر المزاج' متواضع' قناعت پسند' خوش طبع و ملنسار' سادہ مزاج اور درویش صفت اور شریف النفس انسان تھے۔ بیماروں پر بڑے مشفق و مہربان تھے۔ امراض کی تشخیص اور ادویہ کی تجویز میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دست شفا سے بھی نوازا تھا۔ بطور معالج وہ غمگسار اور جذبہ خدمت گزاری سے سرشار انسان تھے۔ حرارت ایمانی' عشق رسول مقبول ﷺ اور غیرت دینی کا ایک پیکر اپنی ذات میں اک انجمن تھا۔ وہ عیش و آرام طلبی سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ مستقل مزاجی اور سعی و عمل ان کا اوڑھنا بچھونا تھے۔

حکیم صاحب متعدد اکابرین ملت اور اولیاء اللہ کی صحبت و خدمت سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ مدنی حضرت ضیاء الدین (م 1981ء) سے گونہ نسبت اور از حد عقیدت تھی۔ حضرت سید علاؤ الدین قادری سے بھی ان کی نیاز مندی رہی۔ حضرت میاں علی محمد خان صاحب چشتی (بسی شریف والے) سے شرف بیعت بھی تھا اور قلبی و روحی تعلق خصوصی تھا نیز آپ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کے عاشقوں میں سے تھے۔ یہ اولیاء اللہ کا فیضان نظر تھا کہ حکیم صاحب مستقبل کے ماتھے پر ابھرنے والی لکیروں کو اپنی فہم و فراست سے پڑھتے اور اپنے افکار کا اظہار بغیر لگی لپٹی کر دیا کرتے۔

سوز دل اور درد جگر رکھنے والے اس بزرگ محترم کے جذبات فراواں جو خلوص و ہمدردی کے خمیر سے آمیختہ تھے تمام تر مسلک اہل سنت والجماعت کی خدمت میں اور مشن کی تشہیر کے لئے تازیست وقف رہے اور اس ضمن میں انہیں نہ ستائش کی تمنا تھی نہ صلہ کی پرواہ۔ حکیم صاحب چونکہ اہل تصوف میں سے تھے ان کے نزدیک تصوف اور حق شناسی دراصل خدمت خلق تھی خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔

حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمہ کی آرزو تھی کہ اہل سنت والجماعت میں سے اہل فکر و نظر اور ملت کے درد اٹھیں اور باہم متفق ہو کر خالصتاً" تعمیری انداز سے درپیش مسائل کا مفید و موثر حل ڈھونڈیں۔ سواد اعظم پر جو دین و دنیا کی خدمت و رہنمائی کی ذمہ داری اللہ اور رسول ﷺ نے ڈالی ہے اس سے مخلصانہ عہدہ برآ ہونے کی امکانی سعی و کوشش کریں۔

اب تیز تر ہے دھوپ کوئی سائباں نہیں
جائیں کہاں طیور کوئی آشیاں نہیں
رک کر ملے پناہ بجھے تشنگی جہاں
رستے میں اپنے اب کوئی ایسا مکاں نہیں
شہر صبا میں اب کوئی پیر مغاں نہیں

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات 1959ء میں ہوئی۔ میں لوہاری گیٹ کے باہر مولوی شمس الدین (تاجر کتب نادرہ) کی دکان میں بیٹھا کتابیں دیکھ رہا تھا کہ ایک صاحب وہاں آئے۔ فربہ جسم، کلین شیو، جسم پر شلوار قمیص اور کوٹ۔ مولوی شمس الدین آگے بڑھ کر انہیں ملے، بے تکلفی سے پوچھا "کدھر سیر ہو رہی ہے؟" نووارد نے کہا، داتا صاحبؒ کے ہاں آیا تھا۔ اب مولوی صاحب میری طرف متوجہ ہوئے اور نووارد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"بھئی! آپ ان سے واقف نہیں؟"

اگلے ہی لمحے حکیم صاحب کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا، بولے۔

"میرا نام محمد موسیٰ ہے"

"میں عابد نظامی ہوں"

"اخاہ" کہتے ہوئے انہوں نے میرا ہاتھ گرمجوشی سے دبایا اور کہا۔

"آپ کے مضامین تو میں اخبارات میں دیکھتا رہتا ہوں"

خانقاہ شمسیہ میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے بظاہر یہ سرسری سی ملاقات تھی جو مستقبل میں گہرے تعلقات کا پیش خیمہ بن گئی۔

اس زمانے میں حکیم صاحب کا مطب رام گلی میں تھا، جسے وہ آرام گلی کہا کرتے تھے اور خط و کتابت کرتے وقت ایڈریس میں یہی لکھا کرتے تھے۔ ان کا پتہ بڑا مختصر تھا۔

"حکیم محمد موسیٰ امرتسری، آرام گلی لاہور"

اس زمانے میں بھی حکیم صاحب کا مطب اہل علم کا مرکز

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی
مدیر اعلیٰ ماہنامہ "درویش" لاہور

تھا۔ پیر غلام دستگیر نامی، عبداللہ قریشی، مولانا علم الدین سالک، مولوی اسماعیل پانی پتی، قاضی عبدالنبی کوکب اور مولانا محمد سعید نقشبندی جیسے اہل علم حضرات ان کے ہاں اکثر آتے تھے۔ پھر طرہ یہ کہ حکیم صاحب کے ان ملنے والوں میں ہر مذہب و ملت کے اصحاب شامل تھے۔ وہ ہر گروہ اور طبقہ کے لوگوں سے نہایت اخلاق کے ساتھ ملتے تھے۔ پیار اور محبت کا یہ فن انہوں نے صوفیہ سے سیکھا تھا جن کے حکیم صاحب بہترین نمائندہ تھے۔

شاید 1961ء کا سنہ تھا، مولوی شمس الدین تاجر کتب نادرہ کا اچانک انتقال ہو گیا تو خانقاہ شمسیہ کے حاضر باشوں نے اس

صدمہ کو بہت محسوس کیا مولوی شمس الدین مرحوم کی دوکان اس وقت کتابی ذوق رکھنے والوں میں خانقاہ شمسیہ کے نام سے معروف تھی، کتابوں کے رسیا یہاں دن بھر آتے رہتے تھے۔ مولوی صاحب کے چالیسویں پر ہم نے ان کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ کے مہتمم خصوصی حکیم صاحب تھے۔ قاضی عبدالنبی کوکب مرحوم، پروفیسر محمد اسلم مرحوم، پیر زادہ اقبال احمد فاروقی اور راقم الحروف نے مقالات پڑھے۔ دوستوں اور محسنوں کے ذکر خیر میں حکیم صاحب ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔

2 جون 1968ء کو برکت علی اسلامیہ ہال (بیرون موچی گیٹ لاہور) میں انجمن صداقت اسلام کی طرف سے حکیم صاحب نے یوم رضا کے نام سے ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کرایا جس میں قاضی عبدالنبی کوکب، مفتی اعجاز ولی رضوی، پیر محمد کرم شاہ الازہری نے مقالات پڑھے، میں نے بھی حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد میں حضرت فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر ایک طویل مضمون لکھا جو حکیم صاحب نے "مقالات یوم رضا" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ "مولانا بریلوی ﷫ کی نعتیہ شاعری پر غالباً" یہ پہلا تفصیلی مضمون تھا۔ "مقالات یوم رضا" کی اشاعت پر ایک افسوسناک صورت حال یہ بھی پیش آئی کہ مولانا کوکب مرحوم نے مقالات یوم رضا کے لئے تقویم کے نام سے جو دیباچہ لکھا اس کے بعض مندرجات سے قبلہ حکیم صاحب کو اختلاف ہوا۔ واقفان حال کو اس کا بخوبی علم ہے اس لئے یہاں اس کا تذکرہ ضروری نہیں۔

حکیم صاحب کی نظر ملی مسائل پر بری گہری تھی۔ قومی و ملی تحریکوں کے لئے وہ اپنے انداز میں کام کرتے تھے۔ 1971ء میں اسلام اور سوشلزم کے درمیان آویزش کا آغاز ہوا تو حکیم صاحب، مولانا محمد سعید نقشبندی کے ساتھ (جو اس زمانہ میں جامع مسجد حضرت شاہ محمد غوث ﷫ کے خطیب تھے) میرے ہاں تشریف لائے اور بڑی دردمندی سے فرمایا کہ اس وقت سوشلزم کے رد اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے قلمی جہاد کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مجھے حکم دیا کہ میں اسلام سوشلزم اور کیپٹلزم کے درمیان موازنہ کرکے اسلام کی حقانیت ثابت کروں۔ چنانچہ میں نے اس حکم کی تعمیل میں ایک مقالہ لکھا جو حکیم صاحب اور مولانا نقشبندی نے "اسلام اور صرف اسلام" کے نام سے بڑی تعداد میں شائع کیا۔

حکیم صاحب بڑے مرنجان مرنج انسان تھے۔ ان کے ملنے والوں میں ہر علم اور سطح کے لوگ شامل تھے۔ عالم فاضل بھی اور ان پڑھ لوگ بھی۔ امیر کبیر بھی اور فاقہ مست بھی۔ وہ سب سے ان کے مزاج کے مطابق محبت سے ملتے تھے۔ حکیم صاحب کے انہی ملنے والوں میں ایک صاحب حاجی عبدالحکیم تھے۔ آرام گلی میں ان کا سپرنگ بنانے کا کارخانہ تھا۔ مولانا حامد میاں کے مرید تھے جو مولانا حسین احمد مدنی کے خلفاء میں سے تھے۔ حاجی صاحب ان پڑھ آدمی تھے۔ مزارات پر حاضری کے قائل نہ تھے۔ ایک دفعہ کسی بیماری میں مبتلا ہوئے تو حکیم صاحب سے اپنا علاج کرایا۔ ایک روز اپنے نشہ امارت میں کہا۔ "حکیم صاحب مجھے اس بیماری سے ٹھیک کر دیں تو جو آپ کہیں گے میں آپ کی خواہش پوری کروں گا"

حکیم صاحب نے کہا "پکا وعدہ ہے؟"

بولے "اللہ کی قسم پکا وعدہ"

حکیم صاحب نے کہا "مجھے اور خواجہ عابد صاحب کو اپنی کار میں پاک پتن شریف لے جاؤ گے؟"

یہ سن کر حاجی صاحب سوچ میں پڑ گئے کچھ لمحوں کے بعد بولے "آپ دونوں کو لے جاؤں گا لیکن خود مزار کے اندر نہیں جاؤں گا"

حکیم صاحب نے یہ شرط مان لی۔ اللہ کا کرنا، حاجی صاحب چند

ہی روز میں ٹھیک ٹھاک ہو گئے اور ہمیں اپنی نئی نویلی کار میں بٹھا کر پاک پتن شریف لے گئے۔ وہاں ہم دو روز حکیم صاحب کے بڑے بھائی حکیم شمس الدین کے ہاں ٹھہرے۔

پاک پتن شریف میں ہمارا زیادہ وقت دربار شریف میں گزرتا تھا وہیں مسجد میں نمازیں ادا کرتے' حاجی صاحب نماز تو ہمارے ساتھ ادا کر لیتے لیکن روضہ شریف میں حاضری کے وقت اور قوالی سنتے وقت دور جا بیٹھتے' کہنے کو تو ان پڑھ تھے لیکن اللہ نے ذہن رسا دیا تھا' آخر اتنا بڑا کارخانہ چلاتے تھے۔ دربار شریف میں جب انہوں نے وہاں کا پاکیزہ ماحول دیکھا تو ان کا دل بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے اپنے حلقہ احباب سے سن رکھا تھا کہ وہاں دربار میں بڑا شرک ہوتا ہے لوگ سجدے کرتے ہیں' یہ کرتے ہیں' وہ کرتے ہیں لیکن یہاں دو روز رہ کر انہوں نے دیکھا کہ یہاں تو لوگ نماز پڑھتے ہیں درود و سلام پڑھتے ہیں' نعتیں پڑھتے اور سنتے ہیں۔ تیسرے روز ہم روضہ شریف کے اندر جانے لگے تو حاجی صاحب کہنے لگے' میں بھی آپ کے ساتھ روضہ شریف کے اندر جاؤں گا۔ آخر ہمارے ساتھ وہاں حاضری دی اور فاتحہ پڑھ کر خوب روئے۔ باہر آ کر کہنے لگے حکیم صاحب کی دوائی نے جسمانی روگ گنوایا تھا بابا فرید شکر گنج نے روحانی علاج فرمایا ہے۔ بخدا مجھے زندگی میں ایسا سکون بہت کم نصیب ہوا ہے۔ میں نے کہا حاجی صاحب اسے بھی حکیم صاحب ہی کا فیض سمجھیے۔

پاک پتن شریف سے واپسی پر میں نے کہا اب ہڑپہ بھی ہوتے چلیں تاکہ کار سے آئے ہیں تو یہ تاریخی جگہ بھی دیکھتے چلیں۔ حکیم صاحب نے اس تجویز کو پسند کیا اور ہم تینوں ہڑپہ کا میوزیم دیکھنے گئے۔ میرے علم میں نہ تھا کہ یہاں کے قدیم آثار اور تہذیب کے بارے میں بھی حکیم صاحب کی معلومات خاصی ہیں۔ ہم دونوں خوب مستفید ہوئے۔

میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال "ضیائے حرم" کو ایڈٹ کرنے میں صرف کئے ہیں بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ماہنامہ "ضیائے حرم" کی ادارت میں نے حکیم صاحب کے کہنے پر قبول کی تھی۔ میں اس زمانے میں سیارہ ڈائجسٹ کا مدیر معاون تھا۔ ایک روز حکیم صاحب نے مجھے فون کیا کہ تھوڑی دیر کے لئے میرے مطب میں آ جائیں ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا پیر محمد کرم شاہ الازہری بھی وہاں بیٹھے ہیں۔ ان دنوں پیر صاحب نے ماہنامہ ضیائے حرم کا آغاز کیا تھا۔ غالباً" چند شمارے شائع بھی کئے۔ اس کے شمارہ نخستین کے لئے میں نے بھی ایک مضمون "علامہ اقبال کے سرچشمہ ہائے تصوف" لکھا تھا' جو شائع بھی ہوا اب یہ خصوصی میٹنگ اسی رسالے کے بارے میں تھی۔ حکیم صاحب کی بڑی خواہش تھی کہ ہمارے حلقے سے بھی ایک معیاری رسالہ شائع ہوتا رہے۔ پیر صاحب نے بتایا کہ ہم نے بڑے شوق سے یہ رسالہ جاری کیا تھا لیکن چونکہ اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف نہ تھے اس لئے کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہم 2,500 کی تعداد میں رسالہ شائع کرتے ہیں' لیکن ناتجربہ کاری کے باعث سب گودام میں رکھا رہتا ہے۔ اس زمانے میں اردو ڈائجسٹ اور سیارہ ڈائجسٹ دو ہی بڑے پرچے تھے۔ میں نے ضیائے حرم کو کامیاب بنانے کے لئے پیر صاحب کو چند مشورے دیئے جو انہوں نے نوٹ کر لئے۔ میٹنگ ختم ہوئی تو پیر صاحب نے مجھے ڈھائی سو روپے پیش کرنا چاہے۔ میں نے پوچھا' یہ کیا ہے؟

فرمایا "یہ آپ کی خدمت میں بطور نذر پیش کر رہا ہوں۔"

"مگر میں تو پیر نہیں ہوں۔"

"مگر نظامی تو ہیں" پیر صاحب نے کہا "یہ روپے اسی نسبت عالی کی وجہ سے پیش کر رہا ہوں۔"

آخر حکیم صاحب کے کہنے پر میں نے یہ روپے قبول کر لئے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ مشوروں کا یہ سلسلہ جاری رہ

چاہیے۔ میں نے اس کی حامی بھرلی۔ لیکن کئی روز کے بعد حکیم صاحب نے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ سیارہ ڈائجسٹ کے بجائے ضیائے حرم کی ادارت سنبھال لیں۔ میری نظر میں دوسرا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اہل سنت کے اس رسالے کو قرینہ کے ساتھ ایڈٹ کر سکے۔

حکیم صاحب کے اس حکم پر میں نے لبیک کہا اور سولہ سال تک نہایت خلوص سے توجہ اللہ ماہنامہ "ضیائے حرم" کی ادارتی ذمہ داری نبھائی۔ حکیم صاحب کی وفات کی خبر ملی تو میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ بار الہا اگر تیرے دربار میں "ضیائے حرم" کے حوالے سے میری خدمت قبول ہوئی ہو تو اس کا اجر حکیم اہلسنت کو ضرور دینا کہ مجھے اس راہ پر گامزن کرنے والے وہی تھے۔ یہ حکیم صاحب کے لئے میری طرف سے فی البدیہہ ایصال ثواب تھا۔ ان پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں۔

حکیم صاحب کے بارے میں بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے اب ان پر قلم اٹھایا ہے تو خیالات ہیں کہ امڈے چلے آتے ہیں لیکن برادرم ظہور الدین خان صاحب کا اصرار ہے کہ مضمون فوراً ان کے حوالہ کیا جائے۔ سو ان کی خاطر بھی منظور ہے اور مختصر نشست میں جو لکھ سکا ہوں وہ "مہر و ماہ" کے لئے حاضر کر دیا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف!

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مکتوبات کا پس منظر

حکیم محمد موسیٰ ○ بنام محمد عالم مختار حق

♣ ♣ ♣
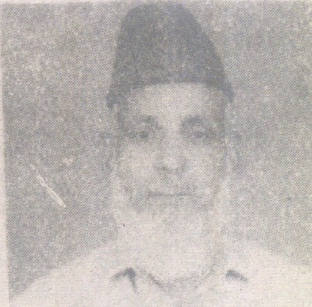
ایک عربی ضرب المثل ہے خیر الکلام ما قل و دل یعنی "بہتر کلام وہ ہے جو قلیل اور بامقصد ہو" معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد موسیٰ نے کہیں سے یہ مثل پڑھ سن لی اور پھر اسے آویزہ گوش بنا لیا۔ صرف کلام ہی نہیں بلکہ تحریر میں بھی اسی اصول پر کاربند رہے۔ خط لکھتے تو مختصر اور نہایت جامع۔ ایسا کہ مخاطب کو اس پر عمل پیرا ہونے کے سوا چارہ نہ رہے۔ مشہور علمی و ادبی مجلہ "نقوش" لاہور کے مدیر محمد طفیل (متوفی 5 جولائی 1986ء) میں بھی یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی، کیا مجال کہ وہ کسی ملکی یا غیر ملکی شخصیت کو سربراہ مملکت سے لے کر ادنیٰ کارکن تک کسی کو لکھ دیں اور پھر وہ کام نہ ہو۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ حکیم صاحب میں بھی یہ وصف کارکنان قضا و قدر نے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا کہ وہ تحریر و تقریر میں ایسا استدلال پیش کرتے کہ مسئلہ کی حقیقی صورت واضح ہو جاتی۔ قرآن مجید فرقان حمید نے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک خط کو سورہ النمل میں محفوظ کر دیا ہے جو اختصار کے باوجود اپنے اندر معانی کا ایک سمندر پنہاں رکھتا ہے اور وہ ہے انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم الا تعلوا علی واتونی مسلمین (31-30:27) صرف پانچ الفاظ پر مشتمل یہ خط دعوتی پیغام کا شاہکار ہے۔ اسی طرح کی ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو کہ جب

محمد عالم مختار حق - لاہور

داراشکوہ برادر اورنگزیب عالمگیر نے عالم اسیری میں اورنگزیب عالمگیر کو اپنی برات کے متعلق خط لکھا تو اورنگ زیب نے اس خط کے حاشیہ پر سورہ یونس کی یہ آیت تحریر کرکے واپس کر دیا۔ آلئن و قد عصیت قبل و کنت من المفسدین (9:10) جس سے دارا شکوہ کی باغیانہ سرگرمیوں کی پوری تاریخ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے تھے جو فصاحت و بلاغت کے وہ درہائے یتیم ہیں کہ ایک ایک کلمہ پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں بلکہ لکھی گئی ہیں جیسے حضرت عمرؓ کے اس اقرار پر کہ "آپ میری جان سے بھی مجھے محبوب تر ہیں" آپ کا یہ فرمانا "الآن یا عمر" یہ دو لفظی فقرہ حضرت عمر کی گزشتہ زندگی کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ چنانچہ یہی فقرہ جب ایک صاحب قلم نے پھیلایا تو حضرت عمر کی پوری زندگی ایک کتاب

مسمی بہ الآن یا عمر کی صورت میں جلوہ گر ہو گئی۔
اس کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر یہاں ہمارا مقصد موضوع کی مناسبت سے قرآن مجید' حدیث نبوی اور ملوک الکلام سے ایک ایک مثال پیش کر کے حکیم صاحب کے طرز عمل کی توثیق کرنا مطلوب ہے اور بس۔

حکیم صاحب مکتوب نگاری کے لئے کسی قسم کا تکلف بھی نہیں برتتے تھے جس قسم کا کاغذ "ڈھائے" چڑھ گیا انی کو استعمال میں لے آتے تھے۔ اب آپ راقم کے نام موصوف کے خطوط و رقعات کا مطالعہ فرمائیں۔ حکیم صاحب کو آپ اپنے آس پاس ہی چلتے پھرتے محسوس کریں گے۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل
مے گویمت دعا و ثنا مے فرسمت

----- ♣ ♣ ♣ -----

(1)

11 جنوری 1962ء

اعز محترم محب الفقراء جناب محمد عالم صاحب زاد لطفہ

سلام مسنون!

گرامی نامہ ملے کئی دن گزر گئے بوجہ مصروفیت جواب نہ دے سکا۔

عرض خدمت یہ ہے کہ میرے پاس تاریخ جلیلہ' تذکرہ حمیدیہ' اذکار قلندری' قصائد قلندری' قرآن کی معنوی تحریف' شہادت حسین (یا حضرت حسین) موجود ہیں۔ ان رسائل میں سے اگر کسی صاحب کو کوئی درکار ہو تو مجھ سے حاصل کر سکتے ہیں۔(1) امید ہے کہ آپ کے پاس یہ سب موجود ہوں گے اگر نہیں تو ضرور لے جائیں۔

آپ میری یہ مدد فرمائیں کہ آپ کے پاس نامی صاحب قبلہ کی جتنی تالیفات ہیں' ان کی فہرست مع مختصر تعارف' صفحات' سنہ طباعت کے بنا دیں' ہر کتاب کا تعارف خواہ دو چار سطر کا ہو۔ علیحدہ علیحدہ چٹوں پر تحریر فرمائیں۔ اس طرح مجھے سہولت رہے گی۔ موضوع کے لحاظ سے سیٹ کر لوں گا۔ دوبارہ محنت نہ کرنا پڑے گی۔

امید ہے کہ جناب میری ضرور مدد فرمائیں گے
بر کریماں کارہا دشوار نیست

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

تعلیم الاخلاق(2) عنقریب شائع ہو جائے گی اس میں آپ کے والد مغفور کی تاریخ ہائے وفات درج ہیں۔

----- ♣ ♣ ♣ -----

(2)

786

23 فروری 1962ء

محترم المقام جناب محمد عالم صاحب مدظلہ

وعلیکم السلام - مزاج وہاج!

گرامی نامہ موصول ہوا' یاد فرمائی کا شکریہ۔ آپ واقعی نامی صاحب کے متعلق بڑی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اللہ جزائے خیر دے۔ "تعلیم الاخلاق" کی ضرور اصلاح کیجئے: نامی صاحب کی روح خوش ہو گی اور علم کی خدمت کا اجر بھی ملے گا۔ نقوش(3) میں مضمون فقیر ہی کا ہے۔ ایک عارف(4) میرے لئے لیتے آئیں۔ قبلہ نامی صاحب کے متعلق دراصل میں کوئی خاص کام نہیں کر سکا۔ رمضان کے بعد کچھ کر سکوں گا۔ ان شاء اللہ

نصرت(5) کا قطعہ تاریخ میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ خیر اب محفوظ کر لیا ہے۔ امید ہے کہ آپ نے نامی صاحب کی کتابوں کی فہرست بنالی ہوگی۔ باقی باقی والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

پنسل سے خط لکھنے کی معذرت چاہتا ہوں۔ نقوش میں میرا جو

مضمون شائع ہوا ہے اس کی غلطیوں سے بھی ضرور آگاہ فرمائیں۔

------ ♣ ♣ ♣ ------

(3)

786

8 مئی 1964ء

جناب محترم - سلام و رحمت!

معروض آں کہ ہمارے ایک مہربان "مصنفین لاہور" کے نام سے ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ یعنی مفتی عبدالعزیز مزنگوی مرحوم(6) کے مفصل حالات فراہم کر دیجیے۔ مفتی صاحب کے صاحبزادے مجھے ملے تھے۔ ان کو کہا تھا مگر عرصہ گزرا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ اس طرف فوری توجہ دیں۔

دیگر خدمت لائقہ سے یاد فرمائیں۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(4)

786

31 مئی 1971ء

محترم جناب محمد عالم مختار حق صاحب زید علمکم

سلام مسنون!

آج آپ کے دفتر فون کیا۔ اس نے کہا کہ 60663 پر کرو، یہ ان کے نزدیک ہے انہوں نے کسی اور نمبر کا بتا دیا۔ کیسے بدفطرت لوگ آپ کے دفتر میں جمع ہیں۔

آپ تشریف لائیے اور مسودہ(7) غلطیاں لگانے کے لئے لے جائیے۔ تاکید ہے۔

آج آپ کے نام ایوب قادری صاحب(8) کا خط بھی آیا ہے۔ والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(5)

786

محترم عالم پناہ - سلام مسنون

گزارش ہے کہ آخری کاپی میں نہیں پڑھ سکا۔(9) مہربانی کرکے آپ پڑھئے اور غور سے غلطیاں لگوایئے۔ التماس کا صفحہ دوبارہ لکھا جائے گا۔ قطعہ تاریخ(10) کا مضمون بھی ارسال ہے۔

شریف صاحب(11) سے شکایت ہے کہ انہوں نے بعض بعض مقامات پر گھاس کاٹی ہے۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(6)

786

جناب محترم

سلام مسنون!

اس مضمون(12) کو بغور پڑھ لیجیے۔ سوتے میں لکھا ہے۔ زباں کی غلطیاں خاص طور پر ہوں گی۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

نوٹ: ایک مضمون بطور ضمیمہ کل ارسال کروں گا۔ وہ آخر

میں درج ہو گا۔ یہ کام جلدی ختم کرا دیں۔

------ ♣ ♣ ♣ ------

(7)

786

محترم - سلام مسنون

اتوار کو ملئے۔ نہیں تو پیر کو بعد دوپہر ملئے۔

مرسلہ اشتہار (13) اپنی مسجد میں لگوائیے۔

محمد موسیٰ عفی عنہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(8)

786

24 جون 1971ء

محترم المقام جناب محمد عالم صاحب زید مجدکم

سلام مسنون!

دستور پاکستان (14) کا دوسرا ایڈیشن مل گیا ہے۔ اس میں بعض چیزوں کا اضافہ کرنا ہے۔ لہٰذا تصانیف والا حصہ واپس بھیج دیں۔ نیز ان کی ایک اور کتاب الجہاد (15) کا نام بھی معلوم ہوا ہے۔

حضرت ترنم مرحوم کی بطل نبوت (16) بطور تحفہ مرسل خدمت ہے۔ قبول فرمائیں۔

اگر آپ آج تصانیف والا مضمون ساتھ نہیں لائے تو کل ضرور لیتے آئیں۔

مولانا مسلم (17) کی نظم ارسال ہے۔ اس کی نقل میرے پاس نہیں ہے۔ لہٰذا بحفاظت تمام اپنی جگہ پر چسپاں کر دیں یعنی پیش لفظ کے آخر میں۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

کل صبح حامل ہذا وحید احمد سلمہ (18) مضمون لینے کے لئے پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گا تاکہ کل جمعہ کے بعد آپ کو مضمون بعد اضافہ واپس کر سکوں۔

نوٹ : بطل نبوت کی 19 سطریں ہیں۔ میرا خیال ہے یہ مناسب انداز ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔

------ ♣ ♣ ♣ ------

(9)

786

حضرت عالم - السلام علیکم - زید مجدکم

مضمون (19) کا بقیہ حصہ ارسال ہے۔ شریف صاحب کو کہیے کہ اب مہربانی کر دیں۔ کام بہت ہے اور دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(10)

786

20 جون 1972ء

حضرت عالم - زید مجدکم

السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے آمین

والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا (20) کا ختم چہلم 2 جولائی بروز اتوار بعد نماز عصر شروع ہو گا اگر طبیعت اس قابل ہو تو جناب کی شرکت موجب برکت ہو گی۔ اگر خدا نخواستہ طبیعت اتنے سفر کی زحمت برداشت نہ کر سکے تو دعا میں یاد رکھئے۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

حکیم صاحب محمد عالم مختار حق اور شہزاد مجددی کے ساتھ

(11)

786

لیکم السلام

1- لیکوڈ پیرافین کا استعمال جائز ہے۔(21)

2- تلی کا استعمال بند کر دیں۔

دودھ، دہی کی لسی اور دودھ سوڈا استعمال کر سکتے ہیں۔
صبح ناشتہ کے ایک گھنٹہ بعد اور دودھ ناشتہ کے طور پر اور
دھ سوڈا ظہر اور عصر کے درمیان پیئیں۔ چاٹی کی لسی زیادہ
ید ہے اور اگر گوکی ہو تو سبحان اللہ

دعا گو

محمد موسیٰ

---- ♣ ♣ ♣ ----

(12)

786

محترم المقام جناب مولانا محمد عالم مختار حق صاحب

سلام مسنون

شرح پند نامہ گلھوی۔ ماہنامہ انجمن اور عرفات (خاص نمبر) ارسال ہیں۔ عرفات کو ضرور محفوظ کیجئے۔

مخدوما، محترما، محسنا، مکرما! فاضل بریلوی اور ترک موالات کا کام سب کام روک کر کروا دیجئے۔ 15 رمضان 2ھ تاریخ اشاعت لکھ دیجئے۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

امید کہ اب اس کام کو مزید التواء میں نہیں ڈالیں گے۔

نقوش جمیل(22) ایک عدد شرافت صاحب(23) کو مہیا کیجئے۔

آج کل وہ مولوی نور الدین(24) کے والد مولانا غلام قادر شائق رسول نگری کے حالات اپنی تاریخ میں لکھ رہے ہیں۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

یہ عریضہ لکھ چکا تھا کہ آپ کا مکتوب گرامی مل گیا۔
نقوش جمیل مولانا محمد عبد الحکیم صاحب(26) کے لئے رکھ لی

13 اکتوبر 1972ء

ہے۔ اب شرافت صاحب کو مہیا کرنا باقی ہے۔ سات روپے بابا جلد ساز کو دے دیئے ہیں اور ہدایت نامہ بھی۔

------ ♣ ♣ ♣ ------

(13)

786

21 اکتوبر 1972ء

محترم مولانا صاحب!

سلام مسنون

براہ کرم فاضل بریلوی اور ترک سوالات جلدی بھجوا دیجئے۔ کاغذ پھر گراں ہوتا جا رہا ہے۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(14)

786

25 جنوری 1973ء

جناب مولانا محمد عالم صاحب

سلام مسنون

آپ کے کتب خانہ میں کشف المحجوب(27) کے جس قدر فارسی اور اردو کے نسخے موجود ہیں ان کے کوائف فی الفور لکھ کر بھیج دیجئے۔ ممنون ہوں گا۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(15)

786

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

55 ریلوے روڈ لاہور

محترم المقام جناب محمد عالم مختار حق صاحب مدظلکم

سلام مسنون

آپ کی کتابیں ارسال ہیں اور یوم رضا(28) کے دعوت نامے بھی۔ انہیں اہل ذوق میں تقسیم کر دیجئے۔

(1) مسودہ مقدمہ میں دو ایک حرف تبدیل کرنے والے ہیں لہٰذا جب کاپیاں پڑھ لیں تو مجھے ضرور دکھا لیں بلکہ دکھانے کے بعد حاجی صاحب(29) کو دیں۔

(2) یوم رضا کی پیشگی دعوت ہے۔ اس روز کوئی اور پروگرام نہ بنایا جائے۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

11 مارچ 1973ء

نوٹ: دو پوسٹر ارسال ہیں۔ یہ اہم ناکوں پر چسپاں کر دیں تاکہ دس دن لوگوں کے ذہنوں پر سوار رہیں۔

------ ♣ ♣ ♣ ------

(16)

786

____

(30)__________

ناشپاتی رفع قبض کے لئے بہتر ہے ________ دور کرتا ہے اور بواسیر کا ______ سب چیزیں آپ کو ... میں مل جائیں گی۔ ان شاء اللہ

پنجاب میں جان و مال کا بے حد نقصان ہوا ہے۔

کے بود مانند دیدہ۔ شرافت صاحب کا گاؤں پانی میں بہہ گیا ہے۔ ابھی تک ان کی خیریت معلوم نہیں ہو سکی۔ خدا خیر کرے۔ آمین! ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

15 اگست 1973ء

------ ♣ ♣ ♣ ------

(17)

786

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

55 ریلوے روڈ لاہور

محترم جناب مولانا صاحب زید مجدکم

علیکم السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ - مزاج شریف

گرامی نامہ ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ ڈوب چکے لوگوں کے خط آنسو بہا کر اپنی شکل بگاڑ ہی لیا کرتے ہیں۔ خیر مطلب کی بات تو آپ تک پہنچ ہی گئی۔ حضرت حاجی صاحب دوسرے تیسرے روز ملتے رہتے ہیں۔ کتابت مکمل ہو چکی ہے۔ غلطیاں لگنا باقی ہیں۔

شرافت صاحب مدظلہ کا گاؤں پورے کا پورا تباہ ہو گیا اور وہ ضلع گوجرانوالہ کے کسی گاؤں میں پناہ گزیں ہیں۔ ان کی کتابوں کے دو صندوق غرق ہو گئے۔ شریف التواریخ اور دیگر تصانیف خوش قسمتی سے بچ گئی ہیں۔

ہاں تو آپ اسبغول کا چھلکا' پپیتہ کچی مولی' سلاد وغیرہ استعمال کرتے رہیں۔ آلو بخارا' ناشپاتی بھی ضرور استعمال کریں۔

گاڑیاں بند ہیں اس لئے حکومت لاہور کے حاجیوں کے لئے کوئی مسئلہ طے نہیں کر سکی۔ اللہ بہتر کرے۔ دعا فرمائیں۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

لاہور - 2 ستمبر 73ء

------ ♣ ♣ ♣ ------

(18)

786

محترم المقام جناب محمد عالم صاحب

سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے' آمین۔ دیگر عرض ہے کہ بندہ غالباً" 30 یا یکم کو عازم کراچی ہو گا(31) اس لئے کہ ایک غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق ہم کو 8 تاریخ کے جہاز میں بھیجا جائے گا۔ چونکہ آٹھ روز قبل کراچی پہنچنا ہوتا ہے اس لئے یکم کو جانا پڑے گا۔ بہرحال دعاؤں میں یاد رکھے۔ معلمین کا پتا دکان سے لے لیں۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔

دعاجو

محمد موسیٰ عفی عنہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(19)

786

13 دسمبر 1973ء

محترم المقام جناب محمد عالم مختار حق صاحب مدظلکم

سلام مسنون

میں آپ حضرات کی دعاؤں سے بخیریت ہوں اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں آپ حضرات کے لئے دعاگو ہوں۔

جناب حاجی محمد اعظم صاحب قبلہ کی خدمت عالی میں سلام مسنون عرض کیجئے۔ احقر راقم 3 ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ روانہ ہو جاؤں گا۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

مکہ مکرمہ کا پتہ: معرفت معلم سالم علی بو۔ باب النبی مکہ مکرمہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(20)

786

مدینہ منورہ

4 دسمبر 1973ء

محترم عالی مقام جناب محمد عالم مختار حق صاحب زید مجدکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ مزاج شریف

جناب کا مکتوب ملا تھا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ آپ کی معروضات بہ بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم مواجھہ شریف میں کھڑے ہو کر عرض کر دی تھیں۔ میں خط لکھنے میں کوتاہی کا مرتکب ضرور ہوں مگر آپ کی یاد سے کبھی غافل نہیں رہا۔ سید محمد حسن شاہ صاحب(32) سلام لکھواتے ہیں۔

دعا جو و دعاگو

محمد موسیٰ عفی عنہ

جناب حاجی محمد اعظم صاحب قبلہ کی خدمت عالی میں سلام عرض کر کے دعا کی درخواست کریں۔ عزیز القدر محبوب سلمہ(33) کو بھی سلام عرض کریں۔ ابوالجھوٹ محی ‘ ____ چوہدری غلام صادق صاحب جو آپ کے دفتر میں ہیں اور شاہدرہ میں رہائش پذیر ہیں کو سلام عرض کریں۔ خدمت ہائے لائقہ سے یاد فرمائیں۔ یکم ذوالحجہ کے بعد عازم مکہ ہو جاؤں گا۔ ان شاء اللہ مکہ شریف کا پتا یہ ہو گا۔

معرفت معلم سالم علی بو - محلہ جیاد مکہ مکرمہ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(21)

786

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

55 ریلوے روڈ لاہور

محترم المقام - وعلیکم السلام - مزاج وہاج

ہر دو گرامی نامے شرف صدور لائے۔ یاد فرمائی اور
داری کا شکریہ جواب میں تاخیر کا سبب میری مجذوبیت
لیکن آپ کی یاد سے کبھی غافل نہیں رہا۔

عزیزم محبوب صاحب میری طرف نہیں آئے۔ ج
آئیں گے تو ضرور خدمت کروں گا۔ کشف المحجوب کے بار
میں آپ نے تراشے محفوظ کر لئے، شکریہ۔ مجھے ان کی تل
تھی۔ کشف المحجوب کی تصحیح کے بارے میں حاجی صاحب
اور آپ نے میرے ذمے جو ڈیوٹی لگائی ہے میں اسے
کرنے سے قاصر ہوں۔ میرا ذہن لکھنے پڑھنے سے بھاگتا
اور وقت بھی بالکل نہیں ہے۔ یہ کام تو آپ ہی سرانجام
گے۔

معرکہ درویشاں کی طرف سے سلام قبول کیجئے۔

و

محمد موسیٰ عف

21 اپریل 1974ء

------ ♣ ♣ ♣ ------

(22)

786

محترم المقام حضرت عالم زید مجدہ

سلام مسنون

ملک شیر محمد خان اعوان(35) کا مسودہ ”محاسن کنز ال

بھیج رہا ہوں اسے غور سے پڑھئے تاکہ بعد از کتابت الفاظ نہ بدلنا پڑیں۔

صفحہ 5 پر قرآن مجید کے ترجمہ کے سلسلے میں نوٹ قابل اصلاح ہے۔ لکھا ہے کہ ولی اللہ (36) نے ترجمہ کیا۔ اس کے متعلق علیحدہ کاغذ پر مضمون لکھ دیں۔ جو مصنف کو بھیج دوں گا کہ اس کے مطابق ٹھیک کر دیں۔

محمد موسیٰ

----- ♣ ♣ ♣ -----

(23)

786

پہلی بات: السلام علیکم

دوسری بات: عید مبارک

تیسری بات: مضمون (37) امام اعظم نمبر کے لئے

----- ♣ ♣ ♣ -----

(24)

786

سلام مسنون

اقبال (38) کراچی چلا گیا ہے۔ رقعہ کراچی بھیجنا ہے لہٰذا مجھے لکھ کر دے دیں۔ میں کراچی بھیج دوں گا۔

محمد موسیٰ

----- ♣ ♣ ♣ -----

(25)

786

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

55 ریلوے روڈ لاہور

تاریخ: 19 جولائی 1978ء

محترم المقام - سلام مسنون

آپ کی علالت (39) باعث ضربات کا علم ہو کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے' آمین

محمد اقبال مجددی کا حیدر آباد سے پھر خط آیا ہے کہ آپ سے رقعہ لے کر کراچی محمد ایوب قادری صاحب کے پتے پر روانہ کروں۔ براہ کرم ایک خط لکھ دیجئے جس کے نام وہ چاہتا ہے۔ آپ نے اقبال کا خط بنام احقر پڑھ کر معاملہ سمجھ لیا ہو گا۔ یہ خط میں نے محبوب صاحب سلمہ کے ہاتھ بھجوا دیا تھا۔

طالب خیر

محمد موسیٰ عفی عنہ

----- ♣ ♣ ♣ -----

(26)

786

محترم جناب حکیم صاحب!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ'

1- تاریخ الاطباء (40) وصول فرمالیں۔

"وصول کر لی ہے شکریہ"

2- کیا امرتسر میں کوئی موضع مد کے نام سے بھی تھا۔

"تھا"

3- مکتوبات مجدد الف ثانی نو لکشوری ایڈیشن ہو تو ایک روز کے لئے عنایت فرمائیں۔ ایک حوالہ دیکھنا ہے۔

"تھا مگر ایک مرحوم مولانا صاحب کی نذر ہو گیا تھا۔"

محمد عالم

12 اکتوبر 1981ء

----- ♣ ♣ ♣ -----

(27)

786

محترم جناب - سلام مسنون

محمد حسین تسبیحی ایرانی (41) نے کشف الاسرار (42)

کا نسخہ یا اس کی فوٹو کاپی طلب کی ہے۔ براہ کرم پہلی فرصت میں اس کی فوٹو اسٹیٹ بنوا دیں۔ محمد ایوب قادری کراچی(43) کے انتقال کی اطلاع آپ کو مل چکی ہو گی۔

والسلام

یکم دسمبر 1983ء

------ ♣ ♣ ♣ ------

(28)

786

سلام مسنون

وحید احمد مسعود مرحوم(44) کے حالات جو اردو سہ ماہی میں طبع ہوئے ہیں ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپی مہیا فرما دیں۔

اردو کے آخری شمارہ میں یہ مضمون ہے یعنی جو دو ماہ قبل آیا تھا۔

------ ♣ ♣ ♣ ------

(29)

786

سلام مسنون

نقوش سیرت النبی نمبر(45) مکمل سیٹ خرید کر دیں۔

ضروری اور جلدی۔

موسیٰ

------ ♣ ♣ ♣ ------

(30)

786

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

55 ریلوے روڈ لاہور

محترم جناب مختار حق صاحب

سلام مسنون

قافلہ جاتا رہا۔(46) از نصر اللہ خان مطبوعہ کراچی دیکھنا چاہتا ہوں۔

محمد موسیٰ عفی عنہ

24 جون 1987ء

------ ♣ ♣ ♣ ------

(31)

786

افسوس ناک خبر یہ ہے کہ میاں محمد الدین کلیم مورخ لاہور(47) آج صبح ساڑھے پانچ بجے انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مغربی پاکستان(48) میں خبر چھپوا دیں۔ جنازہ کا وقت مقرر نہیں ہوا۔ شام کا کوئی وقت مقرر کریں گے۔

گڑھی شاہو کے قبرستان

------ ♣ ♣ ♣ ------

(32)

786

محترم جناب ______ سلام و رحمت

سہ ماہی "سہرورد"(49) بڑی محنت سے اور بڑی رقم سے چھپتا ہے مگر پروف کوئی پڑھنے والا نہیں ملتا لہذا اغلاط سے پر ہوتا ہے۔ میں نے آپ کا نام پیش کیا ہے۔ آپ ہر قیمت پر یہ خدمت سرانجام دیں۔ ممنون ہوں گا۔

پتا: سید اویس علی سہروردی

مدیر سہ ماہی "سہرورد" سہروردیہ فاؤنڈیشن

115 میکلوڈ روڈ بالمقابل بٹ سویٹ ہاؤس

والسلام

دعاجو و دعاگو

محمد موسیٰ عفی عنہ

پنجاب یونیورسٹی لائبریری(50) کی چٹھی ریکارڈ کے لئے ارسال ہے۔

24 جنوری 1990ء

------ ♣ ♣ ♣ ------

(33)

786

اختر شاہجہانپوری صاحب وفات پا گئے ہیں۔ ان کی تعزیت کی ایک سطر لکھ بھیجیں۔

14 نومبر 1993ء

----- ♣ ♣ ♣ -----

جناب محمد عالم مختار حق صاحب

سلام مسنون

1- تذکرہ قطبیہ (52) از پیر غلام دستگیر نامی کی ضرورت ہے۔ فوٹو اسٹیٹ کروانی ہے۔

2- سوانح میاں شیر محمد صاحب (53) از نامی

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

8 اپریل 1994ء

----- ♣ ♣ ♣ -----

(35)

786

ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور

لگا رہا ہوں مضامین تازہ کے انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو (54)

مکرمی ــــ سلام مسنون

یہ بہجت افزا خبر آپ کے لئے یقیناً باعث مسرت ہو گی کہ ادارہ "مہر و ماہ" اردو اور پنجابی کے نامور ادیب' شاعر اور صحافی جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا کی زندگی اور ان کے کلام پر ایک جامع اور خصوصی نمبر "تذکار فدا" کے نام سے عنقریب شائع کر رہا ہے۔ ہر مکتب خیال اور ہر حلقہ فکر کے ممتاز اہل قلم اور بلند پایہ شعراء کے شاہپارے اس کی زینت ہوں گے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ ہر لحاظ سے اسے علمی و ادبی جواہر پاروں کا ایک انمول خزانہ بنایا جائے۔

آپ چونکہ "مہر و ماہ" کے دیرینہ کرم فرما' مداح اور اس کی توسیع اشاعت کے دل سے خواہاں ہیں اس لئے اس کی بزم تحریر میں حصہ لینے کی آپ کو خاص دعوت دی جا رہی ہے۔

امید ہے آپ اپنی اولین فرصت میں اپنے نظم/نثر کے شاہکار اور تصویر سے نوازیں گے۔

والسلام

محمد موسیٰ امرتسری

(مدیر "مہر و ماہ")

13 ستمبر 1994ء

----- ♣ ♣ ♣ -----

(36)

786

محترم محمد عالم مختار حق صاحب

سلام و رحمت!

نامی صاحب (55) کے متعلق کام اور گفتگو کریں۔

29 اکتوبر 1994ء

----- ♣ ♣ ♣ -----

(38)

786

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

55 ریلوے روڈ لاہور

غلام مرتضیٰ مرحوم کا چہلم 13 تاریخ کو بعد نماز ظہر

ــــــــ

----- ♣ ♣ ♣ -----

(39)

786

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

55 ریلوے روڈ لاہور

ھوالشافی

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

حضرت مولانا پیر سید محمد امیر شاہ قادری صاحب(58) ایڈیٹر "الحسن" پشاور غوث اعظم نمبر نکال رہے ہیں۔ اس سلسلے کا منظوم مواد پتا ذیل پر روانہ کر دیجئے یا احقر کو بھیج دیجئے۔

پتا یہ ہے۔

حضرت سید مولوی پیر محمد امیر شاہ صاحب

مدیرِ اعلیٰ پندرہ روزہ "الحسن"

1371 یکہ توت پشاور

والسلام

دعا جو

محمد موسیٰ عفی عنہ

6 جون 1998ء

----- ♣ ♣ ♣ -----

(40)

786

محترم جناب حاجی صاحب(59) زاد لطفہ

سلام مسنون

معروض آنکہ حامل رقعہ ہذا جناب محمد عالم صاحب جناب نامی صاحب قبلہ کے مقربین میں سے ہیں۔ ان کو "تعلیم الاخلاق" رعایتی قیمت سے دیں۔

والسلام

محمد موسیٰ عفی عنہ

2 فروری 1962ء

----- ♣ ♣ ♣ -----

حواشی

1- ان مذکورہ کتب میں سے تاریخ جلیلہ، قرآن کی معنوی تحریف، شہادت حسین، تو پیر غلام دستگیر نامی (م 61-12-16) کی تصانیف ہیں جب کہ بقیہ انکے خاندان کے بزرگوں کی تالیفات ہیں۔ ان میں ا[illegible] قلندری (فارسی) پیر فرخ بخش فرحت (متوفی 1256ھ/1840ء) قصائد قلندری (فارسی) پیر قلندر شاہ ولی (متوفی 1248ھ) کی تصانی[illegible] ہیں جنہیں پیر صاحب نے مرتب کرکے شائع کیا۔ تذکرہ حمیدیہ حالا[illegible] حضرت حمید الدین حاکم (متوفی 737ھ) شیخ شہر اللہ کی فارسی تصنیف[illegible] اردو ترجمہ ہے جو پیر غلام دستگیر نامی کے قلم کا مرہون منت ہے۔

2- تعلیم الاخلاق مصنفہ پیر غلام دستگیر نامی۔ سٹار بکڈپو (رجسٹرڈ) ا[illegible] بازار لاہور سے 1961ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ اس میں میرے وا[illegible] گرامی الحاج میاں محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 28 دسمبر 1958ء) کی مندر[illegible] ذیل تاریخ ہائے وفات درج ہیں۔ یہ سب پیر صاحب کی فکر کا ن[illegible]

تھے نام محمد سے حسین ایک جو موسوم
دل جن کا تھا اللہ کے اذکار سے مشحون
مسجد میں مشغول عبادت رہے تا ع[illegible]
جاں دے کے ہوئے گوشہ مسجد میں وہ مدفو[illegible]
نامی نے کہی بے سرانکار یہ تاریخ
"حاجی ہوئے مغفور" سنو عالم محزون

1378ھ

جو تاریخ پوچھو تو الحاج سے
"ہے پختہ نمازی محمد حسین"

1378ھ

اگر تاریخ پوچھیں تو یہ نامی تم بتا دینا
کہ "عالی قدر حاجی ذاکر زیبا" ہے بس موزوں

1378ھ

یہ تاریخ نامی کہو بے زوال
"بخلد بریں شد محمد حسین"
بتاریخ نامی بگوئی "بزرگ
محمد حسین از جہاں کرد رحلت"

1378ھ

یاد رہے کہ اس کتاب کا پیش لفظ اور مصنف کا ذکر جمیل حکیم صاحب کے قلم سے ہے اور پیر نامی صاحب کی رحلت کا مادہ "بجھا آج ہائے چراغ علوم" بھی حکیم صاحب کی فکر کا نتیجہ ہے۔

3- حکیم صاحب کا یہ مضمون بعنوان "اطباء عہد مغلیہ سے دور حاضر تک" مجلّہ "نقوش" ادارہ فروغ اردو لاہور کے لاہور نمبر بابت فروری 1962ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

4- ناشر شہیر ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور کے بیٹے ملک محمد عارف نے یہ ماہوار رسالہ اپنے نام کی نسبت سے نکالا تھا۔ جس کے مدیر عبدالرحمٰن شوق امرتسری تھے۔ شوق صاحب کو بعد میں ادارہ ہذا میں اکاؤنٹنٹ لگا دیا گیا جس کے سبب ان کا تعلق رسالہ سے عملی طور پر ختم ہو گیا اور یوں یہ رسالہ دم توڑ گیا۔ شوق نے اسی سلسلہ میں کہا:

شوق نے علم و ادب سے تھا شناسا کر دیا
اس بہی کھاتے نے اب مجھ کو نکما کر دیا

افسوس کہ شوق بھی بعد میں جلد ہی 1971ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

5- نصرت نوشاہی: آپ روحانی پیشوا اور طبیب شفاء الملک الحاج میاں نیک محمد نوشاہی (متوفی 19 اپریل 1972ء) کے فرزند ارجمند ہیں۔ تعلیم میں آپ ایم اے، ایم او ایل (گولڈ میڈلسٹ) ہیں۔ آپ ادیب، شاعر، خوشنویس، طبیب اور مقرر خوش بیاں ہیں۔ روشن دواخانہ کے نام سے شرقپور شریف میں اپنا مطب چلا رہے ہیں۔ ادارہ نہج القرآن شرقپور شریف کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ اہم قومی تقریبات پر ریڈیو پاکستان لاہور سے ان کی تقاریر نشر ہوتی رہتی ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی زبانوں پر نظم و نثر میں یکساں عبور حاصل ہے۔ حکیم صاحب نے ان کے جس قطعہ تاریخ کا ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

سینہ کاوید و روح جاں لرزید
نالہ مرگ ذی وقار شنید
از جہاں رفت مرد حق آگاہ
عامل و عابد و عتیق و عمید
در لحد خفت مقتدر نامی
ایں چنیں ہیچ کس نگاہ نہ دید
مسکنش باد روضہ فردوس
غفراللہ لہ، بفضل مزید
1378ھ

(مطبوعہ روزنامہ امروز لاہور مورخہ 62-1-3)

6- مفتی عبدالعزیز مزنگوی (متوفی 16 دسمبر 1963ء) تھے تو آپ ضلع گجرات کے رہنے والے مگر ساری عمر مزنگ لاہور میں بتا دی۔ آپ جامع مسجد جنازگاہ کے خطیب اور مسجد قلعہ مادھو مزنگ لاہور کے پیش امام رہے۔ یہ خدمات آپ اعزازی طور پر انجام دیتے رہے۔ آپ کی تصانیف میں سوانح عمری رسول اللہ ﷺ، تفسیر حواشی، اربعین عزیزی المعروف بہ احسن الاقوال فی احوال الابدال (اس کا دوسرا ایڈیشن مکتبہ نبویہ گنج بخش لاہور نے احوال ابدال کے نام سے 1413ھ میں شائع کر دیا جس میں پیر زادہ اقبال احمد فاروقی کے مقدمے کا اضافہ ہے) اردو ترجمہ منیتہ المصلی، زاد الآخرہ، عزیز المعظم، عزیز المرقاۃ الٰی مطالب مشکوۃ (چہار جلد) خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ کے فتاویٰ اسلامی رسالوں مبلغ (قصور) نور اسلام (شرقپور) ماہ طیبہ (کوٹلی لوہاراں) میں چھپتے رہے۔ شرقپور کے مشہور مقدمہ "یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" میں خصوصی دلچسپی لیتے رہے اور عربی میں ایک کتاب "ضرب القادر علیٰ راس من ینکر القول یا شیخ عبدالقادر" عدالت میں پیش کر کے اہلسنت والجماعت کے موقف کو موثق کر دیا اور یوں عدالت عالیہ کا فیصلہ اہلسنت والجماعت کے حق میں منتج ہوا۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ حق مغفرت کرے، آمین

حکیم صاحب کو مفتی صاحب کے حالات فراہم کر دیئے گئے تھے مگر کتاب "مصنفین لاہور" آج تک منصہ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئی۔

7- یہ مسودہ غالباً پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کا "فاضل بریلوی اور ترک موالات" کا تھا جسے مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کیا۔

8- ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری (متوفی 25 نومبر 1983ء) آپ کتاب دوست، مصنف، محقق، مورخ اور تذکرہ نویس تھے۔ اردو کالج کراچی کے شعبہ اردو کے صدر رہے۔ دس کتابوں کے مصنف اور سات فارسی کتابوں کے مترجم ہیں۔ بعض کتابوں پر مفید حواشی تحریر فرمائے۔ راقم سے بھی یاد اللہ تھی۔ اپنی کتاب مجموعہ وصایا اربعہ کا مسودہ راقم کو عنایت فرمایا جسے شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ نے 1962ء میں شائع کیا تھا۔

9- یہ حکیم صاحب کی تصنیف "مولانا غلام محمد ترنم امرتسری" (متوفی 14 جولائی 1959ء) کا ذکر ہے جسے انجمن تبلیغ الاحناف لاہور نے جولائی 1971ء میں شائع کیا اس کے سرورق کی کتابت حافظ محمد یوسف سدیدی (متوفی 13 ستمبر 1986ء) نے کی۔

10- یہ قطعہ تاریخ طباعت حضرت سید شریف احمد شرافت نوشاہی (متوفی 4 جولائی 1983ء) سجادہ نشین ساہن پال شریف (گجرات) کا نتیجہ فکر ہے جو سات اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے مقطع "تذکار اہل دل" سے سال طباعت 1391ھ متخرج ہوتا ہے۔

11- شریف صاحب سے مراد کتاب مذکور کے کاتب محمد شریف کڑیالوی ہیں جو راقم کے خواہر زادہ ہیں۔ آج کل رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور کے زیر اہتمام شائع ہونے والے "فتاویٰ رضویہ" از امام احمد رضا خان بریلوی کی تدوین نو کی کتابت کر رہے ہیں۔ کتابت کے ساتھ ساتھ اپنے گاؤں موضع کڑیال کلاں (ضلع گوجرانوالہ) میں امامت اور خطابت کے فرائض بھی بہ احسن طریق نبھا رہے ہیں۔ ماشاء اللہ ذہن رسا پایا ہے اور اپنے علاقہ میں مسلک بریلوی کی حقیت کی دھاک بٹھا رکھی ہے کسی مخالف مسلک والے کی کیا مجال کہ ان سے ٹکر لے سکے۔ یوں سمجھئے کہ وہ اپنے علاقہ میں مشہور مناظر مولوی محمد عمر اچھروی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

12- اب حافظہ یاوری نہیں کرتا کہ میں مضمون کی نشاندہی کر سکوں۔

13- جامع نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور میں مورخہ 13 جون 1971ء کو منائے جانے والے یوم رضا کا اشتہار تھا جسے حسب ہدایت اپنی مسجد واقع جھگیاں شاہدین بند روڈ لاہور میں چسپاں کر دیا گیا۔

14/15- دستور پاکستان اور الجہاد دونوں مولانا غلام محمد ترنم مرحوم کی تصانیف ہیں۔

16- مشہور برطانوی مورخ تھامس کارلائل کی انگلش کتاب "ہیروز ہیرو ورشپ" مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس (1950ء) کا اردو ترجمہ جناب محمد سکندر مدیر ماہنامہ "ٹمپرنس" لاہور نے بطل حریت کے نام سے کیا جسے ادارہ سیرت پاک بیڈن روڈ لاہور نے 1378ھ میں شائع کیا۔ اس کتاب پر فاضلانہ مقدمہ اور حواشی مولانا ترنم مرحوم کے قلم سے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ہرزہ سرائیوں کے مسکت جواب دیئے ہیں۔

17- مولانا محمد بخش مسلم (متوفی 17 فروری 1987ء)- عالم دین، محقق اسلامیات، تحریک پاکستان کے رہنما، بانی و خطیب مسلم مسجد بیرون لوہاری گیٹ لاہور، قادر الکلامی اور خوش بیانی میں برصغیر میں مشہور تھے۔ تقریر میں انگریزی حوالوں کی پیوند کاری لطف دے جاتی۔ ہفت روزہ بصیرت لاہور کے مدیر رہے۔ بعض تصانیف کے نام یہ ہیں۔ اسلام اور مساوات، آدمی کی انسانیت، تعلیم اسلام، روزہ اور اس کا فلسفہ، غزوہ بدر، مقروض قوم وغیرہ۔ مولانا مسلم مرحوم کی مذکورہ نظم چھ فارسی اشعار پر مشتمل ہے جس کا مقطع ہے۔

خدایا رسید است در بارگاہت
طلب گار رحمت مسافر ترنم

18- وحید احمد: حکیم محمد موسیٰ صاحب کی ہمشیرہ حلیمہ بی بی کے بیٹے ہیں۔ ان دنوں حکیم صاحب کے ساتھ ہی مطب پر ان کا ہاتھ بٹاتے تھے اور ان کے ہرکارے کے طور پر بھی کام کرتے تھے۔ میرے دفتر میں بھی حکیم صاحب کا نامہ و پیام پہنچاتے اور موعود وقت پر لے جاتے۔ اب اپنا الگ مطب چلا رہے ہیں۔

19- یہ مضمون بھی غالباً" اسی تسلسل میں ہے جس کا ذکر خط نمبر 6 میں گزر چکا ہے۔

20- حضرت حکیم صاحب کی والدہ ماجدہ غلام فاطمہ کا انتقال 25 مئی 1972ء کو ہوا۔ ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور کا جولائی/اگست 1972ء کا مشترک شمارہ مرحومہ کی یاد کے لئے مختص کیا گیا۔ حسن اتفاق کی بات ہے کہ دو بزرگوں علامہ عرشی امرتسری (متوفی 4 جون 1985ء) اور مدیر رسالہ "مہر و ماہ" جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا مدظلہ نے ایک ہی مادہ تاریخ وفات "عارفہ طیبہ مستور شد" سے 1392ھ استخراج کیا۔

21- مجھے بواسیر کا عارضہ لاحق تھا بلکہ اب بھی ہے۔ اس سلسلے میں بعض استفسارات پر مرحوم نے یہ ہدایات فرمائیں۔

22- "نقوش جمیل" میرے والد ماجد الحاج میاں محمد حسین قادری نقشبندی مجددی کے حالات پر مشتمل کتابچہ ہے جسے راقم نے تحریر کیا اور والد مرحوم کی تقریب چہلم منعقدہ 7 فروری 1959ء پر شائع کیا گیا۔

23- شریف احمد شرافت علوی قادری نوشاہی (متوفی 4 جولائی 1983ء) عالم، محقق، مورخ، تذکرہ نویس، ادیب، شاعر، تاریخ گو، خطاط، مولف، مترجم، ماہر انساب، صوفی صافی، سجادہ نشین ساہن پال شریف (گجرات)۔ تصانیف کی تعداد 200 سے زائد۔ سب سے اہم کارنامہ شریف التواریخ (نوشاہیت کا دائرۃ المعارف) ہے جو 15 جلدوں میں سات ہزار صفحات پر محیط ہے۔ وہ اتنے زود گو اور برجستہ گو تھے کہ جب ان کی کتاب شریف التواریخ کی جلد اول چھپ کر آئی آپ حکیم صاحب کے مطب پر تشریف لائے ہوئے تھے اور راقم کو ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ میں نے کہا کہ حضرت پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے اپنی رہائش پر جو پتھر نصب کر رکھا تھا اس پر ان کا یہ شعر کندہ تھا۔

بر مزار سید احمد نوشتہ
گشت نامی مورد فضل الٰہ

لہٰذا آپ بھی اسی زمین میں شعر لکھ کر کتاب عنایت فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے قلم پکڑا اور فی البدیہہ یہ اشعار سرورق پر تحریر کر دیئے۔ چونکہ یہ اشعار ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں اس لحاظ سے انہیں محفوظ کرنے کے لئے یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

بر مقام حضرت موسیٰ حکیم
افتخار ملت دین قویم
داده شد این نسخہ والا خطاب
عالم مختار حق را مستطاب
صاحب علم و ہنر اہل ہدیٰ
واقف اسرار دین مصطفیٰ
صد مبارک ہم دعا ہائے کثیر
از شرافت خادم نوشاہ پیر

شرافت نوشاہی
یکم ذوالحجہ 1399ھ

24- مولوی نور الدین (متوفی 1937ء) اونچی مسجد بازار پاپڑ منڈی اندرون شاہ عالمی دروازہ لاہور میرے والد مرحوم کے خطاطی میں استاذ محترم تھے۔ آپ رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے باشندہ تھے مگر صغر سنی ہی میں لاہور میں آ بسے اور یہیں فن کتابت کو بسر اوقات اور اکل حلال کا ذریعہ بنایا۔ 80 برس کی عمر میں راہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ مولوی نور الدین نے پنجابی نظم میں "نماز نوری" بھی تصنیف کی جو 1340ھ میں طبع ہوئی۔ اللّٰھم اغفرلہ'

25- مولانا غلام قادر شائق رسول نگری (متوفی 1300ھ) آپ اعلم العلماء افضل الفضلاء صاحب علم و حلم و تقویٰ و ورع تھے۔ آباء و اجداد سے منصب قضا و افتا میں ممتاز چلے آتے تھے۔ آپ سے متعدد مضامین یادگار ہیں۔ تاریخ گوئی میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ وفات سے ایک روز پہلے اپنی تاریخ وفات کہی

"یا اللہ کرمنا بفضل"
1300ھ

آپ کے تفصیلی حالات شریف التواریخ جلد سوم (حصہ ہفتم) مطبوعہ ادارہ معارف نوشاہیہ ساہن پال شریف گجرات (1984ء) میں شامل ہیں۔

26- مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور و مہتمم مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور۔ آپ اہلسنت والجماعت کا مایہ ناز سرمایہ ہیں۔ عربی و فارسی پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف و مترجم ہیں۔ متنوع علمی موضوعات پر سیکڑوں مقالات چھپ چکے ہیں۔ آپ کے حالات و خدمات پر دو کتابیں حال ہی میں چھپ چکی ہیں۔ (1) محسن اہل سنت (2) تذکار شرف ہر دو مصنفہ محمد عبدالستار طاہر۔ مصنف نے مردہ پرست قوم کے لئے ایک اچھی روایت قائم کی ہے جس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

27- کشف المحجوب۔ حضرت ابوالحسن سید علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری کی تصوف کی لازوال اور شہرہ آفاق کتاب ہے جس کے اب میرے کتب خانہ میں مندرجہ ذیل ایڈیشن موجود ہیں۔

نسخہ ہائے کشف المحجوب

☆ فارسی:

(1) سمرقند 1330ھ

(2) پروفسور ژوکوفسکی۔ لینن گراڈ کے نسخہ مطبوعہ 1926ء کاری پرنٹ - ایران 1979ء

(3) تہران - بہ تصحیح و تحشیہ علی قویم۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد 1978ء

(4) شیخ جان محمد اللہ بخش گنائی - تاجران کتب علوم مشرقی گنپت روڈ انارکلی لاہور 1931ء (بہ تصحیح حکیم مولوی محمد حسین فاضل دیوبند)

(5) نسخہ بہاء الدین زکریا ملتانی۔ احمد ربانی ایم اے (ناشر) پاکستان ریلوے سروس لاہور 1968ء

(6) قلمی نسخے کا عکسی ایڈیشن۔ الحاج میاں خوشی محمد سجادہ نشین داتا دربار لاہور - 1982ء

(7) بہ کوشش دکتر محمد حسین تسبیحی رہا۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد 1995ء

☆ اردو:

(1) مولوی محمد حسین مناظر گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ - ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب و پبلشرز - اشاعت منزل بل روڈ لاہور (غیر مورخہ)

(2) کشف المحجوب مع کشف الاسرار۔ مولانا شمس الہند ایزدی صوفی معنوی۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

1346ھ

(3) حکیم اللہ رکھا قریشی - شیخ غلام حسین اینڈ سنز - تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

(4) ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور 1968ء

(5) سید محمد فاروق القادری ایم اے، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور 1989ء

(6) علامہ فضل الدین گوہر۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور 1989ء

(7) ابوالحسنات سید محمد احمد قادری۔ المعارف گنج بخش روڈ لاہور 1393ھ (تین ایڈیشن)

(8) مولوی فیروز دین لاہوری - کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور (غیر مورخہ)

(9) الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی - مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی 1976ء

(10) عبدالرحمٰن طارق۔ نعمانی کتب خانہ حق اسٹریٹ اردو بازار لاہور 1979ء

(11) محمد الطاف نیروی۔ محمد الطاف نیروی موذن داتا گنج بخش لاہور 1992ء

(12) میاں طفیل محمد (محرف ترجمہ) اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور 1980ء

(13) الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری۔ الفیصل غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور 1995ء

(14) علامہ ظہیر احمد ظہیری بدایونی۔ کتب خانہ شان اسلام۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور (غیر مورخہ)

(15) مولانا عبدالرؤف فاروقی۔ اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ اردو بازار لاہور (غیر مورخہ)

(16) پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی ایم اے۔ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور 1968ء

☆ سندھی: عطا محمد حامی۔ سندھی ادبی بورڈ - جامشورو حیدر آباد سندھ 1988ء

☆ پنجابی: محمد شریف صابر - قاضی پبلی کیشنز۔ ذوالقرنین چیمبرز گنپت روڈ لاہور 1996ء

☆ انگریزی: رینالڈ نکلسن - اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور 1976ء

28- 25 مارچ 1973ء کو نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور میں منعقد ہونے والے یوم رضا کے دعوت ناموں اور پوسٹروں کا ذکر ہے۔

29- حاجی صاحب سے مراد برادرم الحاج محمد اعظم منور رقم تلمیذ موجد طرز جدید منشی عبدالمجید پرویں رقم (متوفی 4 اپریل 1946ء) ہیں۔ حاجی صاحب صحیح معنوں میں پرویں رقم کے جانشین اور خط پرویں کے امین تھے۔ پرویں رقم کے تلامذہ میں سے غالباً" یہ آخری تلمیذ تھے جو 12 جنوری 1997ء کو بعمر 78 سال راہگرائے عالم بالا ہوئے۔ آپ حکیم صاحب کے نیاز مندوں میں تھے۔ مرکزی مجلس رضا کی کتابت کا کام اعزازی طور پر کرتے تھے۔ فن خطاطی پر ان سے یہ کتابیں یادگار ہیں۔ تدریس خطاطی، نگارستان، رہنمائے خوش خطی (تین حصے) مرحوم کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ میں اسم پاک محمد (ﷺ) کو بخط نستعلیق سو مرتبہ مختلف انداز میں کتابت کیا۔ ادیب شہیر مولانا غلام رسول مہر (متوفی 16 نومبر 1971ء) نے منور رقم کے خطاب سے نوازا۔

30- یہ خط ان دنوں لکھا گیا جب میں سرکاری کام کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا تھا اور وطن عزیز شدید بارشوں اور سیلاب کی لپیٹ میں تھا۔ یہ خط بھی اس حادثہ کا شکار ہو گیا اور اس کی سیدھی طرف کا پورا حصہ اس طرح آب خوردہ ہوا کہ قابل اخذ و مطالعہ نہ رہا۔ یہ میرے مرض بواسیر کے سلسلے میں لکھا گیا تھا۔ البتہ جو حصہ محفوظ رہا اس سے بھی مطلب برآری ہو ہی جاتی ہے۔

31- مکتوب ہذا حج پر جانے کے سلسلے میں لکھا گیا۔

32- الحاج پیر زادہ سید محمد حسن شاہ نوری قادری سجادہ نشین چک سادہ شریف۔ نوری کتب خانہ متصل جامع نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور کے مہتمم، مرکزی مجلس رضا کے فعال کارکن، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کی کتابوں اور رسالوں کے ناشر۔ انہیں بانی مرکزی مجلس رضا لاہور حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہے۔

33- برخوردار محبوب عالم راقم الحروف کے علمی و ادبی کاموں میں ممد و معاون۔ دعا ہے کہ خدائے رحیم و کریم بجاہ نبی رؤف رحیم برخوردار

کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور اسے صحت و عافیت کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے، آمین!

34- یہاں حاجی صاحب سے مراد الحاج محمد ارشد قریشی القادری ہیں جو مکتبہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور کے مہتمم ہیں جن دنوں کشف المحجوب کی کتاب خوانی کا ذکر ہے میں سرکاری کام کے سلسلے میں لاہور سے باہر تھا۔ اس لئے تصحیح کی استدعا حکیم صاحب سے کی گئی تھی۔ ان کے اظہار معذوری کے باعث یہ کام دوران سفر میں نے ہی انجام دیا۔ اس ترجمہ پر حکیم صاحب نے وہ شہرہ آفاق پیش لفظ تحریر کیا جس سے حکیم صاحب کی علمی فضیلت کو مزید چار چاند لگ گئے۔ اس پیش لفظ کی صدائے بازگشت ایران تک جا پہنچی۔ لہٰذا اس پیش لفظ کی ثقاہت اور افادیت کے پیش نظر اس کو جناب ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے باشتراک چاند بی بی صاحبہ فارسی میں منتقل کرکے مجلہ "معارف" طہران (ایران) کے شمارہ برائے نومبر 1998ء میں شائع کر دیا۔ یاد رہے کہ کشف المحجوب کا یہ اردو ترجمہ نسخہ سمرقندی سے کیا گیا جس کا متن مستند ترین گردانا جاتا ہے۔ اس کے مترجم مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (متوفی 20 جنوری 1961ء) خطیب مسجد وزیر خان و غازی کشمیر ہیں۔

35- ملک شیر محمد اعوان (م 86-2-23) کالا باغ کے رئیس، معروف قلمکار، کتاب دوست، وسیع المطالعہ، متعدد کتابوں کے مصنف جن میں "مقام مصطفیٰ" اردو زبان میں محققانہ، عارفانہ اور عالمانہ تصنیف ہے۔ اسی طرح بارگاہ مصطفیٰ میں ایک دوسری کتاب "عظمت مصطفیٰ" بطور نذرانہ عقیدت پیش کی ہے۔ متعدد گراں علمی مقالے عوام سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مرکزی مجلس رضا نے "محاسن کنز الایمان" کے علاوہ ان کی مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری بھی شائع کی۔

36- محاسن کنز الایمان کا مسودہ تو اس وقت پیش نظر نہیں اور نہ اب یہ مستحضر ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن کے متعلق حکیم صاحب کو کیا اختلاف تھا اور میں نے تعمیل ارشاد میں کیا لکھا البتہ مطبوعہ محاسن کنز الایمان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ غالباً "وما اھل بہ لغیر اللہ (بقرہ/173) سے متعلق تھا۔

37- صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ (زیب سجادہ درگاہ عالیہ میاں شیر محمد شرقپوری) کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "نور اسلام" کے امام اعظم نمبر پر مضمون لکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ "نور اسلام" کا ستمبر و اکتوبر 1975ء کا مشترک شمارہ بطور امام اعظم نمبر چھاپا گیا یہ خصوصی نمبر حکیم صاحب کی ترغیب و تشویق پر وجود پذیر ہوا۔ میاں صاحب نے 28 نومبر 1999ء کو دارالمبلغین شرقپور شریف میں حکیم صاحب کی یاد میں ایک تعزیتی تقریب کا انعقاد کیا جس میں ان کے علاوہ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی، ماسٹر محمد انور قمر، مولانا محمد منشا تابش اور راقم الحروف نے حکیم صاحب کی دینی و ملی خدمات پر روشنی ڈالی اور ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر "مہر و ماہ" لاہور نے منظوم ہدیہ عقیدت پیش کیا۔

38- اقبال سے مراد پروفیسر محمد اقبال مجددی ہیں۔ آپ محقق، مصنف اور مترجم ہیں۔ برصغیر کی سیاسی، معاشرتی اور علمی تاریخ کے علاوہ علماء و صوفیہ کی تحریکوں سے دلچسپی، خانوادہ مجددیت پر درجہ تخصص حاصل ہے۔ برصغیر اور ایران کے مقتدر رسائل میں سات سو سے زائد مقالات چھپ چکے ہیں۔ مقامات معصوی ان کی برسوں کی تحقیق کا نتیجہ ہے جو متوسط درجے کے تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن ابھی منتظر اشاعت ہے۔ کل امر مرہون باقاتہا

39- "علالت باعث ضربات" ایکسیڈنٹ کا ترجمہ ہے جو حکیم صاحب کے تخلیقی ذہن کی پیداوار ہے۔ ان دنوں دفتر جاتے وقت رکشہ ڈرائیور نے چوک چوبرجی میں میرے سائیکل کو ٹکر مار کر گرا دیا تھا جس سے شدید ضربات پہنچی تھیں۔

40- راقم کے عریضہ پر ہی حکیم صاحب نے شق وار جواب تحریر کر دیا اس لئے ان کے جوابات کو سمجھنے کے لئے اپنا عریضہ بھی نقل کرنا پڑا۔

41- دکتر محمد حسین تسبیحی رہا۔ مشہور ایرانی سکالر محترم حکیم صاحب کے نیاز مندوں میں سے ہیں۔ انہوں نے حضرت داتا گنج بخش کے کتاب کشف المحجوب کا انتقادی متن مرتب کیا جو مرکز تحقیقات فارسی ایرن و پاکستان اسلام آباد سے 1995ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ صحت متن اور طباعت کے لحاظ سے قابل دید، ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ "تحلیل کشف المحجوب و تحقیق در احوال و آثار حضرت داتا گنج بخش" بھی فارسی میں دانش گاہ پنجاب لاہور سے 1999ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ ان کی بعض دیگر تصانیف سعدی نامہ، مراسم عروسی ایرانی، نامہ نوروزی، خلاصۃ الاسرار و تحفۃ القادری از خواجہ سناء اللہ پیر خرابات کی تدوین، نقش ہائے رنگ رنگ، سرودہ حکیم محمد حسین عرشی کی ترتیب۔ حکیم صاحبؒ سے فارسی میں خط و کتابت تھی۔ اب یہ مکاتیب حکیم صاحب کی کرم فرمائی سے راقم کی تحویل میں ہیں۔ تسبیحی صاحب نے حکیم صاحب کی فارسی میں منقبت بھی لکھی جو

ہدیہ قارئین ہے۔

امرتسری نامہ

در وصف حکیم عارف و سخن ور بزرگ جناب مولانا حکیم محمد موسیٰ
امرتسری مدظلہ العالی

سرورہ دکتر محمد حسین تسبیحی رہا

طب و عمل را جان و تن امرتسری
گوہر فشان انجمن امرتسری

پیوستہ اودارد بہ دل لطف و صفا
آن شاہد نیکو سخن امرتسری

سر و شکوفان ادب در ملک عشق
موسیٰ شدہ پیوند تن امرتسری

باشد حکیم عارفان در شہر خود
نو بادہ فکر کہن امرتسری

گل ہای اشگفتہ بود در پیش او
گشتہ نوا خوان چمن امرتسری

مہمان نواز و با وفا در زندگی
عشق خدا اندر بدن امرتسری

از مصطفیٰ دارد محمدؐ نام خود
موسیٰ شدہ شیخ قرن امرتسری

باشد طبیب مستمند و درد مند
یار و محب مرد و زن امرتسری

کارش بود خدمت برای مسلمان
مرد بزرگ و طب و فن امرتسری

عشق خدا دارد بہ دل وقت دعاء
قلبش محبت را وطن امرتسری

علم الیقین حق الیقین روح الیقین
بستہ بہ این ہرسہ رسن امرتسری

خوشبو کند جان و تن زندہ دلان
گویی بود مشک ختن امرتسری

فارسی بود حرف دلش درہر زمان
شیریں زبان و خوش دہن امرتسری

دولت بود اورا فقط حرف وفا
شد یوسف چاہ ذقن امرتسری

من خوشہ چین خرمنش بودم بسی
چون یاسمین و یاسمن امرتسری

باشد مطبش مرکز علم و عمل
داروی او سلوی و من امرتسری

انفاس او ہمچون مسیحا خوش بود
دانای ہرچین و شکن امرتسری

تحقیق او در راہ عرفان و ادب
یارش خدای ذوالمنن امرتسری

کشف حجاب معرفت را راز دان
چون شمع روشن در گگن امرتسری

باشد رہا پیوستہ حکم حکیم
درکار خود نیک و حسن امرتسری

42- فقر نامہ مشہور و معروف بہ کشف الاسرار منسوب بہ مخدوم گنج بخش لاہوری کی فوٹو اسٹیٹ بنوا کر حکیم صاحب کو مہیا کر دی گئی۔ کتاب مذکورہ مطبع محمدی لاہور سے شائع ہوئی۔ سنہ اشاعت ندارد

43- دیکھئے حاشیہ نمبر 8

44- وحید احمد مسعود (متوفی 11 جنوری 1977ء) صاحب طرز ادیب تھے۔ تاریخ و تحقیق کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اردو' فارسی و انگریزی زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ ادبی رسالہ "نقیب" 1919ء میں بدایوں سے جاری کیا۔ آپ بابا فرید گنج شکر کی اولاد امجاد سے تھے۔ تاریخ تصوف سے شغف رکھنے کی بنا پر انہوں نے بزرگان دین پر مختلف کتابیں لکھیں۔ "سید احمد شہید کی صحیح تصویر" ان کی لاجواب تصنیف ہے۔ ان کے تفصیلی حالات جناب پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم نے قلمبند کیے جو انجمن ترقی اردو کراچی کے سہ ماہی رسالہ "اردو" شمارہ 3' 1983ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔ اس مضمون کی فوٹو اسٹیٹ حکیم صاحب کو مطلوب تھی جو مہیا کر دی گئی۔

45- عہد ساز رسالہ "نقوش" کا سیرۃ النبی نمبر 13 ضخیم جلدوں (کم و بیش دس ہزار صفحات) پر مشتمل ہے جو دسمبر 1982ء سے جنوری 1985ء کے دوران شائع ہوا اس کے مدیر محمد طفیل (متوفی 5 جولائی 1986ء) تھے جنہیں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے "محمد نقوش" کے

نام سے نوازا۔ آپ آٹھ کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو سوانحی خاکوں پر مشتمل ہیں۔

46- درست نام "کیا قافلہ جاتا ہے" ہے مطبوعہ مکتبہ تہذیب و فن کراچی 1984ء جو مطالعہ کے لئے دے دیا گیا۔

47- محمد دین کلیم (متوفی 24 اکتوبر 1989ء) مورخ لاہور کے نام سے جانے جاتے تھے اور یہ نام غالباً حکیم صاحب کا ہی تجویز کردہ ہے۔ انہوں نے بزرگان لاہور پر دو درجن سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں مدینۃ الاولیاء خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں لاہور میں مدفون 636 اولیاء کرام کے حالات مرقوم ہیں۔ یہ کتاب 1396ھ میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور سے شائع کی۔ ملک کے مقتدر رسائل میں ان کے بے شمار مقالات اشاعت پذیر ہوئے۔

48- "مغربی پاکستان" روزنامہ اخبار تھا جس کا دفتر لکشمی چوک میکلوڈ روڈ لاہور پر واقع ہے۔ برادرم محمد معصوم قادری (متوفی 4 جون 1987ء) اس اخبار میں ہیڈ کاتب کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اس حوالے سے حکیم صاحب نے خبر کی اشاعت کے لئے فرمایا۔

49- سہ ماہی "سہروردؔ" سہروردیہ فاؤنڈیشن میکلوڈ روڈ لاہور کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوتا ہے۔ حکیم صاحب کا ارشاد سر آنکھوں پر۔ راقم مارچ 1991ء سے اعزازی طور پر رسالہ ہذا کے بطور نائب مدیر فرائض بھی انجام دے رہا ہے۔

50- حکیم صاحب نے اپنا قیمتی کتب خانہ جس کی کتابوں و رسائل کی تعداد اب گیارہ ہزار سے بھی متجاوز ہو چکی ہے، پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی تحویل میں دے دیا تھا۔ یہ چٹھی پنجاب یونیورسٹی لائبریری نے اسی سلسلہ میں ارسال کی تھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ چٹھی یہاں بھی محفوظ کر دی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنجاب یونیورسٹی لائبریری

قائداعظم کیمپس لاہور - 54590 فون : 868853

حوالہ نمبر D/41/L

تاریخ: 90 - 1 - 16

محترم حکیم صاحب!

السلام علیکم

24 دسمبر 1989ء کو آپ کا قابل قدر ذخیرہ کتب ہماری لائبریری میں منتقل ہو گیا۔ آپ کی جانب سے بعد میں بھی کتابیں وصول ہوتی رہیں۔ اس طرح اس وقت تک کتابوں کی کل تعداد 5,375 (بشمول جلدیں و نسخے) ہو گئی ہے۔ ہم اس گراں قدر عطیہ کے لئے آپ کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ یونیورسٹی کے طلبہ، اساتذہ اور محققین یقیناً اس ذخیرے سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ یہ ایک ایسا صدقہ جاریہ ہے جو ہمیشہ آپ کے لئے باعث ثواب ثابت ہوگا۔ ہم دعاگو ہیں کہ خداوند عالم اس کار خیر کے لئے آپ کو اجر عظیم عطا کرے۔

آپ کی خواہش کے مطابق اس ذخیرے کی مرتبہ فہرست کی دو کاپیاں آپ کے ریکارڈ اور استعمال کے لئے ارسال کر دی جائیں گی۔

اللہ کرے آپ کے مزاج بخیر ہوں۔ والسلام مع الاکرام

مخلص

نصیر احمد (چیف لائبریرین)

بخدمت:

جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب

55 ریلوے روڈ لاہور -7

51- عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری مظہری مجددی (متوفی 14 نومبر 1993ء) ممتاز عالم دین، رئیس التحریر، محقق، ادیب، مصنف، مترجم کتب احادیث کثیرہ۔ کم و بیش ایک سو کتابوں کے مصنف۔ مرنجان مرنج انسان تھے۔ عسرت میں زندگی بسر کی مگر غیرت نے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارا نہ کیا۔

52- تذکرہ قطبیہ (فارسی) حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی لاہوری (متوفی 910ھ) داماد سلطان بہلول لودھی کے ذکر خیر پر مشتمل ہے جسے حضرت جمال الدین ابوبکر اکبر آبادی نے شیر شاہ سوری کے عہد حکومت (1540ء تا 1545ء) میں تصنیف کیا اور پیر غلام دستگیر نامی متولی خانقاہ نے 1952ء میں شائع کیا۔ قبلہ حکیم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب یہ تذکرہ چھپ گیا تو نامی صاحب اس کے آٹھ دس نسخے اٹھا لائے اور احباب میں تقسیم کر دیئے۔ چند روز کے بعد جب بقیہ سٹاک اٹھانے کے لئے عالمگیر پریس پہنچے تو معلوم ہوا کہ بقیہ نسخے کسی سبب ضائع ہو چکے تھے۔ اس حوالہ سے یہ نہایت کمیاب تذکرہ تھا جس کا عکس جناب حکیم صاحب کی ترغیب سے مدیر مجلہ "سہروردؔ" جناب سید اویس علی سہروردی صاحب نے اپنے رسالہ کی اشاعت نمبر 11 برائے جنوری 1996ء میں شائع کر کے اس کی کمیابی دور کر دی۔ راقم کو طبع اول کے دو نسخوں کا علم ہو سکا۔ ایک پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب کے ذخیرہ میں اور دوسرا راقم الحروف کے کتب خانہ میں۔ یہ بات قابل

ذکر ہے کہ پہلا ایڈیشن با تصویر ہے جبکہ دوسرے میں یہ تصاویر شامل نہیں کی گئیں۔

53- "سوانح حیات میاں شیر محمد صاحب" ابوالفضل پیر غلام دستگیر نامی کی تصنیف ہے جسے مدنی کتب خانہ چوک گنپت روڈ لاہور نے شائع کیا۔ سنہ اشاعت مذکور نہیں۔ مصنف نے اعتراف کیا ہے کہ کتاب کے لئے مواد کی فراہمی میں مخلص دوست حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری نے معاونت کی۔ حکیم صاحب کے میاں شیر محمد ﷫ کی وفات پر کہے ہوئے دو تاریخی مادے بھی کتاب کے آخر میں درج ہیں۔

54- یہ ایک مطبوعہ چٹھی ہے جو انہوں نے بطور مدیر "مہر و ماہ" لاہور رسالہ کی خصوصی اشاعت "تذکار فدا" کے سلسلے میں ارسال کی جس میں اہل علم کو دعوت مقالہ نویسی دی گئی ہے۔ یہ خوبصورت نمبر اگست 1999ء میں اشاعت پذیر ہوا جس میں ملک بھر سے اہل علم اور فدا صاحب کے نیاز مندوں اور تلامذہ نے حصہ لیا۔ راقم کا مضمون بھی "شاعری کی کہکشاں" شامل اشاعت ہے۔ یہ بات میرے لئے باعث فخر ہے کہ اس خصوصی اشاعت کا پہلا پرچہ محترم جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا نے راقم الحروف کو عنایت فرمایا۔

55- نامی پیر غلام دستگیر (متوفی 16 دسمبر 1961ء) پیر، مصنف، مورخ، سجادہ نشین درگاہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی قریشی سہروردی لاہوری، اردو انگریزی فارسی میں مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ فن تاریخ گوئی میں بدیع المثال تھے۔ 152 کتابوں کے مصنف، 13 خاندانی کتابوں کے مرتب و ناشر، سات کتابوں کے مترجم، سب سے گراں مایہ کارنامہ، تاریخ جلیلہ (حضرت شاہ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی کے خاندان کا تذکرہ) ہے۔ اکثر کتابیں ان کے قائم کردہ ادارہ "دائرے الاصلاح" کی جانب سے شائع ہوئیں۔ وہ مسائل وراثت میں درجہ اختصاص پر فائز تھے۔

56- ریاض ہمایوں سعیدی قبلہ حکیم صاحب کے معتمد خاص اور مریضوں کو دوائی دینے اور ان کے علمی کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ مطب جمعہ کے دن بند رہتا۔ حکیم صاحب کا معمول تھا کہ وہ اس روز درگاہ عالیہ حضرت میاں میر صاحب تشریف لے جاتے۔ نماز جمعہ وہیں ادا کرتے اور اپنے والدین اور دیگر اعزہ کی قبور پر حاضری دیتے۔ اپنے احاطہ قبور "مقابر چشتیاں" میں خود رو بوٹیوں اور درختوں کی فالتو شاخوں کی کاٹ چھانٹ اور صفائی کرتے اور متعلقہ ضروری سامان (کھرپا درانتی وغیرہ) یہیں ایک ڈربے میں مقفل رکھتے تھے۔ حکیم صاحب کی رحلت کے بعد یہ معمول اب ہمایوں صاحب نے اپنا لیا ہے جو کہ ان کی بہت بڑی قربانی ہے۔ ایثار کی ایسی مثالیں اس دور میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بے لوث خدمت پر اجر جزیل عطا فرمائے، آمین

57- حکیم غلام مرتضیٰ مرحوم کا تعارف اسی شمارہ میں میرے دوسرے مضمون میں ملاحظہ کریں۔

58- پیر سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی المعروف حضرت "مولوی جی" مدظلہ سجادہ نشین یکہ توت پشاور۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (2 جلد) تذکرہ حفاظ پشاور، تذکرہ مشائخ قادریہ حسینیہ، نماز مقبول، صلاۃ غوثیہ اوراد غوثیہ، تفضیل تقبیل ابہامین، ترجمہ شرح غوثیہ (سید شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری کی صحیح بخاری کی فارسی شرح کا اردو ترجمہ) انوار علی (امام نسائی کی خصائص الامام امیر المومنین علی بن ابیطالب کا فارسی سے اردو میں ترجمہ و شرح) انوار غوثیہ (شرح الشمائل النبویہ از امام ترمذی) آپ ماہنامہ "الحسن" کے مدیر بھی ہیں اس کا 16 جون تا 31 اگست کا شمارہ بطور غوث اعظم نمبر چھپ چکا ہے۔

59- یہ سفارشی رقعہ الحاج محمد امین بھٹی ناشران سٹار بکڈپو اردو بازار لاہور کے نام ہے جنہوں نے پیر غلام دستگیر نامی کی تعلیم الاخلاق 1961ء میں شائع کی۔ (نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر 2)

♣ ♣ ♣

نیر احمد انیس

حکیم صاحب سے آخری ملاقات

عارف نوشاہی (اسلام آباد)

19 نومبر 1999ء کو دن گیارہ بجے کے قریب انجم حمید نے خلاف معمول دوسری دفعہ فون کیا اور میرے ریسیور اٹھاتے ہی پوچھا "آپ نے اخبار میں خبر پڑھی؟"

"کون سی خبر؟" میں نے پوچھا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے۔" اس نے خبر سنائی۔

"حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے؟" میں نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔

"یہ خبر آج کے جنگ (راولپنڈی) میں چھپی ہے۔" اس نے پورا حوالہ دے دیا۔

"مگر میں تو ابھی کوئی دس دن پہلے لاہور میں ان سے مل کر آیا ہوں وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے اور اپنے مطب پر مریضوں کو دیکھ رہے تھے" مجھے اس خبر پر بالکل یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں دس روز پہلے کی ملاقات کو تمام جزئیات کے ساتھ ذہن میں تازہ کرنے لگا جو یہ خبر سننے سے پہلے ممکن ہے معمول کی ایک ملاقات سمجھ کر دماغ کے فراموش خانہ میں چلی جاتی مگر اب اس ملاقات کی اہمیت میرے لئے غیر معمولی ہو گئی ہے۔

میں ایک خاندانی تقریب میں شرکت کے لئے 7 نومبر کو لاہور گیا۔ تقریب 8 نومبر کو ختم ہو گئی۔ مجھے دوستوں سے ملاقات اور کتب خانوں سے چند حوالے جمع کرنے کے لئے مزید چند روز لاہور میں رکنا تھا۔ 7 نومبر کو قاری محمد اسلم نوشاہی صاحب نے مرید کے سے لاہور فون کیا اور برسبیل تذکرہ پوچھا کہ حکیم صاحب سے بھی ملاقات ہو گی؟ میں نے کہا' کیوں نہیں؟ انہوں نے بتایا کہ حکیم صاحب صرف جمعہ کو مطب بند کرتے ہیں اور باقی دنوں میں دوپہر بارہ بجے تک مطب پر بیٹھتے ہیں۔ 9 نومبر کو یوم اقبال کے سلسلہ میں عام تعطیل تھی اور کتب خانے اور دانشگاہ بند تھی۔ میں نے سوچا آج اچھا موقع ہے حکیم صاحب سے مل لیا جائے۔ حکیم صاحب کے مخلص ترین دوستوں میں سے سید شرافت نوشاہی (متوفی 1983ء) کے پوتے سعود الظفر نوشاہی (جن کے ہاں میں لاہور میں مقیم تھا) کئی دفعہ اشتیاق ظاہر کر چکے تھے کہ اسے حکیم صاحب سے ملواؤں۔ میں نے عزیز سعود کو تیار ہونے کے لئے کہا وہ جھٹ پٹ تیار ہو گیا اور ہم گھر سے سڑک پر آ گئے۔ اس نے مجھے رکنے کے لئے اور دوبارہ گھر گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں کیمرہ تھا۔ عزیزی سعود اپنے جد امجد شرافت نوشاہی مرحوم کی تحریروں اور تصنیفات میں حکیم صاحب کے اخلاص کے ساتھ ذکر کی وجہ سے ان کی شخصیت سے بہت متاثر تھا۔ بالخصوص شرافت نوشاہی مرحوم نے اپنے وصیت نامے میں اپنے جن مخلص دوستوں کا ذکر کیا ہے اور اپنی اولاد کو جن سے مشورہ لینے کے لئے کہا ہے ان میں حکیم صاحب کا نام نامی بھی شامل ہے۔(1) ہم لوگ ریلوے اسٹیشن'

برانڈرتھ روڈ سے پیدل ریلوے روڈ پر آئے۔ سعود برابر مجھ سے پوچھ رہا تھا کیا دادا جان بھی اسی راستے سے حکیم صاحب کے پاس آتے تھے؟ ہم صبح دس بجے کے قریب 55 ریلوے روڈ حکیم صاحب کے مطب پر پہنچے۔ حکیم صاحب دروازے کی دائیں اوٹ میں تشریف فرما تھے اور چند مریض مطب میں بیٹھے تھے۔ چونکہ حکیم صاحب کی بینائی کچھ عرصہ پہلے قدرے کمزور ہو گئی تھی اور وہ شکل پہچاننے میں تھوڑی دیر کرتے تھے اس لئے میں نے السلام علیکم کہنے کے ساتھ ہی نام لے کر اپنا تعارف تازہ کروا دیا تاکہ حکیم صاحب کو یادداشت اور بینائی پر زور نہ ڈالنا پڑے اور بتایا کہ میرے ساتھ شرافت صاحب کے پوتے ہیں۔ حکیم صاحب نے خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا "بہت شکریہ کہ آپ پرانے تعلق کو یاد رکھے ہوئے ہیں اور اس بچے کو بھی ساتھ لائے ہیں" مطب میں حکیم صاحب کے معاون ہمایوں صاحب بھی موجود تھے انہوں نے قدرے گلہ مندی سے کہا کہ شرافت صاحب کے صاحبزادے لاہور میں رہتے ہیں لیکن وہ کبھی حکیم صاحب کے پاس نہیں آئے لیکن اس شکایت پر حکیم صاحب نے کوئی توجہ نہ دی۔ مریضوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک مریض اٹھتا تو دوسرا نبض دکھانے حکیم صاحب کے پاس بیٹھ جاتا۔ حکیم صاحب کو عام ملاقاتیوں کے ساتھ بات کرنے کی فرصت نہیں مل رہی تھی۔ جب کوئی مریض اٹھ کر چلا جاتا اور نیا مریض ان کے پاس آکر بیٹھتا تو اس مختصر سے وقفے میں وہ کوئی بات کر لیتے لیکن یکسوئی نہ تھی۔ حکیم صاحب نے چند ہفتے قبل "مہر و ماہ" کا تذکار فدا" نمبر مجھے ارسال فرمایا تھا۔ میں نے اس کی رسید ابھی تک نہیں دی تھی، انہوں نے بذریعہ خط اس کی یاد دہانی کی۔ چونکہ مجھے نومبر میں لاہور جانا تھا اس لئے میں نے مناسب یہی سمجھا کہ خود بالمشافہ ملاقات پر حکیم صاحب کو بتا دوں گا کہ پرچہ مل گیا ہے۔ اب حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے خود ہی اس خصوصی اشاعت کا ذکر چھیڑا اور فرمایا کہ اس کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ کر انہیں دوں یا فدا صاحب کو بھیج دوں۔ میں نے وعدہ کیا۔ پھر ہمایوں صاحب سے کہا کہ خضر نوشاہی کے نام کا پیکٹ تو لائیے۔ ہمایوں صاحب وہ پیکٹ لے آئے۔ اس میں بھی مہر و ماہ کی یہی خصوصی اشاعت تھی جسے حکیم صاحب علمی حلقوں میں محض اپنی علم پروری اور اخلاص عمل کی بنا پر مفت تقسیم کر رہے تھے۔ فرمانے لگے خضر نوشاہی صاحب کو پتہ لکھ دیں۔ میں نے کہا یہ پیکٹ مجھے دے دیں میں ان تک پہنچا دوں گا البتہ آپ کی ڈائری میں ان کا پتہ تحریر کر دیتا ہوں۔ انہوں نے اپنی ڈائری مجھے دی جس میں میں نے خضر صاحب کا پتہ لکھ دیا۔ مریضوں کے ہجوم کی وجہ سے کسی علمی موضوع پر بات کرنے کا بالکل موقع نہیں تھا پھر بھی میں نے بر سبیل اطلاع حکیم صاحب کو بتایا کہ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کا کشف المحجوب پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ شائع ہو گیا ہے۔(2) حکیم صاحب نے یہ بات توجہ سے سنی (اگلے روز پنجاب یونیورسٹی کتب خانے گیا تو حکیم صاحب کے ذخیرے میں تازہ موصول ہونے والی کتب میں یہ کتاب بھی موجود پائی) مطب میں عام ملاقاتیوں میں ایک اور بزرگ بھی تشریف فرما تھے جنہیں حکیم صاحب نے یہ اطلاع دی کہ اصغر علی چشتی (غالباً یہی نام تھا) کا تذکرہ مشائخ جالندھر شائع ہو گیا ہے۔ جن بزرگوں سے وہ مخاطب تھے میں انہیں جانتا تو نہیں لیکن حکیم صاحب اور ان کے درمیان جالندھر کے مشائخ پر جو گفتگو ہوتی رہی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ بزرگ بھی مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ شاید ایک دفعہ ہمایوں صاحب نے انہیں "ساگر" صاحب کہہ کر مخاطب کیا تو مجھے گمان ہوا کہ یہ عطاء اللہ ساگر وارثی ہوں گے۔ تذکرہ مشائخ ہوشیار پور والے ایک اور بزرگ بھی تشریف فرما تھے۔ وہ اسی بنچ پر بیٹھے تھے جو حکیم صاحب کی

حکیم صاحب عارف نوشاہی کے ساتھ

نشست سے دائیں طرف مہمانوں کے لئے مخصوص تھا۔ وہ بھی ہماری طرح مریضوں کے ہجوم کی وجہ سے خاموش ہی بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر جانے لگے تو حکیم صاحب کو دوا کے پیسے دیے (ہمارے مطب پر پہنچنے سے پہلے وہ دوا لے چکے تھے لیکن وہ کوئی باقاعدہ مریض دکھائی نہیں دے رہے تھے) لیکن حکیم صاحب پیسے لینے سے انکار کر رہے تھے اور صرف یہ کہہ رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں میرے لئے دعا کرنا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ وہ بزرگ مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے یا وہاں جا رہے تھے۔ حکیم صاحب مسلسل انکار کر رہے تھے مگر وہ بزرگ ایک طرح سے زبردستی حکیم صاحب کی گود میں پیسے رکھ کر رخصت ہو گئے۔ ہمیں مطب میں بیٹھے ہوئے کوئی ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ اگرچہ حکیم صاحب کو مصروفیت کے باعث ہم سے گفتگو کا موقع کم ہی ملا لیکن انہوں نے ہمیں نظر انداز نہیں کیا۔ ایک دفعہ چائے پلوائی۔ دوسری دفعہ جب ساگر صاحب کیلئے چائے منگوائی تو دوبارہ ہمیں بھی چائے پیش کی گئی۔ اس دوران سعود ظفر مجھ سے پوچھتا رہا کیا مطب کی حالت اور ترتیب وہی ہے جو شرافت صاحب کے زمانہ میں تھی؟ میں نے کہا کہ پہلے حکیم صاحب کی نشست اس جگہ ہوتی تھی جہاں اس وقت ہم بیٹھے ہوئے ہیں اور ملاقاتی اس جگہ بیٹھتے تھے جہاں اس وقت حکیم صاحب کی نشست ہے۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ پہلے اس کمرے میں اور بالائی منزل پر کتابیں ہوا کرتی تھیں وہ اب کچھ سال ہوئے حکیم صاحب نے پنجاب یونیورسٹی کو عطیہ کر دی ہیں۔

سعود چونکہ کیمرہ ساتھ لے کر گیا تھا اس نے مجھے ٹھوکا دیا کہ حکیم صاحب کے ساتھ تصویر اتروائی جائے۔ ہم نے حکیم صاحب سے اس خواہش کا اظہار کیا اور تصویر اتروانے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ پہلے سعود نے حکیم صاحب کے ساتھ میری تصویر بنائی پھر میں نے اس کی تصویر بنائی(3) اور حکیم صاحب سے جانے کے لئے رخصت

لی۔ حکیم صاحب بزرگانہ شفقت فرماتے ہوئے اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ہمارے ساتھ مصافحہ کیا اور ایک بار پھر ہماری آمد کا شکریہ ادا کیا۔ میں اور سعود مطب سے باہر نکلے تو اس نے ریلوے روڈ پر کھڑے ہو کر مطب کے بیرونی منظر کی بھی ایک تصویر اتار لی اور مجھے کہنے لگا کاش میں کوئی سوال نامہ تیار کرلاتا اور حکیم صاحب سے انٹرویو کر لیتے۔ میں نے کہا آئندہ سہی۔ سعود نے کہا ہم لوگ ہر سال 9 نومبر کو اپنے گھر پر شرافت صاحب کی یاد میں ختم قرآن کرتے ہیں اور کچھ احباب کو بھی بلاتے ہیں اب اگلے سال سے گاڑی میں حکیم صاحب کو بھی لے جایا کریں گے میں نے دل ہی دل میں سعود کے اشتیاق اور حکیم صاحب سے عقیدت کی داد دی اور ہنستے ہوئے کہا کہ حکیم صاحب کو گاڑی میں واپس گھر چھوڑ بھی جایا کرنا۔ ہم لوگ واپس گھر پہنچ گئے۔ میرے لئے تو یہ معمول کی ملاقات تھی لیکن سعود الظفر نوشاہی کے لئے حکیم صاحب سے یہ پہلی ملاقات (جو آخری ثابت ہوئی) جذبات سے معمور تھی اور وہ گھر والوں کو بڑے ذوق و شوق سے اس ملاقات کی روئیداد سنا رہا تھا۔ اس نے تحریروں کے ذریعے ذہن میں حکیم صاحب کی ایک تصویر بنائی تھی آج اس میں رنگ بھرا تھا۔

راقم السطور کا حکیم صاحب سے تعلق کم از کم پچھلے پچیس برس سے تھا۔ یہ تعلق حضرت شرافت نوشاہی صاحب کی وساطت سے پیدا ہوا اور انہی کے سایہ تربیت میں نشوونما پاتا رہا۔ ابھی حکیم صاحب کی وفات کا غم تازہ ہے اور عجلت میں ان کی شخصیت کے بارے میں کوئی ٹھوس تحریر لکھنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ یہاں میں اپنے اس تعزیتی خط کا متن شامل کر رہا ہوں جو ان کی وفات پر حکیم صاحب کے قریبی علمی احباب کو ارسال کیا تھا اور ان کی روح و رواں کی آسودگی اور خرمی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اس وقت فارسی کا یہی شعر یاد آ رہا ہے۔

از شمار دو چشم یک تن کم
وز شمار خرد ہزاراں بیش

ترجمہ: ظاہری آنکھوں سے تو (ہمارے درمیان سے) ایک آدمی کم ہوا ہے لیکن خرد و دانش کے حساب سے ہزاروں سے زیادہ (کا نقصان اور فقدان ہوا ہے)

حواشی

1- یہ وصیت نامہ شرافت نوشاہی مغفور کی کتاب سیادۃ العلویہ مطبوع لاہور 1416ھ کے آخر میں شائع ہو گیا ہے وہاں یوں لکھا ہے۔ "اکثر اہل علم و اہل قلم میرے احباب میں سے ہیں لیکن جو خلوص میں نے چار دوستوں میں پایا ہے وہ دوسروں سے زائد ہے ان کا ظاہر و باطن میرے حق میں یکساں ہے۔" صفحہ 134

2- ڈاکٹر تسبیحی کا تصحیح کردہ کشف المحجوب کا متن پہلے ہی شائع ہو چکا ہے۔ حکیم صاحب کو حضرت داتا گنج بخش اور کشف المحجوب سے جو دلچسپی تھی وہ علمی حلقوں پر عیاں ہے۔ کشف المحجوب پر ان کے معرکہ آرا اردو مقدمے کو میں نے فارسی میں ترجمہ کر کے چند ماہ پہلے ایران کے معروف تحقیقی رسالے "معارف" میں شائع کیا ہے تا کہ فارسی دان بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ معارف کا یہ شمارہ حکیم صاحب کے ذخیرہ کتب کے لئے پہلے پیش کر دیا تھا۔

3- میرے خیال میں یہ حکیم صاحب کی زندگی کی آخری تصویر ہو گی جو ان کی وفات سے آٹھ دن پہلے اتاری گئی۔

مرکزی مجلس رضا اور
حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

سید محمد عبداللہ قادری - واہ کینٹ

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کیوں معرض وجود میں آئی۔ ہر چیز کے معرض وجود میں آنے کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بانی مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور حکیم محمد موسیٰ امرتسری زید لطفہ فرماتے ہیں۔ "مطالعہ میرا شروع ہی سے شغف رہا ہے میرے مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علماء نے کہ جنہوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی انگریزوں کی کاسہ لیسی کی ان کا تذکرہ تو ہیرو کے طور پر ملتا ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کہ جن کے حوالے سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ مگر انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ میں ان سوالات کو پروفیسر محمد ایوب قادری (مرحوم) جو کہ لاہور میں جب بھی تشریف لاتے میرے ہاں قیام کرتے تھے، سے اکثر کیا کرتا مگر کیونکہ ان کا دیوبندیت کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا۔ اس لئے میرے اس سوال کے جواب کو گول کر جاتے جس سے مجھے اعلیٰ حضرت کے بارے میں پڑھنے کی مزید جستجو ہوئی۔ 1960ء کی بات ہے میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو کہ اس دور میں نایاب تھیں، تلاش کرکے پڑھیں اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں لہٰذا ان پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا۔" (1)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مجدد دین و ملت شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ (م 1921ء) مدفون بریلی شریف کی یاد میں 1968ء/1388ھ میں حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی فخری قادری مدظلہ العالی نے انقلابی تحریک کی شکل میں "مرکزی مجلس رضا" (رجسٹرڈ) لاہور چند احباب کے تعاون سے قائم کی۔

اس سلسلہ میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم فرماتے ہیں۔

"مجلس کے کام کے آغاز میں میرے ہم خیال مرحوم قاضی عبدالنبی کوکب تھے میں (محمد موسیٰ) پنجاب پبلک لائبریری اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بہت جایا کرتا تھا۔ قاضی صاحب سے وہاں میری دوستی ہو گئی تھی۔ میں نے امام احمد رضا کے بارے میں مل کر لاہور میں مجلس رضا کے نام سے تنظیم قائم کی اور اس کے زیر اہتمام لاہور میں یوم رضا

سالانہ جلسہ کی داغ بیل ڈالی۔"(2)

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کے پہلے یوم رضا کے متعلق حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم فرماتے ہیں۔

"مجلس کے کاموں میں میری رہنمائی سب سے زیادہ مولوی ابراہیم علی چشتی علیہ الرحمۃ نے کی۔ مولوی ابراہیم علی چشتی پنجاب مسلم لیگ کے بانی اور مولانا عبدالستار خان نیازی م۔ش (محمد شفیع کالم نگار نوائے وقت) اور حمید نظامی کے استاد تھے۔ میں نے مولوی صاحب کے ذریعے مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب کو مجلس کے کاموں کے لئے تیار کیا۔ چنانچہ پہلا "یوم رضا" جو کہ 1968ء میں ہوا اس میں مولوی ابراہیم علی چشتی' م۔ش اور مولانا نیازی صاحب وغیرہ سب شریک تھے۔ غالباً" مولانا غلام علی اوکاڑوی صاحب بھی اس مجلس کے اس پہلے جلسہ میں شریک تھے اس پہلے یوم رضا کے جلسہ سے لاہور کے عوامی اور علمی حلقوں میں اعلیٰ حضرت کے بارے میں گفتگو شروع ہو گئی۔"(3)

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کے قیام سے اعلیٰ حضرت بریلوی کی ذات پر چھائے ہوئے شکوک و شبہات کے بادل آہستہ آہستہ چھٹتے گئے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات اب اپنوں اور غیروں میں محتاج تعارف نہیں رہی۔ اب سب جان گئے ہیں اور مان گئے ہیں کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ایک بلند پایہ عالم دین' شیخ طریقت' ولی کامل' عبقری' فقیہ' عظیم محدث' مفسر قرآن' فقید المثال شاعر (نعت گو) سب سے بڑھ کر عاشق رسول اور چودھویں صدی کے مجدد برحق تھے۔

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کے پروگرام میں دو امور کو اہمیت دی گئی تھی۔

(الف) اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر لٹریچر کی اشاعت۔

(ب) عوام و خواص کو اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی سے روشناس کروانے کے لئے جلسہ "یوم رضا" کا ہر سال انعقاد۔

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کئی سال سے جلسہ یوم رضا نوری مسجد ریلوے اسٹیشن لاہور میں مناتی آ رہی ہے جس سے ملک بھر کے ممتاز علماء' دانشور' مشائخ عظام شرکت فرما کر امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اس وقت مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کی عمر تقریباً 31 سال ہو چکی ہے۔ اس عرصہ میں مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور نے امام احمد رضا قدس سرہ کی عظیم شخصیت اور ان کے کارہائے نمایاں سے دنیا کو متعارف کرانے کے لئے ممتاز اہل علم اور دانشور حضرات سے مقالات لکھوائے اور انہیں طبع کر کے دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور نے مختصر مدت میں اعلیٰ حضرت پر اتنا کام کیا جو کوئی ادارہ اگر کرنا چاہتا تو برسوں تک نہ کر سکتا۔ اس سلسلہ میں محترم سید مسعود حسن شہاب دہلوی (مرحوم) مدیر ہفت روزہ "الہام" بہاولپور تحریر فرماتے ہیں۔

"جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری اس ادارے (مرکزی مجلس رضا' لاہور) کے صدر بھی ہیں اور روح رواں بھی۔ یہ انہی کی عزیمت کا نتیجہ ہے کہ یہ ادارہ نہایت مختصر مدت میں اتنا کام کر چکا ہے جو بڑے سے بڑا ادارہ بھی برسوں گزرنے کے باوجود نہیں کر سکتا اس نے نہایت مثبت انداز میں حضرت فاضل بریلوی کی دینی و علمی شخصیت سے علمی حلقوں کو متعارف کرایا ہے اور اس غلط تاثر کو جو بعض متعصب' ذہن کے لوگوں نے ان کے متعلق پھیلا رکھا تھا اسے زائل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔"(4)

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور نے 1968ء سے لے کر سال رواں (1999ء) تک مثالی کردار ادا کیا ہے۔ مجلس رضا مختلف زبانوں عربی' اردو' انگریزی' پشتو اور سندھی میں چھ لاکھ کتب طبع کر کے اطراف و اکناف عالم میں پہنچا چکی ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ سب کتابیں پوری دنیا میں مجلس رضا لاہور نے بلا قیمت تقسیم کی ہیں۔ بیرونی ممالک میں ترسیل کتب پر ڈاک خرچہ کا بوجھ بھی مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ)

لاہور برداشت کرتی ہے مثلاً"

"Neglected Genious of the East"

مصنفہ پروفیسر محمد مسعود احمد (ایم اے، پی ایچ ڈی)

جب شائع ہوئی تو دنیا بھر کے ممالک کے مستشرقین اور دانشوروں کو بھیجی گئی تو اس پر 3,000 روپیہ کے ڈاک ٹکٹ صرف ہوئے۔

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور اپنی مطبوعات کے علاوہ بے شمار دوسرے ناشرین سے دینی کتب خرید کر اپنے حلقہ اثر میں پہنچاتی ہے۔ گیارہ سو "دعوت فکر" تصنیف محمد منشا تابش قصوری مطبوعہ لاہور 1403ھ اور تین سو باسٹھ (362) "تاریخ نجد و حجاز" تصنیف مفتی محمد عبدالقیوم قادری مطبوعہ لاہور 1398ھ خرید کر اپنے احباب کو بطور نذر پیش کی گئی جدید محققین کو مختلف کتب خرید کر دی جاتی ہیں۔

15 فروری 1984ء کو مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کے خازن کے نام سنٹرل جیل سٹاف ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ فیروز پور روڈ لاہور کے پرنسپل چوہدری عبدالمجید صاحب کا خط موصول ہوا کہ آپ ہمیں مرکزی مجلس رضا کی کتب (1) "فضائل درود و سلام" (2) "احادیث مبارکہ" (3) "چالیس ارشادات امام ربانی" (4) "کلمہ طیبہ کی تشریح" کی ایک ایک ہزار کاپی مہیا فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ مرکزی مجلس رضا نے 4,000 کتب سنٹرل جیل کے پرنسپل چوہدری عبدالمجید صاحب کے نام مفت ارسال کر دیں۔

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کا حسب ذیل ممالک کے ذی علم حضرات سے رابطہ قائم ہے۔ سعودی عربیہ، ترکی، افغانستان، بھارت، امریکہ، بنگلہ دیش، انگلینڈ، کینیڈا، آسٹریلیا، آسٹریا، جرمنی، سوئٹزر لینڈ، سری لنکا، چین، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، نیدر لینڈ (ہالینڈ) فرانس، افریقی ممالک، مصر، نیپال، کویت، دوبئی، قطر، ایران، اٹلی، یمن، لبنان، عراق، لیبیا، جمہوریہ الکامرون اور شارجہ وغیرہ

مسجد رضا کی تعمیر اور افتتاح

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کے زیر اہتمام 12 مارچ 1982ء بمطابق 15 جمادی الاول 1402ھ بروز جمعہ المبارک صبح 9 بجے بمقام یاسر اسٹریٹ محبوب روڈ چاہ میراں (عقب وسن پورہ) لاہور میں مسجد رضا کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

مسجد رضا کا نام عاشق رسول (ﷺ) امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی (م 1921ء) کی یاد میں رکھا گیا ہے۔ مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے میں لاہور کی ممتاز شخصیات نے حصہ لیا ان میں سے چند نام یہ ہیں۔ مناظر اسلام صوفی محمد اللہ دتہ نقشبندی صاحب، صوفی خلیل احمد نقشبندی، استاذ العلماء مولانا محمد مہر الدین، حکیم پیر عبداللطیف خلیفہ پیر قندھاری، میاں زبیر احمد قادری ضیائی، حکیم محمد موسیٰ امرتسری (بانی مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور) وغیرہم۔ ان حضرات کی معیت میں راقم السطور (سید محمد عبداللہ قادری ولد سید نور محمد قادری) کو بھی ایک اینٹ رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مسجد رضا 90 روز کے قلیل عرصہ میں مکمل ہوئی۔ احقر اسے کرامت اعلیٰ حضرت بریلوی سمجھتا ہے۔

مسجد رضا کا باقاعدہ افتتاح نماز عصر کے وقت ہوا اور پہلی اذان کی سعادت جناب چوہدری رحمت علی صاحب سابق جنرل سیکرٹری مرکزی مجلس رضا لاہور کو نصیب ہوئی۔ امامت کے فرائض مولانا محمد مہر الدین صاحب نے ادا کئے۔ راقم بھی اس تقریب میں شامل تھا۔(5)

مدرسہ ضیاء السلام

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور نے مسجد رضا میں تعلیم القرآن کریم کا ایک مدرسہ بنام "مدرسہ ضیاء السلام" بیاد شیخ العرب والعجم حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری مدنی خلیفہ امام اہلسنت فاضل بریلوی (قدس سرہما) قائم کیا جس کا افتتاح 8 دسمبر 1982ء بروز بدھ حضرت مولانا مفتی تقدس علی خان

قادری بریلوی شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ سندھ نے کیا۔

رضا فری ڈسپنسری

مرکزی مجلس رضا لاہور نے غریبوں کے لئے ایک کلینک بنام "رضا فری ڈسپنسری" کھولا ہے جو مسجد رضا سے ملحق ہے جس کا افتتاح 14 جنوری 1983ء بروز جمعہ المبارک حضرت پیر بہاء الدین سہروردی (مریدکے) نے کیا۔

رضا فری ڈسپنسری میں ڈاکٹر محمد ادریس اعوان (ایم بی بی ایس) ہاؤس سرجن سروسز ہسپتال لاہور روزانہ 5 تا 7 بجے شام مریضوں کا معائنہ کرتے ہیں دور دور سے لوگ علاج کی غرض سے آتے ہیں اور شفا پاتے ہیں۔

رضا لائبریری

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور نے مسجد رضا میں ایک رضا لائبریری بھی قائم کی ہے جس کا باقاعدہ افتتاح 16 ستمبر 1983ء بروز جمعہ المبارک، حضرت پیر عبداللطیف خلیفہ حضرت پیر قندھاری نے کیا۔ یہ لائبریری اہل محلہ کو فیض یاب کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے۔

مسجد رضا، مدرسہ ضیاء السلام، رضا فری ڈسپنسری، رضا لائبریری ـــــــ یہ تمام کچھ جہاں موجود ہیں وہ پلاٹ محترمہ ارشاد بیگم صاحبہ نے بطور عطیہ (وقف) پیش کیا۔ جناب ایم اے فریدی ایڈووکیٹ نیلا گنبد لاہور نے محترمہ ارشاد بیگم صاحبہ کے وقف کئے ہوئے پلاٹ کا اشتہار (خبر) روزنامہ جنگ لاہور کے مینجر اشتہارات کو بھیجا۔ اس کی عبارت ملاحظہ ہو۔

اطلاع عام بسلسلہ وقف

محترمہ ارشاد بیگم دختر سراج دین سکنہ لکھن پورہ لاہور نے اپنا ملکیتی پلاٹ برقبہ 5 مرلہ 125 مربع فٹ خسرہ نمبر 4060/2084 موضع نولکھا بحق مسجد رضا وسن پورہ زیر اہتمام مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور وقف کر دیا ہے۔

المشتہر: ایم اے فریدی ایڈووکیٹ نیلا گنبد لاہور

مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور کے اراکین اور معاونین کے ل...

مژدہ جانفزا

15 جمادی الاول 1402ھ

786

92

محترم المقام ـــــــ سلام مسنون

آپ کو یہ جان کر بے حد مسرت ہو گی کہ ایک ...
خاتون (محترمہ ارشاد بیگم صاحبہ) نے اپنا ملکیتی پلاٹ ...
وسن پورہ لاہور برائے تعمیر مسجد رضا و دینی مدرسہ (بنام مد...
ضیاء السلام) مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) نوری مسجد بالمقا...
ریلوے اسٹیشن لاہور کے نام وقف کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل شانہ، کے فضل و کرم سے اس پلا...
مسجد رضا اور دینی مدرسہ کی تعمیر کا آغاز 15 جمادی الا...
1402ھ کو کر دیا گیا ہے۔ شمالی لاہور میں مسجد رضا تبلیغ اس...
اور پیغام رضا (عاشق رسول ﷺ) کا ایک مرکز ہو گا۔ انشاء...
تعالیٰ

الداعی الی الخیر
حکیم محمد موسیٰ امرتسری
صدر و بانی مرکزی مجلس رضا، لاہور

26-اصح المطالب فی شعب ابی طالب	مولانا محمد سعید شبلی	1	2,000
27-اثبات المولد والقیام	حضرت شاہ احمد سعید نقشبندی	9	14,000
328-فضائل درود و سلام	مفتی عنایت احمد کاکوروی	1	2,000
29-رسالہ فی علم الجفر (عربی)	امام احمد رضا خان بریلوی	1	2,000
30-معین مبین بہردور شمس و سکون زمین	امام احمد رضا خان بریلوی	1	4,000
31-چالیس ارشادات امام ربانی	ابوالبرکات سید احمد قادری	4	17,000
32-احادیث مبارکہ	عبدالحکیم قاضی ایم اے	2	8,000
33-خطبات یوم رضا	محمد عالم مختار حق	1	2,000
34-اکرام امام احمد رضا	مفتی محمد برہان الحق	3	8,000
35-تمہید ایمان (پشتو)	امام احمد رضا خان بریلوی مترجم شاہد القادری	1	2,000
36-الحق المبین (پشتو)	علامہ سید احمد سعید کاظمی مترجم ظاہر شاہ میاں قادری	1	2,000
37-شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مولانا محمد عارف اللہ خان مصباحی	2	4,00
38-جہان رضا	محمد مرید احمد چشتی	1	2,000
39-گناہ بے گناہی	پروفیسر محمد مسعود احمد	4	8,000
40-تمہید ایمان (سندھی)	مولانا احمد رضا خان مترجم گلزار حسین قادری	1	2,000
41-استغاثہ	مرکزی مجلس رضا	1	4,000
42-توحید اور شرک	علامہ سید احمد سعید کاظمی	5	14,000
43-تعلیقات رضا (حصہ اول)	امام احمد رضا بریلوی مترجم محمد صدیق ہزاروی	1	1,000
44-تعلیقات رضا (حصہ دوم)	امام احمد رضا بریلوی مترجم محمد صدیق ہزاروی	1	2,000
45-قربانی کے ضروری مسائل	مرکزی مجلس رضا	4	8,000
46-الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ	مولانا احمد رضا خان	1	2,000
47-امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شہادت کے اسباب	خلیل احمد رانا	1	3,000
48-الجداول الرضویہ لاعمال الجفریہ	مولانا احمد رضا خان	1	2,000
49-امام احمد رضا خان ایک فاضل اہلحدیث کی نظر میں	پروفیسر محی الدین الوائی مصر	1	5,000
50-عرفان ربانی کی ناطق دلیل	علامہ سید احمد سعید کاظمی	1	5,000
51-کلمہ طیبہ کی تشریح	مولانا مظفر احمد بدایونی	3	12,000
52-کنز الایمان کے خلاف سازش	مولانا عبدالستار خان نیازی		
53-محققانہ فیصلہ	مولانا محمد جلال الدین احمد امجدی	2	4,000

اب تک مرکزی مجلس رضا لاہور جتنی کتب شائع کر چکی ہے ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

نام کتاب	مصنف	ایڈیشن
1- تجلی المشکوٰۃ	اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی	1
2- فاضل بریلوی اور ترک موالات	پروفیسر محمد مسعود احمد	6
3- اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام	مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری	1
4- سوانح سراج الفقہا	مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری	3
5- پیغامات یوم رضا	حاجی محمد مقبول احمد قادری	2
6- فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	پروفیسر محمد مسعود احمد	3
7- مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری	ملک شیر محمد اعوان	4
8- المجمل المعدد لتالیفات المجدد	مولانا محمد ظفر الدین بہاری	3
9- فاضل بریلوی کا فقہی مقام	مولانا غلام رسول سعیدی	2
10- محاسن کنز الایمان	ملک شیر محمد اعوان	11
11- اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر	سید نور محمد قادری	3
12- فضائل درود و سلام	مولانا محمد سعید شبلی	16
13- تمہید ایمان	امام احمد رضا بریلوی	2
14- اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقاً "اعلیٰ قول الامام (عربی)	امام احمد رضا بریلوی	1
15- ضیائے کنز الایمان	مولانا غلام رسول سعیدی	4
16- عاشق رسول	پروفیسر محمد مسعود احمد	3
17- اذکار حبیب رضا	مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری	2
18- ڈیواین ویلیو آف اسلام (انگلش)	مولانا عبدالستار خان نیازی	1
19- مولانا احمد رضا کا نعتیہ شاعری میں منصب	شاعر لکھنوی	3
20- فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینہ میں	پروفیسر رفیع اللہ صدیقی	4
21- سات ستارے	حکیم محمد حسین بدر	2
22- الفضل الموہبی	اعلیٰ حضرت بریلوی مترجم مولانا افتخار احمد	2
23- امام احمد رضا اور علم حدیث	مولانا محمد فیض احمد اویسی	3
24- مولانا احمد رضا بریلوی (سندھی)	مقبول جہانگیر مترجم گلزار حسین قادری	2
25- مشرق کا ایک فراموش کردہ نابغہ	پروفیسر محمد مسعود احمد	1

54- امام احمد رضا دنیائے صحافت میں	محترمہ آربی مظہری	1	2,000
55- اعالی العطایافی الاضلاع و الزوایا	امام احمد رضا القادری بریلوی	1	2,000
56- دستور مرکزی مجلس رضا	مرکزی مجلس رضا لاہور	1	2,000
57- مقصود کائنات	سید احمد سعید کاظمی	2	9,000
58- خاک حجاز کے نگہبان	صلاح الدین محمود لاہور	3	13,000
59- مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان	شاہ ابوالحسن زید فاروقی	2	4,000
60- حیات امام اہلسنّت	پروفیسر محمد مسعود احمد	2	6,000
61- الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی			
قادیانی مرتد پر خدائی تلوار	امام احمد رضا بریلوی	1	4,000
62- فیصلہ مقدسہ	مولانا محمد عزیز الرحمٰن بہاولپوری	1	4,000
63- سید احمد بریلوی کے فسانہ جہاد کی حقیقت	سید نور محمد قادری	1	6,000
64- نماز	خلیل احمد رانا	2	14,000
65- اندھیرے سے اجالے تک	محمد عبدالحکیم شرف قادری	1	4,000
66- سلام رضا	مولانا احمد رضا خان	1	4,000
67- الدرۃ البیضاء فی فقہ الشاہ احمد رضا	مولانا فیض احمد اویسی	1	2,000
68- ندائے یا رسول اللہ ﷺ	امام احمد رضا شرف قادری	1	4,000
69- امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم	محمد جلال الدین قادری	1	4,000
70- مجموعہ رسائل رد روافض	امام احمد رضا قادری	1	4,000
71- شیشے کا گھر	محمد عبدالحکیم شرف قادری	1	4,000
72- النبی کا صحیح مفہوم	علامہ سید احمد سعید کاظمی	1	4,000
73- چودھویں صدی کے مجدد	علامہ محمد ظفر الدین بہاری	1	4,000
74- انوار قطب مدینہ	خلیل احمد رانا	1	2,000
75- رہبر و راہنما	پروفیسر محمد مسعود احمد	1	

بقیہ: تبلیغی جماعت......

قادری، رضوی، چشتی صاحب، حضرت علامہ سید سردار احمد قادری گڑھی اختیار خان والے جو سید محمد فاروق القادری ایم اے کے دادا جان ہوتے ہیں حضرت عبد نبی مختار محمد یار فریدی (گڑھی اختیار خان) علامہ عبدالغفور ہزاروی اور حضرت مفتی اعجاز ولی خان رضوی رحمۃ اللہ علیہ۔
اس وقت جو حضرات بقید حیات تھے ان میں سے حضرت استاذ العلماء قبلہ مفتی تقدس علی خان رضوی (مدفون پیر جو گوٹھ) جناب پیر غلام قادر اشرفی (مدفون لالہ موسیٰ) اور شاہ فاروق رحمانی (مدفون کراچی) علیہم الرحمۃ پر بہت خوش تھے۔ قائد اہلسنت شاہ احمد نورانی صاحب زید مجدہ اور مجاہد ملت عبدالستار خان نیازی مدظلہ کے لئے دعاگو رہتے تھے وہ ان پر اس لئے خوش تھے کہ ان دنوں یہ دونوں بھٹو صاحب سے نبرد آزما تھے۔

2- علمائے حق تو چند اور بھی تھے لیکن یہاں صرف سربر آوردہ اور مسلمہ شخصیت کا ذکر ہے۔

3- تقویۃ الایمان صفحہ 47 بحوالہ الطیب الایمان صفحہ 324

بقیہ: طب و حکمت کی آبرو

وقت ہندوستان و پاکستان میں کسی شخص نے اتنا کام نہیں کیا۔ حکیم صاحب کئی دینی اداروں کے سرپرست اور رسائل کے مدیر بھی تھے۔ اگرچہ آج وہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی کتاب دوستی خزانہ کتب (جو کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیہ دیا ہے) ان کی نیکی شرافت، خلوص و محبت اور ان کی بے شمار کتب جو انہوں نے بے شمار دوستوں اور احباب کو دی ہوئی ہیں یہ یادگاریں اور ان کی نیکی شرافت، خلوص و محبت مہمان نوازی اور نیک باطنی کے علاوہ ان کے علمی کام کی روشن کی ہوئی شمعیں ہمیشہ ان کے وابستگان کے دلوں میں منور رہیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

طبّ و حکمت کی آبرو
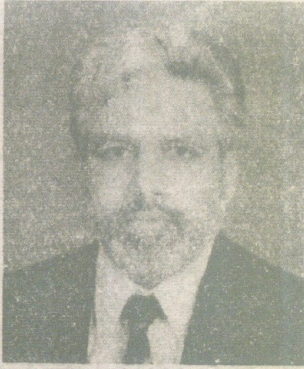
حکیم محمد عبدالباسط چشتی

دنیا میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جنہیں زندگی میں ان کی صلاحیتوں اور امتیازی خصوصیات کے مطابق شایان شان اور حقیقی شہرت و پذیرائی میسر نہیں آتی شاید اس کی وجہ ایسے لوگ طبعاً سادہ مزاج اور نمود و نمائش سے بے نیاز درویش طبیعت کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن اس فانی دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی شخصیت کے ایسے ایسے جوہر آشکار ہوتے ہیں اور ان کے کردار حیات کے ایسے ایسے درخشاں پہلو ظاہر ہوتے ہیں جو ان کی سادگی اور شہرت اور نمود و نمائش سے بیزاری کے سبب زندگی میں پردہ اخفاء میں رہتے ہیں۔ حکیم محمد موسیٰ صاحب کا شمار بھی ایسی ہی طبی، سماجی، ملی اور دینی شخصیات میں ہوتا ہے۔

حکیم محمد موسیٰ کے خاندان سے ہمارے خاندان کا تعلق تقریباً 120 برس سے ہے۔ میرے دادا مرحوم (میاں علی گوہر) کے فخر الاطباء جناب حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری سے خاندانی تعلقات تھے میرے دادا مرحوم فخر الاطباء کی متانت و فراست کے بڑے مداح تھے اور ان کے علمی اور طبی کمالات یعنی ان کے طبی طریقہ علاج کے معترف تھے۔ اس وقت امرتسر میں حکیم حاجی غلام جیلانی صاحب، حکیم عرشی امرتسری اور دیگر کئی معروف اطباء موجود تھے لیکن حکیم فخر الاطباء صاحب کے درویشانہ خیالات اور سادہ زندگی سے میرے دادا جان مرحوم بہت متاثر تھے یہیں سے میرے دادا مرحوم ایک دن میرے والد صاحب کو ان کے پاس بغرض شاگرد بطور طبیب بنانے کے لئے لے گئے۔ چنانچہ میرے والد صاحب ایک عرصہ تک حکیم صاحب کے زیر سرپرستی طب کا علم حاصل کرتے رہے پھر ایک دن آپ نے اپنے دست مبارک سے میرے والد صاحب کے چشتی دوا خانہ کا گوالمنڈی میں افتتاح فرمایا۔

جناب فخر الاطباء صاحب کے بیٹے جناب حکیم غلام قادر چشتی صاحب حکیم محمد نور الدین چشتی اور حکیم شمس الدین چشتی نظامی مستند طبیب پنجاب یونیورسٹی تھے۔

اس کے بعد حکیم محمد موسیٰ امرتسری حکیم جلال الدین امرتسری، حکیم ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب تھے یہ سب طبیب انتہائی صاحب علم اور صاحب بصیرت تھے۔ یہ سب اپنے اپنے وقت کے بہت کامیاب اور دست شفا رکھنے والے طبیب تھے۔

حکیم محمد موسیٰ صاحب کو زندگی کے ابتدائی دور میں بہت سی اس وقت کی شخصیات نے متاثر کیا لیکن سب سے زیادہ اثر جناب فخر الاطباء سے لیا۔ حکیم صاحب اپنے والد محترم کی طرح صوم و صلوۃ کے پابند تہجد گزار صالح قسم کے نہایت شریف النفس طبیعت کے مالک تھے۔ وہ ہمیشہ شلوار قمیص یا کبھی سویٹر اور واسکٹ پہنتے تھے۔ مناسب قد اور صحت مند جسم، کشادہ پیشانی، سرخ و سفید رنگ، سفید ریش، آنکھوں میں چمک، چہرے پر متانت، سنجیدگی اور کتابی چہرہ ہمہ وقت انہیں یا تو نظر کتاب پر رکھتے یا کسی سے طبی، دینی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے یا مریض کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے پایا۔ مجھے حکیم صاحب سے تقریباً 40 برس کے قرب کا شرف حاصل ہے۔

اس طرح وہ طبی معالجہ میں ہمیشہ میرے استاد محترم کی طرح رہے اگرچہ میں نے طب کی تمام کتب ان کے بڑے بھائی (جناب حکیم غلام قادر صاحب چشتی جن کا چشتی دوا خانہ چوک حسین آگاہی ملتان شہر میں تھا) سے 1960ء سے 1963ء تک پڑھی تھیں، لیکن عملی زندگی میں مجھے مشورے کی ضرورت محسوس ہوتی تو میں ان کے مطب چلا آتا تو وہ تمام طبیوں سے ہٹ کر بڑی فراخدلی سے عملی انداز میں مشورہ یا نسخہ جات سے نوازتے تھے لیکن حکیم حضرات کے بارے میں عام مشہور ہے کہ یہ کبھی کسی کو نسخہ نہیں دیتے لیکن اس کے برعکس حکیم صاحب اور ان کے تمام بھائیوں میں یہ بات ہرگز نہ تھی۔

حکیم صاحب کا مطب جہاں مریضوں کے لئے پیغام صحت تھا وہاں علماء صحافی، دانشوروں اور صاحب علم لوگوں کے لئے بھی سیکھنے کی ایک جگہ تھی۔

حکیم صاحب کا مطب لاہور کے مطبوں میں ایک مشہور مطب تھا۔ آپ کا شمار ملک بھر کے مشہور اور بلند پایہ اطباء میں ہوتا تھا۔ آپ کی طبی قابلیت مسلمہ تھی۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ خصوصاً" مفردات اور مرکبات میں آپ کا اس وقت کوئی ثانی نہیں تھا۔ مریضوں کے ساتھ بہت ہمدردی کرتے اور خندہ پیشانی اور محبت سے پیش آتے۔ قدرت نے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی اور مریضوں سے بہت کم دوا کی قیمت لیتے تھے، اور بیشتر لوگوں کو مفت دوا دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے مطب کو تجارت نہیں بنایا تھا وہ صحیح انداز سے اپنے مریضوں کی خدمت کرتے تھے۔ مرحوم اکثر اوقات اپنی ناسازی طبع کے باعث کچھ مریضوں کو میرے پاس یا کسی اور ڈاکٹر یا طبیب کے پاس بھیج دیتے تھے یہ ان کی عالی ظرفی تھی اس سے ان کی غیر معمولی ہر دلعزیزی اور مریضوں سے ہمدردی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حکیم صاحب طبعاً" نفیس مزاج اور معاملہ فہم تھے انہیں اپنے فن سے بہت محبت تھی۔ دوست احباب کی محفل میں بڑے زندہ دل اور خوش طبع تھے بات سے بات پیدا کرتے اور محفل کو خوش بھی کر دیتے تھے۔ اپنی سادہ مزاجی کے اس رجحان کے باعث زیادہ تر مفردات سے علاج کرتے تھے جو کم سے کم اور زود اثر ہوں۔ اپنی طبی حیثیت میں بحیثیت ایک انسان کے ہمارے سماجی معاملات میں ایک سرکردہ اور نامور شخصیت کا درجہ رکھتے تھے۔ ہر چند کہ ان کی شخصیت ظاہری طور پر عام دنیاوی لحاظ سے پر وجاہت بارعب اور نمایاں نہ تھی لیکن قدرت سے انہیں مسائل اور امور کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی غیر معمولی صلاحیت ودیعت ہوئی تھی وہ نہایت منجھے ہوئے صابر منتظم تھے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہر شخص سے اس کی علمی استعداد کے مطابق کام لیا۔ اکیلے حکیم صاحب اعلیٰ حضرت کے بارے میں اتنا کام کیا کہ اس

قران السّعدین

فدا و موسیٰ کا باہمی ارتباط

محمد عالم مختار حق۔ لاہور

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نور اللہ مرقدہ کی ذات ستودہ صفات میں کارکنان قضا و قدر نے محاسن کثیر ودیعت کرنے میں بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ طبابت سے ان کا لگاؤ خاندانی پیشہ کے سبب تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ ہی علم و ادب سے بھی ان کی وابستگی ان کی اضافی خوبیوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ وہ مشربا" چشتی اور مسلکا" بریلوی تھے۔ ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ خدا نے انہیں حفظ و اتقان کی بے پناہ قوت سے نوازا تھا وہ جو کچھ پڑھتے سنتے وہ ہمیشہ کے لئے ان کے نہاں خانہ دماغ میں مرتسم ہو جاتا۔ وہ اپنے وسعت مطالعہ کے سبب اس نتیجہ پر پہنچے کہ برصغیر پاک و ہند کے رجل رشید' جو امام احمد رضا خان بریلوی کے نام نامی و اسم گرامی سے موسوم ہیں' کی فقہی بصیرت پر کماحقہ توجہ مبذول نہیں کی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ان کے نام کی نسبت سے لاہور میں مرکزی مجلس رضا قائم کی جس نے محدود عرصہ میں حکیم صاحب کی شبانہ روز انتھک محنت کے سبب ایک ملک گیر تحریک کی صورت اختیار کر لی اور یہی تحریک حکیم صاحب کی پہچان بن گئی۔ اس تحریک کی آبیاری اور پیش رفت میں جن اہل علم اور دانشوروں نے حصہ لیا ان میں جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا صاحب کا نام نامی سرفہرست ہے۔ فدا صاحب سے حکیم صاحب کے دیرینہ مراسم تھے۔ دونوں دوست ایک دوسرے کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور سعدی شیرازی کے اس شعر کی عملی تصویر تھے:

دوست آں دانم کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و در ماندگی

حکیم صاحب پر اگر کوئی آزمائش کا وقت آیا تو فدا صاحب ان کے شانہ سے شانہ ملائے کھڑے ہیں اور فدا صاحب پر اگر کوئی افتاد پڑی تو حکیم صاحب اس کے مداوا کے لئے دل و جان سے حاضر۔ روابط یہاں تک استوار ہوئے کہ خانگی معاملات بھی ایک دوسرے کے مشورے سے طے کرتے۔ غرض دونوں دوست ہر وقت ایک دوسرے کے لئے ہمیشہ دست تعاون دراز رکھتے۔

فدا صاحب کا برسوں سے یہ معمول رہا کہ وہ روزانہ مکروہات دنیوی سے فراغت کے بعد نماز عصر کے قریب حکیم صاحب کے مطب پر تشریف لاتے۔ دونوں بزرگ دوستوں میں راز و نیاز کی باتیں ہوتیں مگر اب گزشتہ چند برسوں سے

فدا صاحب کا یہ معمول گو کبرسنی کے باعث گاہے ماہے میں تبدیل ہوگیا مگر اس کے باوصف وہ عملی طور پر "میں نے دیکھا ہے بہت نزدیک تم کو دور سے" کی تصویر بنے رہے اور حکیم صاحب کی یاد سے کبھی غافل نہیں رہے!۔ نامہ و پیام سے ان سے برابر رابطہ رکھتے۔

فدا صاحب نے ماہنامہ "مہر و ماہ" کا فروری 1956ء میں لاہور سے اجراء کیا تو حکیم صاحب ان کے معاون ٹھہرے۔ دونوں کے اشتراک و تعاون سے مہروماہ نے اپنے ہم عصر جرائد میں جلد ہی ایک منفرد مقام حاصل کر لیا۔ مہر و ماہ نے خاص طور پر قومی زبان کے فروغ اور ملک میں اس کے نفاذ کے لئے بھی خاصی جدوجہد کی مگر اس کے ساتھ اپنی مادری زبان سے بھی بے اعتنائی نہیں برتی۔ چنانچہ پنجابی زبان کے بعض اساطین، کی یاد میں ایسے قابل قدر ضخیم نمبر شائع کئے جو اپنی مثال آپ ہیں اور حق بات تو یہ ہے کہ کوئی ہم عصر جریدہ آج تک ان نمبروں کی نظیر نہیں لا سکا۔ ان یادگار نمبروں میں سے بعض کے کوائف درج ذیل ہیں:۔

1- علامہ تاج الدین احمد تاج عرفانی (متوفی 11 مئی 1959ء) کی شخصیت پر تاج نمبر 1959ء

2- پیر غلام دستگیر نامی (متوفی 16 دسمبر 1961ء) کی یاد میں یادگار نامی جون 1963ء

3- پنجابی زبان کے حافظ شیراز پیر فضل حسین گجراتی (متوفی 22 اگست 1972ء) کی یاد میں اذکار فضل، جولائی/اگست 1965ء

4- پنجابی زبان کے حافظ شیراز پیر فضل حسین گجراتی (متوفی 22 اگست 1972ء) کی یاد میں یادگار فضل

5- بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر (متوفی 11 ستمبر 1974ء) کی یاد میں یادگار فقیر، نومبر دسمبر 1975ء

6- بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر (متوفی 11 ستمبر 1974ء) کی یاد میں داستان فقیر، دسمبر 1976ء

اور آخر میں اگست 1999ء میں جناب فدا حسین فدا کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں مہروماہ کی خصوصی پیشکش "تذکار فدا" حکیم صاحب کا آخری معرکہ آرا کارنامہ ہے جس سے فدا صاحب امر ہو گئے ہیں۔ اس ارمغان علمی کی تکمیل میں پاکستان کے صف اول کے ماہرین علوم و فنون، ارباب دانش و بینش فدا صاحب کے نیاز مندوں اور تلامذہ نے فدا صاحب کی متنوع علمی جہتوں پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ان دونوں بزرگ دوستوں کے دل میں ایک دوسرے کا کتنا احترام تھا اور ایک دوسرے کو کن محبت آگین الفاظ و القاب سے یاد کرتے تھے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

"حکیم صاحب نے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے نثر کا سہارا لیا ہے جب کہ فدا صاحب نے اپنے اخلاص و مودت کو اشعار کی سلک میں نہایت سلیقہ سے پرو دیا ہے۔"

حکیم صاحب "تذکار فدا" کے حروف اولین میں لکھتے ہیں۔

یہ سب کچھ جناب فدا کے مرحوم والدین کی تعلیم و تربیت اور آپ کے ہادی و رہنما سلطان التارکین، سرتاج مستاں، سرآمد فقرا حضرت بابا سید رسول قریشی ہاشمی حنفی قادری قدس سرہ مدفون موضع بگا تحصیل اجنالہ (ضلع امرتسر) کے فیضان نظر اور کرم ہائے بے پایاں کا نعم البدل ہے۔

تذکار فدا کے حروف اولیں کے اختتام پر حسب ذیل چند سطور مزید ہدیہ قارئین کرام ہیں:

اگرچہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تاہم اس حقیقت کی توضیح میرے لئے بہجت افزا بھی ہے اور باعث طمانیت قلب بھی کہ جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا سے راقم الحروف کی رفاقت عرصہ تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ میں ابتدا ہی سے موصوف کی علمی فضیلت اور عالی ظرفی کا معترف ہوں اور بارگاہ رب العزت میں دعاگو ہوں کہ اس زندگی ناپائیدار کے

عکس بشکریہ: "پنجاب یونیورسٹی"۔ لاہور

حضرت ابوالطاہر فدا حسین فدا — محمد موسیٰ

بقایا ایام بھی اسی اساس پر قائم و استوار رہیں۔ یہ تعلق خاطر میرے لئے ایک طرح کی روحانی مسرت کا باعث ہے کہ میں نے موصوف کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ خلق و مروت، خلوص و مودت، صدق و دیانت اور احترام انسانیت ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہر فرد بشر سے دلی محبت اور خلوص نیت ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ ہر صورت آشنا ان کے اوصاف حمیدہ کا گرویدہ و شیدا ہے۔ بیشک وہ اوصاف حمیدہ اور اسوہ حسنہ کی تصویر دل پذیر ہیں۔

دعا ہے کہ رب ذوالمنن اپنے ممدوح و محبوب ختمی مرتبت سرکار بیکس پناہ پیکر لطف و جود و سخا علیہ الصلوۃ والسلام کے طفیل موصوف کو تا زندگی اپنے سایہ عاطفت میں محفوظ و مامون رکھے تا کہ وہ دین و ملت اور ملک و قوم کی بیش از بیش خدمت سرانجام دیتے رہیں۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

جناب فدا کے "اجمالی تعارف" کی خصوصی اشاعت پر جہاں دیگر مشاہیر کی آرا شائع ہوئیں۔ حکیم صاحب نے بھی اپنے جذبات و احساسات کا اظہار ان شاندار الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

گرامی قدر حضرت ابوالطاہر فدا حسین فدا مدظلہ العالی کا نام نامی و اسم گرامی کسی رسمی توصیف و تعارف کا محتاج نہیں۔ موصوف کی علمی و ادبی خدمات تقریباً" نصف صدی کی طویل مدت پر محیط ہیں جنہیں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ایک کہنہ مشق شاعر اور صاحب طرز ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ نقاد اور بے عدیل صحافی بھی ہیں۔ آپ عہد حاضر میں روایتی غزل کی آبرو ہیں اور تاریخ گوئی میں بھی باکمال ہیں۔ موصوف کو ادب کی جاگیر وراثت میں نہیں ملی بلکہ آپ نے اسے زور قلم سے فتح کیا ہے وہ مجلس آرائی کو گوشہ نشینی پر ترجیح دیتے رہے۔ صرف اس لئے کہ وہ صاحب طریقت (قادری) بھی ہیں۔ ماشاء اللہ تعالیٰ

اب فدا صاحب کی بھی سنئے۔ انہوں نے یہ بے مثل

نظم کہہ کر حکیم صاحب سے اپنے خلوص و محبت کا حق ادا کر دیا ہے گویا "کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے":

نقیب دین و زعیم ملت، کلید حکمت، مہ فضیلت
رضائے احمد رضا کا بندہ ہے پلسدار کتب و سنت
یہ ہے گل سر سبد کی نزہت جھکا ہے جس پہ سحاب رحمت
ریاض دین متیں میں ہر سو ہیں جس نے پھیلائے نور و نکہت
حکیم موسیٰ وہ عبقری ہے مثیل اس کا کہاں ہے کوئی
ادب نواز و ادب شناس و زاہل وجداں و شعور فطرت
علوم شرع مبیں کا عامل امین دین حنیف برحق
جناب ختم رسل کا بردہ خوشا بہ نازش، زہے فخر نسبت
رسول اکرم ﷺ کا یہ فدائی فدائے سرکار لولبء ہے
مطیع احکام رب ایزد ہے قاطع شرک و کفر و بدعت
بحور فن کا یہ درج گوہر خزینہ در شاہواراں!
محققوں ناقدوں کا رہبر جہاں میں اس کا ہے دم غنیمت
غلام خواجہ و غوث اعظم گدائے شاہنشہ دو عالم
فدا یہ محبوب پاکبازاں ہے خضر بصورت فرشتہ سیرت

حکیم صاحب کے خاندان میں جب بھی کسی عزیز کا رشتہ حیات منقطع ہوا تو اس مرحوم کی وفات کا قطعہ تاریخ کہنے کا ناخوشگوار فریضہ فدا صاحب ہی کو ادا کرنا پڑا۔ چنانچہ اس طرح فدا صاحب نے جو یادگار تاریخی قطعات کہے ان میں سے بیشتر پتھروں میں مرتسم ہو کر الواح قبور کی زینت بن چکے ہیں مگر ان کے دستبرد زمانہ کی نذر ہو جانے کے احتمال کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان یادگاری قطعات کو سینہ احجار سے سفینہ قرطاس میں منتقل کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا جائے۔ یہ قطعات مرحومین کے مختصر تعارف کے ساتھ خوانندگان گرامی کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں کہ "نوشتہ بماند سیاہ بر سفید"

1- حکیم محمد جلال الدین جلال

آپ حکیم محمد موسیٰ صاحب کے برادر اکبر ہیں۔ علم طب اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔ علوم دینیہ کی تحصیل مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی مدرس مدرسہ نعمانیہ واقع مسجد شیخ بڈھا امرتسر سے کی۔ عربی پڑھنے کے لئے علامہ محمد عالم آسی امرتسری کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ جب کہ خوشنویسی امرتسر کے مشہور خطاط بابائے نیچرو پیتھی حکیم مہر الدین نقشبندی مجددی (مدفون لاہور) سے سیکھی۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے پیر طریقت میاں علی محمد خان صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ آپ اچھے طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی، اردو اور پنجابی میں مشق سخن بھی کرتے رہے۔ تحریک پاکستان کے سرگرم رکن تھے۔ تقسیم ملک کے بعد لاہور آ گئے اور مختصر قیام کے بعد پاک پتن شریف اٹھ آئے جہاں آپ نے "جلالی دوا خانہ" کے نام سے ایک دوا ساز ادارہ قائم کیا۔ اپنے والد فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی کی فارسی بیاض کا اردو میں ترجمہ کیا جو "مجربات فخر الاطباء" کے نام سے دارالاشاعت علوم اسلامیہ حسین آگاہی ملتان سے 1960ء میں شائع ہوئی۔ آپ نے عالم شباب میں بعمر 28 سال مورخہ 20 جمادی الثانی بمطابق 30 اپریل 1948ء اس جہان فانی سے خیر باد کہا۔ نماز جنازہ ان کے مرشد حضرت میاں علی محمد خان صاحب نے پڑھائی اور آخری آرامگاہ حضرت عبداللہ شاہ ولی کے جوار رحمت میں بنی۔ جناب فدا حسین فدا صاحب اس واقعہ فاجعہ پر مندرجہ ذیل دو تاریخی مادے اور ایک قطعہ تاریخ کہا جن سے سال وفات 1948ء مستخرج ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ کے وہ "جان برادر" ناگہاں
چل بسے دار فنا سے جانب خلد بریں

ہر دل درد آشنا سے ان کی تھی وابستگی
اس بنا پر رحمت حق سے ہوئے بے حد قریں
دور حاضر میں دکھی انسانیت کے غم گسار
خدمت خلق خدا ان کا شعار دل نشیں
شاعر یکتا بھی تھے وہ اور ادیب بے بدل
نیک طینت، حق شناس و دین قیم کے امیں
حضرت گنج شکرؒ کے ان پہ الطاف خصوص
زیست میں ان کی فراواں دولت دنیا و بریں
طائر سدرہ فدا سے برسن وصل جلال
کہہ گیا ہے "فی الحقیقت خادم دین متیں"

19ء48

2- فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی فخری

آپ حکیم محمد موسیٰ کے والد بزرگوار ہیں چوک فرید امرتسر میں فقیری دوا خانہ کے نام سے مطب کرتے تھے۔ فخر الاطباء کا خطاب مولانا محمد عالم آسی نے تجویز فرمایا تھا۔ تقسیم ملک کے وقت ہجرت کر کے لاہور آبسے اور رام گلی نمبر 2 میں مطب شروع کر دیا۔ آپ عالم ربانی، عارف حقانی اور طبیب لاثانی تھے۔ تصوف کے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت میاں علی محمد خان صاحب چشتی نظامی فخری بسی والے (متوفی 28 جنوری 1975ء) کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ آپ کے نسخہ جات "مجربات فخر الاطباء" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ جس پر فدا صاحب نے دو قطعات تاریخ طباعت کہے جو ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں:

(1)

ہوئے ہیں اب جو شائع تجربے فخر الاطباء کے
انہی کا ہے اثر منہ پر طبیبوں کے جو رونق ہے
مجھے تھی فکر جب تاریخ کی ہاتف نے فرمایا
فدا یہ فی البدیہہ لکھ کر "خضر راہ الحق ہے"

19ء60

(2)

یہ فخر الاطباء کے ہیں تجربات
علاجوں کے از بس شگفتہ ریاض
طباعت پہ ان کی یہ آئی ندا
فدا تو دعا کر "ہو روشن بیاض"

13ھ80

مجربات فخر الاطباء کی طبع جدید حکیم محمد موسیٰ صاحب کی نظر ثانی کے بعد ڈائمنڈ پبلشرز ہجویری مارکیٹ اردو بازار لاہور سے منصہ شہود پر آئی۔ اس کا سرورق ایک حکیم صاحب کی تصویر سے مزین کیا گیا ہے جس کے متعلق حکیم محمد موسیٰ صاحب نے راقم کے نسخہ پر تحریر فرمادیا ہے۔ "کتاب ہذا کے سرورق پر فرضی تصویر ناشر کے ذہن کی اختراع ہے" 86 برس کی عمر میں مورخہ 27 رجب المرجب 1371ھ بمطابق 22 اپریل 1952ء داعی اجل کو لبیک کہا اور درگاہ میاں میر کے احاطہ مزار سے باہر جانب جنوب دیوار کے ساتھ آپ آسودہ خواب ہیں۔ ایک لوح مزار حافظ محمد یوسف سدیدی کی مکتوبہ ہے جبکہ دوسری شمالی جانب والی برادرم محمد اعظم منور رقم (متوفی 12 جنوری 1997ء) کی مکتوبہ ہے۔ اس حادثہ فاجعہ پر فدا صاحب نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

میرے مخدوم و مکرم حضرت والا فقیر
چھوڑ کر دنیائے فانی آج ہیں زیب ارم
چل بسے ہیں گلشن ہستی سے وہ لاریب آہ
شاخ نخل زندگانی ہو گئی ان کی قلم
جذبہ عشق نبی تھا ان کے دل میں موجزن
تھے پئے اعدائے دیں وہ ایک شمشیر دو دم
خدمت خلق خدا تھا ان کا مقصود حیات
اللہ اللہ تھا غنیمت کیا ہی ان کا دم قدم
چار دانگ عالم میں ان کے فکر و فن کی دھوم تھی
طب و حکمت میں تھے بیشک معترف عرب و عجم

دردِ فرقت دے کے ہم کو ہو گئے آنکھوں سے دور
کر گئے چرخ ستمگر کو بھی وہ وقفِ الم
کہہ گیا ملہم فدا سے ان کا سالِ وصل یوں
"دادِ یاب پیکرِ تہذیب" کر دیجے رقم

1371ھ

3- محترمہ غلام فاطمہ مرحومہ و مغفورہ

آپ حکیم محمد موسیٰ صاحب کی والدہ محترمہ ہیں۔ آپ پابندِ صوم و صلوۃ خاتون تھیں۔ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ محلہ کے سیکڑوں بچے بچیوں کو حدیث نبوی خیر کم من تعلم القرآن و علمہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے قرآن مجید پڑھایا۔ اس حوالہ سے اپنے علاقہ میں عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مورخہ 11 ربیع الثانی 1392ھ بمطابق 25 مئی 1972ء اس عفیفہ نے جہانِ بے ثبات کو خیر باد کہا اور قبرستان میاں میر کے احاطہ "مقابر چشتیاں" میں پیوند خاک ہوئیں۔ فدا صاحب نے فارسی اور اردو میں مرحومہ کی رحلت پر دو قطعات کہے جو ہدیہ قارئین ہیں:

فضائیں ارض و سما کی نہ کیوں ہوں غمگین آہ
جہاں میں گونج رہی ہے جو آج بانگِ رحیل
یہ ظلِ شفقتِ مادر ہے کس کے سر سے اٹھا
یہ کس نے پھونکا ہے ناگاہ صورِ اسرافیل
ملی یسیری موسیٰ کی آہ مجھ کو خبر
ہوئی کچھ اور شبِ غم کی ساعتیں ہیں طویل
حضورِ حق اسے حاصل ہے باریابی خاص
وہ پاکباز اچانک جو ہو گئی تھی علیل
یہ قصہ مرگِ مفاجات کا ہے سر اللہ
دوامِ زیست کا مژدہ جو لائے عزرائیل
غلام فاطمہ زہرا کنیزِ سرورِ دیں
سراپا زہد و تقدس کی تھی وہ ایک دلیل
رواں ہے آج عدم کو وہ صالحہ خاتون
کہ پیر پیراں کا دل پہ تھا جس کے عکس جمیل
اسے ہو خوفِ سقر کیوں؟ خیالِ خلد ہو کیوں؟
ہو جذبِ عشق محمد کا جو جریح و قتیل
دمِ نزع بھی تھا اس کی زباں پہ نامِ نبی
ہے جس سے نارِ جہنم بھی گلستانِ خلیل
فشارِ قبر سے مامون وہ رہے یارب
لحد میں اس کی منور ہو نور کی قندیل
سنِ وفات پہ اس کے فدا نے رضواں سے
ندائے غیب سنی "داخلِ بہشتِ جزیل"

1392ھ

رفت از بزمِ جہانِ ولہ، بی ثبات
امِ موسیٰ در ارم مسرور شد
آں غلام فاطمہ خلد آشیاں
از میانِ اہلِ خانہ دور شد
رحلت اوو جہ صد ظلماتِ غم
شعلہ رشد و ہدیٰ کافور شد
مریمِ دوراں، عفیفہ، صالحہ
از مئے عرفانِ حق مخمور شد
وقتِ آخر بر لبش نامِ نبی
آں بدرگاہِ اللہ منظور شد
پیکرِ صدق و صفاء شیدائی غوث
زاہدہ، عابدہ، مغفور شد
مرقدِ او بقعہ انوارِ حق
جلوہ صد لالہ زارِ طور شد
گفت ہاتف ای فدا سالِ رحیل
عارفہ، طیبہ، مستور شد

1392ھ

حکیم صاحب اپنے برادر غلام مرتضیٰ چشتی کی قبر پر فاتحہ پڑھ رہے ہیں

4- حکیم محمد نور الدین

آپ حکیم محمد موسیٰ صاحب کے بھائی ہیں۔ طب اپنے والد کے علاوہ آپ نے مسیح الملک حکیم غلام جیلانی (متوفی 9 فروری 1951ء) سے بھی کسب فیض کیا۔ طبیہ کالج ملحقہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فاضل طب کی سند حاصل کی۔ پنجاب ایگری کلچرل کالج فیصل آباد سے فروٹ اینڈ ویجی ٹیبل ریزرویشن کا کورس کیا۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے اللسان العربی کا امتحان بھی پاس کیا۔ عارف بازار بوریوالہ میں طبابت کیا کرتے تھے۔ مورخہ 27 رمضان المبارک 1402ھ بمطابق 19 جولائی 1982ء کو غریق رحمت ہوئے۔ فدا صاحب نے ان کی رحلت پر دو قطعات تاریخ کہے جو خوانندگان گرامی کی خدمت میں پیش ہیں:

ہوا عازم سوئے راہ عدم آہ
وہ مرد حق آگاہ' مخدوم ملت
تھا ارباب علم و حکم میں وہ بے شک
سزاوار تحسین و توقیر و عزت
بہ فیضان گنج شکر یا الٰہ
رہے اس پہ خواجہ گیہاں کی رحمت
فروزاں لحد اس کی ہو "نور دیں" سے
ہوں خدمت کو غلمان و حوران جنت

فدا اس کی رحلت پہ ہاتف نے مجھ سے
کہا "مالکِ مخزن علم و حکمت"

1402ھ

رواں نور دیں ہے بسوئے عدم
ہوا ہجر میں جس کے ہر دل ملول
دعا ہے کرے اس کی رب قدیر
عبادت، ریاضت، اطاعت، قبول
ہوں مامور خدمت پہ اس کی ملائک
نچھاور کریں اس پہ جنت کے پھول
بہ فیضان و اکرام ختم رسل
ہو تربت پہ انوار حق کا نزول
سن وصل مجھ سے فدا قدسیوں نے
کہا عاشق خاکپائے رسول

1402ھ

5- زبدۃ الحکماء حکیم محمد شمس الدین چشتی نظامی

آپ حکیم محمد موسیٰ صاحب کے برادر عزیز ہیں۔ آپ طبیہ کالج ملحقہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے سند یافتہ تھے۔ پاک پتن میں مطب کرتے تھے۔ آپ بھی فرید العصر میاں علی محمد خان صاحب سجادہ نشین بسی شریف (ہوشیار پور) کے مرید باصفا ہیں۔ آپ نے شوقیہ طور پر کتابت بھی سیکھی ہوئی تھی۔ آپ امرتسر کے مشہور خطاط منشی مہردین کے تلمیذ تھے۔ فقیری یونانی دوا خانہ امرتسر کی فہرست ادویات کی کتابت منشی صاحب نے ہی کی تھی۔ آپ نے منشی عبدالمجید پرویں رقم (موجد طرز جدید' متوفی 4 اپریل 1946ء) سے بھی اصلاح لی۔ پیر طریقت میاں علی محمد خان صاحب کے استاذ محترم مولانا دین محمد کی قبر کا کتبہ اور بابا فرید گنج شکر کے عرس پر قوال جو غزل پڑھتے ہیں۔ من نیم واللہ یارا من نیم ...... حکیم شمس الدین کی مکتوبہ ہے اور مزار بابا فرید میں آویزاں ہے۔

جن دنوں خطاط بے عدیل حافظ محمد یوسف سدیدی (متوفی 13 ستمبر 1986ء) پاک پتن میں میاں علی محمد خان صاحب کے مزار کی خطاطی کر رہے تھے حافظ صاحب کا قیام ان ہی کے ہاں تھا۔ حافظ صاحب سے بھی انہوں نے اصلاح لی اور بطور یادگار ایک عدد قلم بھی بنوایا۔ مسجد موج دریا پاک پتن کے آپ منتظم بھی تھے اس مسجد کے متصل آپ نے ایک لائبریری مسعودیہ علویہ بھی قائم کر رکھی تھی۔ آپ کا انتقال 22 ذوالحجہ 1413ھ بمطابق 14 جون 1993ء کو ہوا۔ آخری آرامگاہ قبرستان خواجہ عبدالعزیز مکی (صحابی رسول) پاک پتن کے جوار رحمت میں بنی۔ فدا صاحب نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

اٹھا دار فانی سے ہے شمس دین
وہ اک صاحب علم و فضل و کمال
وہ چشتی نظامی وہ پور فقیر
تھا گنج شکر کی وہ گدڑی کا لال
نہ کیوں حضرت موسیٰ ہوں مضطرب
کہ صدمہ برادر کا ہے لازوال
مطیع خدا، تابع شاہ دیں
تھا عابد و زاہد وہ بے قیل و قال
تھا لقماں صفت طب و حکمت میں بھی
وہ فرد فرید و فضیلت مآل
سراپائے اخلاص و حسن سلوک
وہ خوش خلق و خوش فکر و شیریں مقال
سدا اس کو سرشار رکھا کیا
نبی مکرم کا نور جمال
دعا ہے مری حق میں مرحوم کے
رہے باغ جنت میں آسودہ حال
ندا عرش سے آئی مجھ کو فدا
"غم مرد صالح" ہے سال وصال

1413ھ

6-ڈاکٹر اخلاق احمد رخشانی

حکیم محمد موسیٰ صاحب کے داماد، ہومیوپیتھک ڈاکٹر، سب سے بڑی خوبی یہ کہ اسم بامسمی۔ اس پیشہ کے ساتھ علم و ادب کے ساتھ وابستگی ان کی اضافی خوبی تھی۔ انہوں نے پندرہ روزہ "رخش" شادباغ لاہور سے جاری کیا جس کا صرف ایک ہی شمارہ (26 اگست تا 9 ستمبر 1996ء) شائع ہو سکا۔ دوسرا شمارہ کمپوزنگ کے مراحل طے کر چکا تھا مگر بعض خانگی مصروفیات اور علالت کے سبب چھپ نہ سکا۔ مورخہ 28 جمادی الاخر 1417ھ مطابق 11 نومبر 1996ء کو دماغ کی شریان پھٹ جانے سے انتقال ہوا۔ حسب وصیت جسد خاکی پشین (کوئٹہ) لے جایا گیا اور وہیں اپنے آبائی قبرستان میں اپنے والدین مرحومین کے پہلو میں دفن ہوئے۔ فدا صاحب نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

اس جہان آب و گل سے اٹھ گیا وہ نیک خو
آن واحد میں جسے دست اجل نے آ لیا
دختر موسیٰ کے سر سے اٹھ گیا ظل خدا
صور اسرافیل گویا آج ہی پھونکا گیا
اک قیامت سی قیامت ہو گئی برپا غضب
چرخ کینہ ساز نے گلشن کو ہے صحرا کیا
اشک ہر اک آنکھ سے جاری ہیں جو مثل فرات
فی الحقیقت دفتر اعمال اس کا دھل گیا
طاعت احکام ایزد جس کا ہے ذوق یقیں
ہوتی ہے اس کو ودیعت حق تعالیٰ کی رضا
تھا دم نزع زباں پر جس کی ذکر لا الہ
ہو گئی اس پر نگاہ صاحب غار حرا
ہے دعا میری بصد اخلاص اس کے حق میں یہ
رحمتیں تیری ہوں یا رب اس پہ نازل بے بہا
سال مرگ ناگہاں اس کا فدا نے بر محل
رحلت اخلاق والا جاہ" برجستہ کہا
1996ء

7-ڈاکٹر حکیم غلام مرتضیٰ

آپ حکیم محمد موسیٰ صاحب کے برادر اصغر تھے۔ مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ یونانی علم طب تو وراثت میں پایا اس کے ساتھ ہومیوپیتھک کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ آپ رجسٹرڈ طبیب درجہ اول تھے۔ اردو کے علاوہ جرمن، فرنچ اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ جرمن زبان گوئٹے انسٹی ٹیوٹ نیلا گنبد لاہور سے سیکھی۔ مورخہ 4 جمادی الاخر 1418ھ مطابق 6 اکتوبر 1997ء راہی ملک بقا ہوئے اور درگاہ عالیہ میاں میر میں اپنے خاندانی قبرستان "مقابر چشتیاں" میں سپرد خاک ہوئے۔ نماز جنازہ دو مرتبہ پڑھی گئی۔ پہلی شادباغ میں اور دوسری احاطہ میاں میر صاحب میں راقم الحروف کی امامت میں۔ فدا صاحب نے قطعہ تاریخ کہا۔

راہی عقبیٰ ہوا ہے مرتضیٰ
چھوڑ کر فانی جہان دل پذیر
لمحہ آخر نہ ٹالے سے ٹلے
موت ہے بیشک اٹل جیسے کہ پتھر کی لکیر
بر سر پیکار روز و شب رہا
اٹھ گیا رزم جہاں سے وہ بیسر
معترف تھے اس کے عالی ظرف کے
صاحب علم و ہنر روشن ضمیر
حال پر اس کے سدا رکھیں کرم
خواجہ اجمیر، پیر دستگیر
عشق احمد میں فنا فی اللہ ہے جو
گل بداماں ہو گئی نار سعیر
اس کو تسکیں ہو گی بے خوف و خطر
قبر میں آئیں گے جب منکر نکیر
جملہ نوری اس کے حق میں نغمہ خواں
اور لحد پر رحمت رب قدیر
تھا برادر حضرت موسیٰ کا وہ
کر گیا ہے جو انہیں غم میں اسیر

سال وصل مرتضیٰ کہہ دے فدا
خرم اہل جہاں ابن فقیر

14 ھ 18

دیگر

از سر الہام کہہ دے سال مرگ مرتضیٰ
اے فدا منظور رب پور فقیر

19ء97=1+

8- راشدہ کلثوم

آپ حکیم محمد نور الدین کی دختر نیک اختر تھیں۔ کسی اسکول میں تعلیم کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ آپ نے مورخہ یکم رمضان المبارک 1419ھ مطابق 21 دسمبر 1998ء کو بوریوالہ میں وفات پائی۔ اس سانحہ پر فدا صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار اس قطعہ میں کیا۔

وسیع الاخلاق راشدہ

14 ھ 19

فدا وہ خواہر عطر وہ دختِ نور الدین
ہے بزم عالم رنگیں سے ہو گئی رخصت

سدا رضائے الٰہی سے جو رہی مسرور
تھی پاکباز حق آگاہ پیکر عفت

صلوۃ و صوم کی پابند صالحہ خاتون
بلطف حق جسے حاصل تھی دین کی ثروت

ضیائے نور محمد سے دم بدم یارب
رہے لحد پہ سدا اس کی سایہ رحمت

وفات راشدہ کلثوم پر فدا سے ہاتف نے
کہا ہے "رفت بدار القرار" مادہ رحلت

14 ھ 19

9- اور آخر میں ـــــــ

"جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں"

آبروئے اہلسنّت والجماعت بانی مرکزی مجلس رضا لاہور الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی مورخہ 8 شعبان المعظم 1420ھ بمطابق 17 نومبر 1999ء کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ و انا راجعون۔ "قلم اینجار سید و سر بشکست" فدا صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا۔

غم مقرب والا

14 ھ 20

چل بسا بزم رضا کا بانی و صدر آج آہ
حضرت موسیٰ فدائے سید خیر الامم

مضطرب اس پر اعزہ و احبا ہوں نہ کیوں؟
ناگہاں سر پہ ہے جن کے گر پڑا کوہ الم

حضرت "سلطان ہند" سے تھا تجھے سب کچھ عطا
اور ملا "غوث جلی" سے ورثہ جود و کرم

دوست دشمن سے وضعداری رہی تیری مدام
خدمت انسانیت کا تجھ سے تھا ایسا بھرم

صرف کر دی زندگی تو نے پئے اظہار حق
ہر نفس اسم محمد سے تھا مملو دم بدم

منکرین شرع و دیں خائف رہے تجھ سے سدا
تھا پئے اعدائے حق تو برش تیغ دو دم

بہر استقبال پہنچے خلد میں حور و ملک
عاشق ختم رسل اے زائر بیت حرم

ہر "دیار غیر" میں چرچا تیری سیرت کا ہے
ہیں تیرے عزم و عمل کے معترف عرب و عجم

والہ و شیدائے ختم المرسلیں نور ازل
ہو لحد پہ تیری نازل ابر باران کرم

بندہ احمد رضا کا سال رحلت اے فدا
"منبع فیض عمیم محمد موسیٰ" رقم

14 ھ 20

چہ دلاور است دزدے

مختار جاوید منہاس مدیر "حسن عمل"، لاہور

مال و دولت جمع کرنے کی حرص، جاہ طلبی، ناموری، عزت و مرتبہ اور لوگوں میں ممتاز ہونے کی خواہش، انسانی فطرت میں شامل ہے۔ ماسوائے اللہ کے نیک بندوں کے جو تقویٰ کی بلندی پر سرفراز ہونے کی بدولت ان آلائشوں سے اپنا دامن بچالے جانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

سب سے زیادہ قابل رحم حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو دولت اور شہرت کے حصول کیلئے جائز و ناجائز حق و ناحق کے درمیان حد فاصل کو روند ڈالنے سے ذرا نہیں ہچکچاتے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اکثر ان مکروہات کے مرتکب اپنی نیکی اور پارسائی کا ڈھنڈورہ پیٹتے نظر آتے ہیں۔ وہ لوگوں کو دیانت و امانت کی تلقین کرتے اور خود بد دیانتی اور خیانت کی راہ پر چل کر اپنے مقاصد کی تکمیل کو مباح سمجھتے ہیں۔

علم و ادب کی دنیا میں اعلیٰ تخلیقات کی چوری اور کم تر درجے کے لوگوں کی جانب سے انہیں اپنے نام سے منسوب کرنے کی بیماری نئی نہیں ہے۔ مصنف اور ناشر کی اجازت کے بغیر کتابوں کا چھاپ لینا یا بعض حصوں کا سرقہ کر لینا بھی بہت عام ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ کوئی پسندیدہ اعمال ہیں۔ جب جب اس طرح کے معاملات منظر عام پر آئے لوگوں نے کھل کر اظہار نفرت کیا اور اسے ایک قبیح حرکت قرار دیا۔

یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے کہ راقم الحروف کی کتاب "دار العلوم دیوبند کے سو سال" کی فوٹو اسٹیٹ بنوا کر ایک تبلیغی ادارہ نے میری اور ناشر کی اجازت کے بغیر شائع کر دی۔ میں نے اس پر کوئی تعرض یا احتجاج نہیں کیا کہ چلیں تبلیغی مقصد کے لئے اس "حرکت" سے چشم پوشی کر لی جائے۔ خاص طور سے جب کہ اس ادارہ نے کوئی مالی منفعت بھی حاصل نہیں کی۔ اگر احقر سے اجازت لے لی جاتی تو زیادہ خوشی ہوتی۔

خیر یہ تو درمیان میں ایک بات آ گئی جو محض حقیقت حال کے طور پر بیان کر دی گئی ورنہ اب کیسا شکوہ؟ ——— بھارت کے معروف مصنفوں کی کتابیں یہاں دھڑا دھڑ چھپ رہی ہیں، جب کہ ایسی ہی کہانیاں پڑوسی ملک کے متعلق بھی سننے میں آ رہی ہیں۔

نامی گرامی شعرائے کرام کا کلام اپنے نام کے ساتھ سنانے کا قصہ تو عام ہے۔ تاریخ میں ایک انوکھا واقعہ ایسا بھی ملتا ہے کہ جب کلام ہی نہیں، صاحب کلام بھی چوری ہو گئے۔ تفصیل کچھ یوں ہے کہ فارسی کے نامور شاعر انوری کا کلام ایک صاحب کسی محفل میں لہک لہک کر سنا رہے تھے اور داد بٹور رہے تھے۔ اتفاق سے انوری بھی ادھر آ نکلے۔ انوری نے سرقہ کے مرتکب شخص سے کہا ——— "جانتے ہو یہ کلام انوری کا ہے اور تم اسے اپنے نام سے سنا کر بددیانتی کا ارتکاب کر رہے ہو" ——— اس شخص نے کمال ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔ "جی ہاں! یہ انوری کا کلام ہے اور چونکہ انوری میں ہی ہوں، اس لئے چوری کیسی؟" بدقسمتی سے وہاں انوری کو کوئی نہیں پہچانتا تھا اس لئے الٹا انہیں ہی شرمندہ ہونا پڑا۔ اس پر انوری نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ "آج تک اشعار کی چوری کا تو سنتے آئے تھے یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ شاعر ہی چوری ہو گیا۔"

تمہید کچھ طولانی ہو گئی ہے، لیکن جو واقعہ بلکہ حادثہ میرے علم میں آیا ہے اور جو اس مضمون کے لئے تحریک بنا ہے وہ اس قدر تکلیف دہ اور شرمناک ہے کہ براہ راست اس سے ابتدا کرنا میرے لئے خاصا دشوار ہو رہا تھا۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ سے قائم ہونے والی مرکزی مجلس رضا لاہور، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے فیوض و برکات سے اہل وطن کو سیراب کرنے کا کار خیر بڑی عمدگی اور برق رفتاری کے ساتھ انجام دے رہی تھی کہ کچھ "کرمفرماؤں کی مہربانی" سے مجلس کی بساط لپیٹ دی گئی اور حکیم صاحب مرحوم و مغفور دل برداشتہ ہو کر لا تعلق ہو گئے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد، آں آشنا کرد

مالی خرابیوں کی شکایات متواتر مل رہی تھیں۔ جن کی موجودگی میں حکیم صاحب" مجلس کی سرپرستی جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ یہ بھی ان کی عظمت اور بے لوثی کا ثبوت ہے کہ وہ مجلس جو دراصل ان کے نام سے ہی جانی اور پہچانی جاتی تھی اس میں سے ناپسندیدہ عناصر کو نکال باہر کرنے کی بجائے، خود الگ ہو گئے۔

واقف حال لوگ خوب جانتے ہیں کہ مجلس کے ابتدائی ایام آل انڈیا مسلم لیگ سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ جب قائداعظم نے یہ فرمایا تھا کہ "مسلم لیگ ہے کیا؟ ـــــ میں، میری بہن فاطمہ اور ایک ٹائپ رائٹر؟" ہم نے برسوں حکیم صاحب کو عرق ریزی کرتے اور برادر عزیز ظہور الدین خان کو بھاگ دوڑ کرتے دیکھا۔ اس زمانہ میں مجلس انہی دو حضرات کا نام تھا۔ جب مال و دولت کی شیرینی آنے لگی تو مکھیاں بھی بھنبھنانے لگیں۔ مخلص اور بے لوث لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ ان کے احترام میں آج بھی آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ ہم تو ان کے ذکر سے کبیدہ خاطر ہیں جن کی حرص اور طمع نے ایک عظیم الشان تحریک کا خون کر دیا۔

ایک صاحب مجلس کی مطبوعات کی اکثر کتابتیں لے اڑے، جن کے بل پر وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے مشن کے پرچار کا علم اپنے نام کے ساتھ اڑا رہے ہیں۔ ایک طباعتی ادارے کے نام پر مال کما رہے ہیں اور تبلیغی ادارے کے نام پر شہرت و نیک نامی۔

ہمیں شاید اس پر بھی زیادہ اعتراض نہ ہوتا۔ اگر وہ مجلس رضا اور حکیم صاحب مرحوم و مغفور کی خدمات کے اعتراف کی اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرتے۔ زیادہ احسن طریقہ تو یہ تھا کہ مجلس کے کام کو اس کے نام کے ساتھ ہی قائم رکھا جاتا اور ترویج کی جاتی یا کم از کم مجلس اور حکیم صاحب" کے شکریہ کے ساتھ مجلس کی مطبوعات کو شائع کرتے، لیکن اس کے لئے جس بلند اخلاق اور اعلیٰ اقدار کی ضرورت ہے وہ ہر کسی کے نصیب میں کہاں؟

اب آیئے اس واقعہ کی طرف جس کی وجہ سے ہم قلم اٹھانے پر مجبور ہوئے ـــــ مرکزی مجلس رضا، لاہور نے دسمبر 1984ء میں اپنے سلسلہ مطبوعات کی 67 ویں کتاب "امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم" کے نام سے شائع کی۔ اس کے مؤلف معروف محقق، حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ ہیں۔ ہمارے ممدوح نے یہ کتاب اب رضا دارالاشاعت کے زیر اہتمام شائع فرمائی ہے۔ ظاہر ہے، کتابت وہی مجلس رضا کی کتاب والی استعمال کی گئی ہے لیکن جو تصرفات اور کمالات دکھائے گئے ہیں وہ ایسے انوکھے اور لاجواب ہیں کہ بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چناں کنند

کچھ چیزیں غائب کر دیں، تو کچھ بڑھا دیں اب ان کا تعلق کتاب کے موضوع سے بنتا ہو یا نہیں، ان کی بلا سے۔

ہمیں اس کارنامہ سے وہ کاتب یاد آ رہے ہیں جن کی خوش نویسی کی ایک زمانہ میں دھوم تھی مگر اس کے ساتھ ہی ان کی یہ عجیب عادت تھی کہ جہاں چاہتے مسودے میں تبدیلی کر دیتے۔ لوگ ان کی اس زیادتی پر بہت نالاں تھے مگر ان کے

فن کی وجہ سے ان کے ہاں کتابت کرانے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔

ایک رئیس کو قرآن مجید کی طباعت کا شوق ہوا۔ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ منہ مانگا معاوضہ دینے کے بعد گزارش کی کہ وہ اپنی تبدیلی کرنے والی حرکت سے باز رہیں۔ کاتب صاحب نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا "توبہ کیجئے صاحب! مجھے کیا کافر ہونا ہے کہ کلام اللہ میں تبدیلی کا ارتکاب کروں؟"

وعدہ کے مطابق جب رئیس قرآن مجید کی کتابت حاصل کرنے آئے تو کاتب کے حسن کتابت کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"کیوں جناب وہ تبدیلی والا کمال تو نہیں دکھایا نا؟"

کمال بے نیازی کے ساتھ بولے "نہیں کوئی خاص نہیں۔"

رئیس نے سر پیٹ لیا اور سراپا حیرت بن کر پوچھا "یعنی باز نہیں آئے، اچھا یہ تو بتایئے کہ کیا کیا ہے؟"

وہ اس اطمینان اور سکون کے ساتھ گویا ہوئے "جناب! دیکھئے نا بعض الفاظ تو سراسر قرآن کی شان کے خلاف ہیں۔ اب بھلا کتے، خنزیر اور شیطان وغیرہ کا قرآن میں کیا کام؟ _____ سو میں نے ایسے تمام ناپاک الفاظ نکال باہر کئے ہیں اور ان کی جگہ کہیں آپ کا اور کہیں اپنا نام، کہیں آپ کے والد بزرگوار کا تو کہیں اپنے باپ کا نام لکھ دیا ہے۔"

وہ جو کہتے ہیں نا کہ ۔

نقل را ہم عقل باید

تو جہالت کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ سیدھی سادی نقل کرنے یا وہی کتابت اٹھا کر چھاپ دینے کی بجائے ایسی تبدیلی اور کمی بیشی روا رکھی گئی جس نے اچھی خاصی کتاب کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ جب اس "واردات" کا علم کتاب کے مولف حضرت مولانا جلال الدین قادری مدظلہ کو ہوا تو ان کے دل پر کیا گزری، اس کی ایک جھلک ان کے مکتوب گرامی میں دیکھی جا سکتی ہے جو انہوں نے "رضا دار الاشاعت" کے ناظم کے نام لکھا۔ ذیل میں ہم اس خط کا پورا متن نقل کر رہے ہیں۔

بخدمت حضرت ناظم صاحب، رضا دار الاشاعت، لاہور

سلام مسنون! مزاج گرامی۔ آپ کے زیر اہتمام "امام احمد رضا قدس سرہ کا نظریہ تعلیم" شائع ہوئی۔ ایک دوست نے کتاب دکھائی۔ فقیر غفرلہ اپنے نام کی ابتدا میں لفظ "سید" دیکھ کر حیران ہوا۔ سادات کرام کا ادب و احترام فقیر غفرلہ کے ایمان کا حصہ ہے۔ مگر یہ فقیر "سید" نہیں، مزدور زادہ ہے۔ اور اسی نسبت پر اطمینان ہے۔ جب ورق گردانی کی تو کئی اور انکشافات ہوئے۔

1- اندرونی صفحات پر چند مقامات پر فقیر کے نام کے ساتھ لفظ "سید" درج کیا گیا۔ جو واقعتاً غلط ہے۔

2- کتاب مذکور مرکزی مجلس رضا لاہور نے پہلی مرتبہ ربیع الاول 1405ھ/دسمبر 1984ء کو شائع کی۔ جب کہ آپ نے پیش لفظ کے طور پر علامہ ارشد القادری مدظلہ کی ایک تحریر محررہ 6 مارچ 1982ء کی شامل کی۔ یہ کیسے ممکن ہوا؟ _____ اس پیش لفظ میں رضا اکیڈمی کا بھی ذکر ہے۔ جب کہ رضا اکیڈمی یقیناً 1984ء سے بعد میں قائم ہوئی۔

3- اصل کتاب سے 9 صفحات کی تقدیم غائب کر دی گئی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

4- اصل مضمون کی ابتدا میں ایک صفحہ غائب ہے اس صفحہ میں مقالہ کی تدوین کے مراحل کا ذکر تھا۔ اس کا حذف تاریخ سے ناانصافی ہے۔

5- اصل کتاب میں ایک صفحہ "اظہار تشکر" کا غائب ہے جن احباب نے مقالہ کی تدوین میں اعانت فرمائی ان کا ذکر ضروری ہے۔

6- اہل علم کا احترام و ادب، دنیا و برزخ کا باہمی تعاون، حق

العبد، مسجد کے آداب، وضو کا مسنون طریقہ، وضو کی دعائیں اور رد بدعات سے متعلق امام احمد رضا خان قدس سرہ کے چند فتاویٰ اپنی جگہ قابل قدر ہیں مگر اس کا موضوع سے کیا تعلق ہے؟ _____ یہ تحریر جو 18 صفحات پر مشتمل ہے فقیر غفرلہ کی نہیں اور نہ اصل کتاب میں شامل ہے اس کے شامل کرنے کا کیا سبب ہے؟

7- اصل کتاب مطبوعہ مرکزی مجلس رضا کا صفحہ 59 غائب ہے بلکہ صفحہ 58 کے آخر میں بھی ایک عبارت حذف کر کے مضمون کو غیر مربوط اور ناقص بنا دیا گیا ہے۔

8- پرنٹ لائن سے معلوم نہیں ہوتا کہ کتاب کی یہ کونسی اشاعت ہے آپ کا یہ جملہ "پہلے سے بھی عمدہ انداز میں شائع کرنے کی سعی کی جا رہی ہے" درج بالا حقائق کے پیش نظر کتنا "برمحل" ہے۔ مزید برآں آپ نے اشاعت سے پہلے اجازت لینا تو گوارا نہ کیا بلکہ اطلاع دینا بھی مناسب نہ جانا۔ فقیر غفرلہ ایک عرصہ سے صاحب فراش ہے، قلم و کتاب سے رشتہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ براہ کرم ممکنہ حد تک ان اغلاط کی تصحیح فرمائیں۔ تصحیح نامہ شائع کریں۔ وما علینا الا البلاغ۔

فقیر قادری محمد جلال الدین عفی عنہ، کھاریاں

18 / 12 / 1418ھ

16 / 4 / 1998ء

یہ جناب قادری صاحب کا ہی حوصلہ ہے کہ ڈاکہ زنی کی دلیرانہ واردات پر دل خراش احتجاج کی بجائے، اصلاح احوال کی درخواست کر رہے ہیں حالانکہ جرم کے مرتکب کو قانون کے کٹہرے میں بھی طلب کروایا جا سکتا تھا۔

اب اتنے بڑے واقعہ پر خود مولف کے خط کو ہمارے "ممدوح" کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ یہ ان کے جوابی مکتوب کو پڑھنے سے بہت کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ کتاب "رضا دار الاشاعت" کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

فاضل مولف نے بھی خط "رضا دار الاشاعت" ہی کے [illegible] فرمایا۔ لیکن جواب "رضا اکیڈمی" کے لیٹر پیڈ پر دیا [illegible] ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

محترم المقام حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری صاحب [illegible]

سلام و رحمت - مزاج گرامی!

آپ کا وضاحت نامہ باصرہ افروز ہو کر کاشف احوال [illegible] اغلاط کی نشاندہی پر ممنون ہوں۔ انشاء اللہ العزیز آئندہ اش[illegible] میں تصحیح کر دی جائے گی۔ آپ کو کتب کی ضرورت ہو [illegible] کاپیاں ارسال کی جا سکتی ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عاجلہ عطا [illegible] فرمائے اور رضا اکیڈمی کو اپنے قیمتی نوادرات سے بہر[illegible] کریں۔ باقی حالات لائق صد شکر ہیں۔

فقط والسلام مع [illegible]

خیر اندیش محمد مقبول احمد ضیائی [illegible]

رضا اکیڈمی [illegible]

21 اپریل [illegible]

کیوں جناب ہے کہیں پیشانی پر ندامت کا ایک [illegible] _____ ہے پوری تحریر میں کہیں معذرت کا کوئی [illegible] لفظ؟ _____ کس شان کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے _____ "آپ کو کتب کی ضرورت ہو تو چند کاپیاں ارسال کی جا [illegible] ہیں" انا للہ وانا الیہ راجعون۔

واقعی حرص و لالچ کی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے اور [illegible] نظر محض روپیہ پیسہ بن کر رہ جائے تو یہی حال ہوتا ہے۔

مجلس کی شائع کردہ کتابوں پر ہاتھ صاف کرنے اور [illegible] گئی کتابت کو استعمال کرنے کی یہ واحد واردات نہیں [illegible] اکتوبر 1998ء میں "رضا دار الاشاعت" ہی کے زیر اہتما[illegible] اور کتاب "ضیائے مدینہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب پر بطور مرتب ہمارے "ممدوح" کے فرزند ارجمند [illegible]

قاری محمد طاہر رضا کا اسم گرامی دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ مرکزی مجلس رضا، لاہور کی کتاب "انوار قطب مدینہ" مطبوعہ ربیع الاول 1408ھ کی کتابت سے "استفادہ" کیا گیا ہے۔ اصل کتاب کے مرتب جناب خلیل احمد رانا ہیں۔

"ضیائے مدینہ" کے لباس میں چھپنے والی کتاب کے فاضل مرتب نے دعویٰ کیا ہے کہ انوار قطب مدینہ عدم دستیابی کے باعث ضیائے مدینہ نے طباعت کا لباس پہنا۔ پیش نظر کتاب کا بنیادی ماخذ انوار قطب مدینہ ہے جس سے بھرپور استفادہ کیا گیا ____ اب کسی کی کتاب کا بیشتر حصہ اپنے نام سے چھاپ لینے کو اگر "استفادہ" کہتے ہیں تو "سرقہ" کس کو کہیں گے؟ اسے کہتے ہیں ____

بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ

نئے مرتب صاحب نے اپنے والد گرامی کی شفقت و سرپرستی کو بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ جس کے بغیر "وہ اس نعمت عظمیٰ سے شاد کام ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔" غالباً شفقت و سرپرستی سے ان کی مراد مجلس کی مطبوعہ کتب کی کتابتوں کی فراہمی ہے جس کے بغیر واقعی یہ کارنامہ انجام نہ پا سکتا۔

مرتب جدید صاحب نے ایک نئی تحقیق بھی کی ہے کہ ان کے ایک مربی مولانا محمد منشا تابش قصوری ہی "انوار قطب مدینہ" کی ترتیب و تصحیح کے ذمہ دار تھے اور یہ تو محض اتفاق ہے کہ "انقلاب زمانہ" نے محترم خلیل احمد رانا کو مرتب ہونے کی سعادت سے نوازا ____ جب مقصد نیک اور ایک ہو تو ذاتیات کو علامہ قصوری صاحب آڑے نہیں آنے دیتے، یہ باتیں عارفان راز سے قطعاً پوشیدہ نہیں۔

سو جناب! یہ تو تابش قصوری صاحب کا "مال" تھا جب چاہا خلیل احمد رانا کے نام کر دیا اور جب دل بھر گیا تو یہ "جائیداد" حافظ محمد طاہر رضا کے نام ہبہ کر دی۔

راقم نے انوار قطب مدینہ مرتبہ جناب خلیل احمد رانا تو بہت پہلے پڑھی تھی۔ حافظ محمد طاہر صاحب کے نام سے شائع ہونے والی ضیائے مدینہ کو تفصیلاً نہیں دیکھ سکا۔ دونوں کتابیں سامنے رکھنے سے ایک ہی کتابت کے استعمال کی شہادتیں اتنی زیادہ ہیں کہ دراصل یہ "انوار قطب مدینہ" ہی کا دوسرا ایڈیشن لگتا ہے، لیکن حافظ صاحب کا اصرار ہے کہ انہوں نے محض استفادہ کیا ہے۔

مجھے ذاتی طور پر حاجی مقبول احمد ضیائی یا ان کے صاحبزادے سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اللہ کرے ان کا کاروبار پھلے پھولے، لیکن اس کے لئے لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ بہت سا کام کرنے کا ہے جس کے لئے پرخلوص سعی کی جائے تو اب تک کی روش کی تلافی بھی کی جا سکتی ہے۔

راقم الحروف کو اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت رحمۃ اللہ علیہ کے افکار عالیہ کی ترویج اور ان کی روشن کردہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع کے فروزاں رہنے کے سوا کسی شے سے غرض نہیں۔ اس کار خیر میں مرکزی مجلس رضا اور اس کے بانی و سرپرست حکیم اہلسنت حضرت حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ کو ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

آج کوئی بھی شخص اس بطل جلیل اور اس کے مقدس و مسلسل جہاد کے نقوش کو عوام اہلسنت کے اذہان و قلوب سے کھرچنے کی کوشش کرے تو منہ کی کھائے گا۔ چوری کی کتابتوں کو من مانے طریقہ سے چھاپنے کے مذموم کاروبار کی بجائے، مجلس ہی کے پلیٹ فارم سے اسی نام کے ساتھ کتابوں کی اشاعت وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

پچپن ریلوے روڈ کا خانخاناں

محمد نذیر رانجھا۔ اسلام آباد

برصغیر پاک و ہند کے علمی و عرفانی حلقوں کے قابل احترام، پاکستان کے نامور مصنف و محقق اور لاتعداد محققین، مورخین، فاضلین اور اہل علم کے محسن، معاون اور خیر خواہ، موقر ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور کے مدیر مسئول اور کئی دیگر مجلات اور رسائل کے اعزازی مدیر و سرپرست، ممتاز معالج اور حکیم حاذق مخدومی حضرت مولانا الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ 8 شعبان المعظم 1420ھ 17 نومبر 1999ء بروز بدھ کو ساڑھے بارہ بجے دوپہر رحلت فرما گئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ انہیں سینکڑوں سوگواروں کی موجودگی میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ قبرستان حضرت میاں میر فاروقی قادری رحمۃ اللہ علیہ لاہور کے احاطہ مقابر چشتیاں میں دفن کیا گیا ہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ امرتسر کے مشہور عالم، عارف اور ممتاز طبیب حکیم فقیر محمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ (1864ء - 1952ء) بن حکیم نبی بخش چشتی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ عربی صرف و نحو کی تعلیم مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی مدرس نعمانیہ امرتسر سے حاصل کی اور بعد ازاں حضرت علامہ محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ (م 1944ء) سے تحصیل علم کی۔ علم طب کی تحصیل و تکمیل اپنے والد بزرگوار سے کی اور مثنوی معنوی مولانا روم قدس سرہ العزیز کے پہلے دفتر بھی سبقاً سبقاً انہی سے پڑھے۔

آپ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک چوک فرید امرتسر، رام گلی لاہور اور 55 ریلوے روڈ لاہور پر اپنے مطب اور حکمت کدے میں ہزاروں مریضوں کا علاج و معالجہ کرتے رہے اور ساتھ ساتھ طلباء، علماء، مصنفین اور محققین کی معاونت، رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ حکیم صاحب کی کمی نہ صرف پاکستان میں بلکہ برصغیر پاک و ہند اور دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک کے اہل علم و فضل میں شدت سے محسوس کی جاتی رہے گی اور ان کا نام نامی علمی و ادبی اور دینی حلقوں میں ہمیشہ نیکی اور خوبی کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ حکیم صاحب کے مطب رام گلی لاہور سے لے کر حکمت کدے پچپن ریلوے روڈ لاہور تک میں سجنے والی مجالس و محافل کے شرکاء کا جو تاحال زندہ ہیں وہ یقیناً اس بات کے قائل ہیں کہ برصغیر پاک و ہند کے صوفیاء علماء اور صلحاء کے احوال و آثار، تاریخ و سیئر اور دوسرے کئی فنون پر انہیں خوب دسترس حاصل تھی اور وہ مریضوں کی لمبی قطار اور دانشوروں کی خاصی تعداد کو ایک ساتھ بیٹھے بیٹھے مستفید فرما دیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال کا حافظہ ودیعت فرمایا تھا۔ علم طب تو ان کا خاندانی پیشہ تھا۔

در وصف کمالش عقلا حیرانند
بقراط حکیم و بو علی نادانند

حکیم صاحب بچپن میں اپنے والد گرامی فخر الاطباء حضرت فقیر محمد چشتی کی خدمت میں محو مطالعہ

با ایں ہمہ علم و فضل و کمال
در مکتب او الف خوانند

وہ علم پروری اور معارف نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ لکھنے پڑھنے والوں کی کمک کرنا' وادی علم و ادب کے نوادرین کی رہنمائی فرمانا' کتابوں کی نشر و اشاعت' جمع آوری اور مفت تقسیم ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس پہلو میں یقیناً وہ یکتائے روزگار تھے اور بڑے بڑے وسائل والے بھی ان کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے۔

حکیم صاحب کے ہاں آنے والے اہل علم و فضل میں ملکی و غیر ملکی' مسلم اور غیر مسلم سبھی شامل ہوتے' اور وہ مذہبی' گروہی اور مسلکی قیود سے بالاتر ہو کر کھلے دل سے' تشنگان علم و دانش کی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک امریکی اسکالر مسٹر آرتھر فرانک بوہلر اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے تحقیقی کام کے سلسلے میں حکیم صاحب کے حکمت کدے میں پہنچے۔ مقالہ کا عنوان تھا "پنجاب میں نقشبندی روحانی اتھارٹی 1857ء - 1947ء" حکیم صاحب کی رہنمائی کے بارے میں ان کا کہنا ہے۔

"میرے بشریاتی عملی تجربے کا سب سے بڑا حصہ نہ ختم ہونے والی اس تلاش و جستجو کا نتیجہ ہے جو مجھے صوفیانہ مواد کے لئے کرنا پڑی۔ یہ مواد پاکستان بھر میں ذاتی اور عوامی ذخائر (کتب) میں بے ربط انداز سے بکھرا پڑا ہے۔ کون سے کتب لکھی گئیں اور کہاں موجود ہیں؟ یہ جاننے کے لئے مرکز حکیم صاحب کی شخصیت تھی جو دراصل کتابیاتی معلومات کا ایک زندہ خزانہ ہیں۔ انہوں نے ہی اس تحقیق میں میری سب سے زیادہ رہنمائی کی۔ بہت سے لوگوں کے لئے حکیم صاحب ایک صوفی ہیں جن کا پیشہ (یونانی) طبابت ہے۔ میں ہفتے میں ایک

بار ان کے مطب میں حاضری دیتا جہاں وہ فاضل اسکالروں اور مصنفین کے ملے جلے سامعین کے درمیان مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوتے اور اس کے ساتھ ساتھ مریضوں کی ایک قطار مطب میں داخل ہوتی اور چلی جاتی۔ جاری علمی گفتگو اور نسخہ نویسی کے دوران وہ مجھے لاہور شہر کے قرب و جوار میں کتابیں تلاش کرنے کے لئے دس (بہت سے) کام بتا دیتے۔ جب میں یہ کام مکمل کر لیتا تو ان کو جا کر بتاتا وہ کئی اور کام مجھے تفویض کر دیتے۔" (فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری 8:1)

ایک مغربی سکالر کے یہ الفاظ حکیم صاحب کی علم و ادب دوستی اور معارف پروری کی کتنی اچھی سند ہے۔ وہ یونہی اپنی مشفقانہ و محققانہ رہنمائی کے ذریعے ہزاروں مصنفین و محققین کی معاونت اور اہل علم و دانش کی تربیت و پرورش اور ترویج و ترقی کے لئے عمر بھر بے لاگ خدمت کرتے رہے ہیں۔ جس کی بنا وہ ملکی اور غیر ملکی سطح پر قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے کردار کی نمایاں خوبیوں میں ان کی فیاضی بھی دیدنی اور شنیدنی تھی۔ ہر روز بیسیوں افراد کی خاطر مدارت اور میزبانی کرنا ان کا شیوہ تھا۔ کتابیں خرید کر اہل علم و فضل کو بذریعہ ڈاک بھیجنا ان کا معمول تھا۔ سینکڑوں روپے کا ڈاک خرچ اور کتاب کی قیمت الگ برداشت کرتے تھے۔ ہر آدمی کی علمی ضرورت کے مطابق کتاب اور علمی تحفہ بھیجنا ان کا ذوق تھا۔

حکیم صاحب نئے اور پرانے لکھنے والوں کے ساتھ ایک جیسا حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔ وسیع المشربی اور وسیع القلبی سے مالا مال تھے۔ وہ ایسا گھنا اور سایہ دار درخت تھے جس پر کوئی کانٹا نہیں تھا اور وہ ہمہ وقت سرسبز و شاداب رہتا تھا۔ ہر ذی روح اس کی ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں تلے آنا اور ستانا پسند کرتا تھا اور اس کے سائے میں پل بھر بیٹھنے والا اسے عمر بھر بھلا نہیں سکتا تھا ان کے اچانک رحلت فرما جانے سے یوں لگ رہا ہے کہ۔

سارے جہاں کی دھوپ میرے گھر میں آ گئی
مجھ پر تھا جس درخت کا سایہ وہ کٹ گیا

ان کے ذاتی کتب خانہ میں ہزاروں کتب نادرہ کا ذخیرہ تھا جسے انہوں نے 24 دسمبر 1989ء کو پنجاب یونیورسٹی لاہور کو بطور عطیہ دے دیا تھا۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی طرف سے فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری" مرتبہ سید جمیل احمد رضوی کی تین جلدیں تاحال طبع ہو چکی ہیں جن میں 6,890 کتب کا تعارف و تفصیل درج ہیں اگر مجموعات میں شامل کتب کو الگ الگ شمار کیا جائے تو یہ تعداد اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اپنا قیمتی ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی لاہور کو تحفہ میں دے کر اس مادی دور میں ایک قابل تقلید مثال پیش فرمائی ہے اور اہل علم و دانش پر مز[ید] احسان فرمایا ہے۔

حکیم صاحب کے احوال و خدمات کے بارے میں ان کی زندگی میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ان کے اخلاق و محاسن اور علمی و ادبی کارناموں اور مذہبی و روحانی درجات و خدمات پر خوب لکھا جائے گا اور سچ تو یہ ہے کہ ہم سب کو حکیم صاحب کے احسانات کا بدلہ چکانا ہو گا انشاء اللہ العزیز۔

بلا مبالغہ حکیم صاحب سے مستفید ہونے والے اہل علم و دانش کے لئے رام گلی لاہور کے مطب کے حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب ہی فوت نہیں ہو گئے بلکہ ان کے ہمراہ ریلوے روڈ لاہور کے حکمت کدے کے عظیم المرتبت، ر[فیع] الدرجات خادم العلم والعلماء، محسن طلباء، محب العرفاء خانخاناں حضرت مولانا علامہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظ[امی] رحمۃ اللہ علیہ ملک بقا ہو گئے ہیں۔ اللہ کریم ان پر اپنی ہزاروں ر[حمتیں] نازل فرمائے اور انہیں قبر و حشر میں اپنے حبیب مکرم حضر[ت] محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے اور جنت الفردو[س] کے اعلیٰ مراتب سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

دبستانِ موسیٰ

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کی شہرۂ آفاق تحریریں

ہماری مطبوعات

کتاب	قیمت
بارہ تقریریں	72.00
سنی بہشتی زیور مکمل 12 حصہ	190.00
مواعظ القرآن والحدیث	100.00
گنج الاسرار	15.00
تذکرہ حضرت داتا گنج بخش	36.00
تاریخ مشائخ چشت	150.00
155 بزرگان لاہور	90.00
حاشیہ فوائد مکیہ	50.00
مقامات اولیاء	69.00
شرح قصیدہ غوثیہ	30.00
تاریخ مدینہ	[illegible]0.00
رسول اللہ ﷺ کی مبارک عادتیں	18.00
مسلمان خاوند مسلمان بیوی	18.00
نماز حنفی	21.00
مسلمان خاوند مع مسلمان بیوی مجلد	42.00
مسئلہ گیارھویں شریف	7.50
ملفوظات اعلیٰ حضرت	100.00
تعلیمات اعلیٰ حضرت	60.00
الامن والعلی	72.00
کفریات وہابیہ	18.00
خطبات رضویہ	10.00
حدائق بخشش کامل	54.00
تذکرہ خواجگان چشت اہل بہشت	170.00

طبی مطبوعات

کتاب	قیمت
تحقیقات علم الادویہ مجلد	80.00
تحقیقات تین انسانی زہر مجلد	66.00
تحقیقات الامرض والعلامات مجلد	66.00
تحقیقات وعلاج جنسی امراض	65.00
تحقیقات فارما کوپیا	
تحقیقات سوزش واورام	40.00
تحقیقات نزلہ وزکام مجلد	45.00
تحقیقات قانون مفرد اعضاء	
تحقیقات امارہ شباب مجلد	75.00
تحقیقات المجربات مجلد	75.00
تحقیقات علاج بالغذا مجلد	100.00
تحقیقات نزلہ وزکام (وبائی)	
تحقیقات تپ دق وسل مجلد	45.00
تحقیقات حمیات (بخار) مجلد	75.00
اسلام اور جنسیات	40.00
فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے مجلد	66.00
بڑھاپا قابل علاج مرض ہے	
ملیریا کوئی بخار نہیں	
مبادیات طب	66.00
تپ دق اور خوراک	
تعارف قانون مفرد اعضاء	
میرا مطب مجلد	80.00
رہبر نظریہ مفرد اعضاء	70.00
سوانح حیات صابر ملتانی	
حیات شریف	25.00
مجربات قانون مفرد اعضاء	30.00
چارٹ مجربات قانون مفرد اعضاء	5.00
چارٹ امرض والعلامات	5.00
چارٹ علم الادویہ	5.00

تبلیغی کتب نوری فاؤنڈیشن

نام کتب	مطلوبہ ڈاک ٹکٹ
شفاء القلوب	10.00
کلام معصوم	10.00
اسلامی شادی (پنجابی کلام)	3.00
معصوم ہدایت (پنجابی کلام)	10.00
بجری روٹی (پنجابی کلام)	3.00
ہدایت نامہ بے نمازاں (پنجابی کلام)	3.00
ڈھولکی نامہ (پنجابی کلام)	3.00
فضیلت کی راتیں	5.00
نماز پڑھنے کے فائدے اور نہ پڑھنے کے نقصانات	10.00
چارٹ اوقات نماز دائمی	5.00
چارٹ نماز مترجم	5.00

(مفت تقسیم کرنے والے حضرات کے لئے مزید خصوصی رعایت)

کتاب	قیمت
انفاس العارفین	90.00
امداد المشتاق	60.00
طریقہ فاتحہ	18.00
اکابر تحریک پاکستان اول، دوم	200.00
سنی تعلیم الاسلام	66.00
جماعت اسلامی تنقیدی جائزہ	21.00
بہار عقیدت	7.50
مجموعہ نعت حصہ دوم	51.00
نوری بستاں	18.00
تذکرہ غوثیہ	100.00
یزید تاریخ کے آئینہ میں	39.00
رسالہ روحی	7.50
کشف المحجوب اردو	100.00
فتوح الغیب عربی/اردو	45.00
ذکر حبیب	39.00
تفسیر سورۃ یوسف امام غزالی	60.00

حمدِ بے حد مر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را
آں کہ ایماں داد مُشتِ خاک را

کچھ باتیں —— کچھ یادیں

دولت خدا داد پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے وقت تک برصغیر پاک و ہند کے قریے قریے میں جید علمائے حق موجود تھے اور اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کو فیض یاب کرتے رہے مگر اہلسنت کی شومی قسمت کہ وہ علمائے حق یکے بعد دیگر عازم خلد بریں ہوتے چلے گئے۔ ان میں سے بہت سے حضرات بجا طور پر علم کے ہمالہ تھے مگر شہرت ان پر فریفتہ نہیں تھی لہٰذا ان کا تعارف صرف حلقہ علماء تک محدود رہا۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری چشتی اشرفی امیر حزب الاحناف لاہور (رحمۃ اللہ علیہ) اور غزالی زماں، رازی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی چشتی صابری قادری بانی انوار العلوم ملتان (رحمۃ اللہ علیہ) ان بزرگوں میں سے ہیں جو علم و فضل کے بحرِ ذخار اور دریائے معرفت کے شناور تھے شہرت ان پر ایسی عاشق و شیدا تھی کہ ہر وقت ان کے دروازوں پر دربانی کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔ یہ دونوں بزرگ قیام پاکستان سے بہت پہلے پورے برصغیر پاک و ہند میں اپنی فضیلت علمی اور شرافت نفسی کا لوہا منوا چکے تھے۔ امرتسر میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عرس مبارک نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوا کرتا تھا۔ اس مقدس و بابرکت محفل میں سربر آوردہ مشائخ عظام اور جید علمائے کرام شرکت کرنا باعث فخر و مباہات جانتے تھے۔ چنانچہ مذکورۃ الصدر دونوں بزرگ بھی اس سہ روزہ محفل (اجلاس) میں شرکت فرماتے اور اہالیان امرتسر کو اپنے مواعظ حسنہ و علمیہ سے بہرہ ور فرماتے تھے لہٰذا احقر اس زمانے سے ان بزرگوں کے مداحین میں شامل تھا۔ پاکستان میں ہجرت کے بعد ان بزرگوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا بھی موقع میسر آیا اور یہ ہردو بزرگ فقیر حقیر پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔

1973ء میں جب راقم السطور کو مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی تو وہاں قطب مدینہ، شیخ العرب و العجم حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری، مہاجر مدنی خلیفہ خاص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی (قدس سرہما) کے آستانہ عالیہ پر ہر روز حاضری سے مشرف ہوتا رہا اور متعدد مرتبہ حضرت قطب مدینہ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ ارشاد فرمایا

"اس وقت پاکستان میں صرف دو ہی معتبر اور قابل اعتماد عالم دین ہیں ایک حضرت ابوالبرکات سید صاحب اور دوسرے

علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب"(1) (بلفظہ بقدر حافظہ)

حضرت قطب مدینہ کی لسان فیض ترجمان سے ان بزرگوں کی عظمت کے اعلان سے مجھے بے حد خوشی محسوس ہوئی کہ ان کے بارے میں میرا فیصلہ بالکل صحیح ہے۔ 20 شوال المکرم 1398ھ کو حضرت ابوالبرکات واصل بحق ہو گئے اور ان کے بعد لاہور میں مسند افتاء بے وقعت ہو کر رہ گئی۔ 25 رمضان المبارک 1406ھ کو حضرت غزالی دوراں مکین خلد بریں ہو گئے تو عوام اہلسنت بالکل بے سہارا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہ کی ذات گرامی فی الحقیقت مستغنی عن الخطاب ہے جب ان کا نام نامی آ جائے' تو خطابات والقابات ان کی قد آور شخصیت سے بہت چھوٹے نظر آنے لگتے ہیں۔ بلا شبہ وہ نابغہ روزگار علماء میں سے تھے جو صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

سال ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

تحریک پاکستان کے مبلغ اعظم حضرت ابوالمحامد سید محمد محدث اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس (1946ء) کے آخر میں درج ہدایات و تجاویز کی روشنی میں اگر پاکستان کے اندر متفقہ طور پر مرکزی دارالافتاء قائم کیا ہوتا یا کم از کم اہل سنت کو درپیش نت نئے مسائل علمیہ کے حل کے لئے امارت شرعیہ قائم کی ہوتی تو یقیناً کاظمی شاہ صاحب اس کے متفقہ طور پر صدر الصدور قرار پاتے اور چھوٹے چھوٹے مولوی اور خود ساختہ مفتی جو عجیب و غریب باتیں کرتے رہتے ہیں انہیں اپنی پناہ گاہوں سے باہر جھانکنے کی بھی جرات نہ ہوتی مگر وائے افسوس کہ یہاں الٹی گنگا بہنے لگی۔

حضرت قطب مدینہ قدس سرہ العزیز کے ارشاد کے مطابق قبلہ کاظمی شاہ صاحب آخری اہل حق سربر آوردہ عالم دین ثابت ہوئے(2) جس کی تصدیق درپیش حالات نے کر دی ہے۔ مثلاً" بعض حنفی سنی علماء نے شریعت آرڈیننس کو قبول کر لیا ہے جس کا تعلق صرف سعودیہ کی شریعت سے ہے اور ولایت ابوحنیفہ (پاکستان) میں ان نام نہاد حنفی علماء کے دستخطوں سے سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نام اور کام کو حرف غلط کی طرح محو کر دیا گیا اور غائبانہ نماز جنازہ کی بدعت اپنا لی گئی ہے۔ پاکستان جن حنفی اولیاء اللہ کا فیضان ہے ان کی ارواح مقدسہ ان نام نہاد حنفیوں سے ناراض ہیں اور ان سب کا انجام قوم ضرور دیکھے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! اب یہی نام نہاد عاشقان مصطفیٰ نظام مصطفیٰ کو بالکل بھول گئے ہیں اور ضیا ازم ضیا ازم کا وظیفہ جپنے لگے ہیں۔

ضیاء ازم کیا ہے؟ مولوی اشرف علی تھانوی کے افکار و تعلیمات کی نشر و اشاعت یا یوں کہیے کہ سعودیہ کے قوانین کی ترویج۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اہلسنت والجماعت کو ان نام نہاد علماء کو جو فی الحقیقت بندگان سیم و زر ہیں اپنے سے دور رکھنا چاہیے تاکہ ان کے منحوس اثرات سے ایمان محفوظ رہ سکے۔

پیش نظر رسالہ حضرت علامہ کاظمی شاہ صاحب کا ایک تحریری بیان ہے جو انہوں نے جناب چیف جسٹس صاحب وفاقی شرعی عدالت کے استفسار پر تحریر کیا تھا جس میں اہانت رسالت مآب اور تنقیص نبی کریم ﷺ کی سزا کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ کتاب و سنت اجماع امت اور تصریحات علمائے امت سے واضح ہے کہ ہر شاتم رسول کی سزا قتل ہے اور اس مسئلے میں اہل حق میں سے کبھی کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

اگر پاکستان میں اہلسنت کی امارت شرعیہ موجود ہوتی تو اس ایمان افروز بیان کو اہل حق کے چیف جسٹس کا فیصلہ قرار دیا جاتا اور مسلم ممالک کی عدالتوں میں بطور حجت اسے پیش کیا جاتا مگر

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قبلہ کاظمی شاہ صاحب نے اس تحریر میں گستاخان رسول کی اسلامی سزا بتائی ہے۔ میں اس موقع پر امرتسر میں رونما ہونے والے تقریباً" نوے (90) سال پہلے کا ایک واقعہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں جو بے حد ایمان افروز اور عبرت انگیز ہے۔ یہ واقعہ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ علی پوری قدس سرہ نے امام الائمہ سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ کے عرس سراپا قدس منعقدہ مسجد جان محمد امرتسر کے اجتماع عظیم میں بیان فرمایا تھا۔

"امرتسر کے گرجا گھر کے سامنے کھڑا ہو کر ایک پادری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل اور عیسائی مذہب کی خوبیاں بیان کر رہا تھا اور وہ (پادری) دوران تقریر حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ادب و احترام سے نہیں لیتا تھا۔ سامعین میں سے ایک بھنگڑ اس حالت میں کھڑا تھا کہ بھنگ گھوٹنے والا ڈنڈا اس کے کاندھے پر تھا۔ اس خوش بخت نے کہا' پادری ہم عیسیٰ علیہ السلام کو برحق نبی مانتے ہیں اور ان کا نام ادب سے لیتے ہیں' تو بھی ہماری بچی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ادب سے لے۔ مگر پادری پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا تو اس عالی ہم نے پھر ٹوکا۔ جب پادری نے تیسری بار بھی اسی طرح نام لیا تو اس پاک نہاد نے اپنا وہ ڈنڈا جس سے بھنگ گھوٹتا تھا اس زور سے پادری کے سر پر دے مارا کہ پادری کا سر پھٹ کر بھیجا باہر آ گیا اور وہ مردود بیان دیے بغیر واصل جہنم ہو گیا۔ یہ عاشق صادق پکڑا گیا موت کی سزا ہوئی' اپیل ہوئی' انگریز جج نے یہ لکھ کر بری کر دیا کہ "پادری کا قاتل تکیہ نشین بھنگڑ ہے کوئی مولوی نہیں مولوی اور پادری کی کوئی باہمی رنجش ہو سکتی ہے بھنگڑ سے پادری کی دیرینہ یا تازہ رنجش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے پادری نے ضرور اس کے جذبات کو مجروح کیا ہے لہٰذا میں اسے بری کرتا ہوں۔" (بتغییر یسیر بقدر حافظہ)

اللہ تعالیٰ اس مکین تکیہ کے مرقد منور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور اس جیسا ایمان ہر مکین مسجد اور ہر مسلمان کو نصیب فرمائے' آمین ثم آمین' بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ پادری حضور پر نور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں کہہ رہا تھا صرف حضور پاک کا اسم پاک اسلامی آداب سے نہیں لیتا تھا یعنی مولوی اسماعیل دہلوی کی طرح "جس کا نام محمد یا علی ہے' وہ کسی چیز کا مختار نہیں"(3) (نقل کفر کفر نباشد) یعنی پادری صرف "محمد صاحب" کہہ رہا تھا اور اس تکیہ والے عاشق صادق کو یہ بات بھی ناگوار گزری اور اس نے اپنے مذہب عشق کا جھنڈا بلند کر دکھایا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

عاشقان سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کسی عالم و مفتی سے پوچھے بغیر ہی ادب نہ کرنے والوں کو جہنم رسید کر دیتے ہیں تو کوئی گستاخ ان کے خنجر براں سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ ان کا مفتی ان کا وجدان ہوتا ہے ان کا پیر و مرشد ان کا جذبہ عشق ہوتا ہے لہٰذا ایسے "ان پڑھ" غازیوں کا یہ کام ہمیشہ لائق تقلید ہوتا ہے۔ کفار کی حکومت میں تو اسی طرح ہونا چاہیے اور ہوتا رہا مسلمانوں کی حکومت میں یہ عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ سچی شہادتوں کے بعد گستاخ رسول کے قتل کا حکم صادر کرے تا کہ مزید الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا نہ ہو سکیں۔

حواشی

1- حضرت قطب مدینہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے مختلف اوقات میں جن پاکستانی علمائے حق کے بارے میں تحسین کے کلمات فقیر نے سنے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد سردار احمد

(باقی صفحہ ۱۵۱ پر)

تبلیغی جماعت کا پس منظر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عصر جدید کے علماء کا کہنا ہے کہ آج کل ہر طرف علم و فضل کی روشنی کا دور دورہ ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ علم و فضل کی روشنی نہیں بلکہ ظلم و جہالت کی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں۔ یہ دور فتنہ پروری کا دور ہے جو "دین متین" فتنوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے آیا تھا اسی مقدس اور سلامتی کے دین کے نام پر ملک و ملت سے غایت درجہ فتنہ انگیزی اور ایمان دشمنی کی جا رہی ہے۔ بڑی فتنہ سامانی یہ ہے کہ بیشتر سادہ لوح افراد آج کے نام نہاد علماء کی ہم نشینی سے اپنے سرمایہ ایمان یعنی حب رسول کریم ﷺ سے محروم ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے اعمال پر زعم کرنے لگتے ہیں اور حقوق العباد کو عمل صالح نہیں جانتے۔ ان علماء نے مختلف ممالک میں پرکشش ناموں سے موسوم جماعتیں قائم کر رکھی ہیں جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول میں کامیاب بھی ہیں مگر ان میں سے اثر و نفوذ کے لحاظ سے کامیاب جماعت، جہاد دشمنوں کی وہ جماعت ہے جس نے اپنی پارٹی کو "تبلیغی جماعت" کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مودودی صاحب کی پارٹی "جماعت اسلامی" کے نام سے موسوم ہے۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

اس مضر اسلام جماعت کی حقیقت واضح کرنے کے لئے بہت سے ذی علم حضرات نے بڑی عمدہ اور مدلل کتابیں لکھیں جو بے حد مقبول ہوئیں۔ علم دوست، صاحب ادراک اور حساس علمائے دیوبند نے بھی ان کے "طریق تبلیغ" کو غلط قرار دیا۔ چنانچہ نوشہرہ (مضافات پشاور) سے شائع ہونے والی کتاب "شاہراہ تبلیغ" خاصے کی چیز ہے جس کی بہت زیادہ اشاعت ہونا چاہیے تھی۔

1989ء کی بات ہے کہ جامعہ اشرفیہ (منسوب بہ جناب مولانا تھانوی صاحب) پشاور کے شیخ الحدیث مولانا ابوالحسن صاحب نے ماہنامہ "صدائے اسلام" جو جامعہ اشرفیہ کا ترجمان ہے اور اس کے مدیر اعلیٰ مولانا محمد یوسف قریشی صاحب ہیں جنہوں نے 23 سوالات پر مشتمل ایک استفتاء مرتب کرکے علمائے اسلام کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نادر اور اہم استفتاء کے کن کن فضلائے عصر نے کیا کیا جوابات دیئے۔ احقر ان سے بے خبر ہے۔

پاکستان کے ایک صاحب علم و عرفان نے اس استفتاء کی ایک نقل بغرض حصول جوابات شیخ الاسلام والمسلمین علامۃ الدہر فاضل الازہر حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت اقدس میں دہلی (انڈیا) بھجوا دی اور جواب کے لئے مسلسل یاد دہانی کے لئے عرضداشتیں ارسال کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی یہ پرخلوص کوشش بار آور ہوئی۔ حضرت ابوالحسن زید مدظلہ العالی نے بے پناہ علمی مصروفیات، علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود وقت نکال کر صرف آٹھ سوالات کے جوابات تحریر فرما کر بھجوا دیئے جو آئندہ نسلوں کے لئے بھی سند کا درجہ رکھیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

امام عصر حضرت ابوالحسن زید فاروقی مجددی زید مجدہ کی ذات گرامی اکابر علماء و اصفیاء میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ہر مکتب فکر کے علماء و فضلا ان کا بے حد احترام کرتے ہیں اور ان کی تصانیف منیفہ سے مستفید و مستفیض ہونا ازحد ضروری سمجھتے ہیں۔ حضرت قبلہ زید صاحب(1) سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امام ربانی مجدد الف ثانی فاروقی کابلی

سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد پاک میں سے ایک عظیم ترین شیخ طریقت حضرت علامہ ابوالخیر مجددی دہلوی قدس سرہ کے فرزند ارجمند ہیں۔

حضرت قبلہ ابوالحسن زید مدظلہ العالی نے ہندوستان کے سربرآوردہ علماء و فضلاء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی جن میں دیوبندی مکتبہ فکر کے استاذ الاساتذہ مولانا محمود حسن شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے داماد مولانا محمد شفیع (متوفی 1960ء) حضرت مفتی عبداللطیف(2) صاحب علی گڑھی صدر شعبہ سنی دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (متوفی جمادی الاخر 1379ھ / دسمبر 1959ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ازاں بعد جامعہ ازہر سے تکمیل علوم کی سند حاصل کی اور حجاز مقدس اور عرب ممالک کے متعدد شیوخ سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ ان جملہ فضیلتوں کے ساتھ ان کی یہ نسبت فضیلت نہایت نادر اور اہم ہے کہ وہ فاروقی و مجددی ہیں اور ان کی رگوں میں مورث اعلیٰ، امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کی طرح خون فاروقی گردش کرتا ہے اور جب کسی کی کوئی خلاف شرع بات ان کے سامنے آتی ہے تو ان کی رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے۔

ایک مرتبہ فخر دودمان مجددیہ حضرت الحاج بدر المشائخ فضل الرحمٰن مجددی کابلی شہید (مدفون بجوار حضرت شیخ طاہر بندگی لاہوری قدس سرہ) حضرت قبلہ ابوالحسن زید صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی حالت جذب پر گفتگو فرما رہے تھے، یکایک ان کے علم و عرفاں کو بیان کرنے لگے اور آخر میں فرمایا کہ حضرت ابوالحسن زید صاحب، خاندان مجددیہ کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ حضرت امام ربانی کی اولاد امجاد مختلف ممالک میں ذی علم، ذی وجاہت، ذی اقتدار، ذی وقار اور صاحب عرفان ہے۔ مگر علم و عرفان کے لحاظ سے حضرت ابوالحسن زید جملہ خاندان مجددیہ پر فوقیت رکھتے ہیں۔

حضرت بدر المشائخ کی رائے درج کرنے کے بعد یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ دودمان مجددیہ کے اس چشم و چراغ کی دہلی میں خصوصاً" اور بھارت میں عموماً" جو مقبولیت ہے وہ تو ہے ہی، پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے اکثر شہروں میں ان کے لاتعداد مریدین ہیں۔ آزاد قبائل اور افغانستان میں تو ان کا بہت زیادہ اثر ہے۔ ان علاقوں کے جید علماء کرام اور مشائخ عظام ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا سعادت دارین سمجھتے ہیں۔

احقر راقم الحروف نے لاہور میں حضرت صاحب قبلہ کی زیارت و قدم بوسی کا بارہا شرف حاصل کیا ہے اور دوبار انہوں نے احقر کے پاس تشریف لاکر مفتخر فرمایا۔ حضرت صاحب قبلہ احقر پر اس حوالے سے بھی مہربان ہیں کہ میرے استاد گرامی بحرالعلوم حضرت علامہ محمد عالم آسی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ حضرت قبلہ شاہ ابوالخیر دہلوی قدس سرہ کے خلیفہ ماذون تھے۔ غرض کہ میرا مشاہدہ ہے کہ قیام لاہور کے دوران ان کی ہر سمت پٹھان ہی پٹھان نظر آتے ہیں جن میں اکثریت علماء و مشائخ کی ہوتی ہے۔

شدید مصروفیات اور نقاہت کے باعث انہوں نے 23 سوالوں کے جوابات تو نہیں تحریر فرمائے۔ مگر انہوں نے جو کچھ بھی لکھ دیا ہے وہ متلاشیان حق کے لئے کافی و وافی ہے۔ اور یہ کوئی طویل اور مغلق تحریر نہیں جو کسی تبصرہ و تشریح کی محتاج ہو۔ صرف پانچ منٹ میں پڑھ جایئے اللہ تعالیٰ ضرور مفہوم تک رسائی دے گا۔ اس مختصر تحریر میں ان نام نہاد مبلغین اسلام کے بارے میں جو مبنی بر حقیقت جملے اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کو پڑھتے ہوئے عارف و فاضل مصنف کی رگ فاروقی متحرک نظر آتی ہے۔ مختلف مواقع پر ارقام فرماتے ہیں۔

بد نصیب، کفریہ بات، سب جھوٹ، ایسے بے دینوں کے فتنہ سے ... اس خواب کے دیکھنے والے بزرگ کا بڑا بزرگ غلام احمد قادیانی ہوا ہے۔ یہ اللہ کے قول کو رد کرکے کافر ہو رہا ہے۔ ذلک ھو الخسران العظیم۔ یہ ہے عظیم آفت۔

اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی سے بچائے۔ گمراہی "رائیونڈ" والوں کا عمل "بدعت" ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ امت محمدیہ میں پھوٹ ڈال رہے ہیں۔ شر الدواب ___ ملعون ___ خناس

اور اس دعا کے ساتھ بات کو ختم کرتے ہیں۔
"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔"
آمین ثم آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
ایک عالم ربانی کے شرعی فیصلے کے تعارف کے بعد ایک دوسرے رخ کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

دوسرا رخ

حضرت علامہ حافظ خیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں تقریباً" 70 سال مقیم رہ کر غالباً" 1991ء میں آسودہ جنت البقیع ہوئے۔ حافظ صاحب قبلہ بھرچونڈی شریف کے شیخ طریقت حضرت محمد عبداللہ کے خلفاء میں سے تھے اور اس حوالے سے مولانا عبیداللہ سندھی صاحب سے گہری شناسائی رکھتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے فقیر کو دو تین مرتبہ چائے کی دعوت سے سرفراز فرمایا اور ان اوقات میں حالات حاضرہ پر طویل گفتگو فرمایا کرتے تھے اور اختتام گفتگو پر یہ تاکید کرتے تھے کہ یہ باتیں میری زندگی میں میرے نام سے قلمبند نہ ہوں۔ اس لئے کہ میں 70 سال سے مدینہ منورہ میں اس آرزو کے ساتھ بیٹھا ہوں کہ مر کر جنت البقیع میں دفن ہونا نصیب ہو اگر میرے خیالات ظاہر ہو گئے تو یہ لوگ مجھے مدینہ منورہ سے خارج کرا دیں گے۔ ان کی طویل گفتگوئیں لکھنے کا یہ موقع نہیں موضوع سے متعلق بات یہ ہے کہ "تبلیغی جماعت" کے بارے میں فرمایا ــــــــ

"تبلیغی جماعت" کے قیام کے محرکات اور اس کے کارناموں پر سیاسی شعور رکھنے والوں کو غور کرنا چاہیے اور یہ بھی فرمایا کہ روسی لٹریچر بھارت کے تبلیغیوں کے بستروں میں پیک ہو کر سالہا سال تک حجاز مقدس پہنچتا رہا ــــــــ ملخصاً"

خدا کرے کہ سیاسی شعور رکھنے والے حضرات تک حضرت حافظ صاحب (مرحوم و مغفور) کا یہ پیغام پہنچ جائے.....

دانشور حضرات اور حساس مورخین کو حضرت حافظ صاحب کا پیغام پہنچانے کے ساتھ ذیل میں چند اشارات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن پر غور کرنے سے ہر دور کے حکمران سیاست دانوں کی "سرپرستی کا مطلب" کی وضاحت چاہتا ہوں....

جمعیت علمائے ہند دہلی کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی فرماتے ہیں۔ "مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداً" گورنمنٹ کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔(3)

قیام پاکستان کے بعد بھارت میں "جن سنگھی" اور "مہاسبھائی" ان کے اجتماعات کو کامیاب کرانے کی مساعی کرتے رہے۔(4) مستغنی عن الخطاب جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان نے پاکستان کے اندر اس جماعت کی خصوصی امداد فرمائی اور ان کے اجتماعات میں خود شرکت کرتے رہے۔ پھر ان کے جانشین میاں محمد نواز شریف وزیراعظم پاکستان اپنے پیش رو سے بھی زیادہ مہربان ہیں اور فیض یاب ہونے کے لئے ایک اجتماع میں مع اپنے اعیان و انصار کے دو دو بار جاتے ہیں جب کہ ان کی اپنی ذاتی مسجد کے خطیب ایک سنی بریلوی عالم دین ہیں؟

اللہ رب العزت کے حضور التجا ہے کہ وہ ہمیں حضرت صاحب کی مختصر مگر جامع تحریر کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

داتا کی نگری
3 جنوری 1992ء

محمد موسیٰ عفی عنہ

حواشی:

1- حضرت صاحب کے مزید حالات کے لئے دیکھئے' دیباچہ سوانح بے بہا حضرت امام ابو حنیفہ مصنفہ حضرت زید صاحب مطبوعہ دہلی۔
2- جو کہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری صدر شعبہ سنی دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور مولانا علامہ سلیمان ندوی کے بھی استاد تھے۔
سہ ماہی "فکر و نظر" خصوصی شمارہ مارچ 1991ء ناموران علی گڑھ (کارواں 3) علی گڑھ یونیورسٹی بھارت۔
3- مکالمۃ الصدرین صفحہ 8 مطبوعہ دارالاشاعت دیو بند۔
4- اخبار پیام ملت کانپور - 15 فروری 1968ء بحوالہ تبلیغی جماعت صفحہ 103

مُقدّمہ

تصوف کی لازوال اور شہرہ آفاق کتاب
کشف المحجوب تصنیف معظم

سیّدنا ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری
المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم الاولیاء سلطان الاصفیاء حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز اس قدسی گروہ کے سرخیل ہیں جو امام رسل ہادی سبل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اصحابہ و بارک وسلم کی کمال محبت و متابعت سے ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام اور بلند مراتب پر فائز ہو کر خلافت الٰہیہ اور حضرت سید الانبیاء ﷺ کی نیابت کبریٰ کے منصب جلیلہ پر متمکن ہوتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اپنے آپ کو محبوب خدا کی محبت میں فنا کر دیا ہوتا ہے انہیں بھی مقام محبوبیت عطا ہو جاتا ہے اور وہ زمین پر خلیفۃ اللہ اور مظہر انوار خدا اور نائب محبوب خدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا

1- ان کی ظاہری زندگی میں بے پناہ فیض رشد و ہدایت جاری ہوتا ہے۔

2- برزخی زندگی میں قاسم فیوض و برکات ہوتے ہیں اور ان کا روحانی فیض عوام و خواص کے لئے یکساں ہوتا ہے۔

3- ان کی تعلیمات و ارشادات طالبان راہ خدا کے لئے مرشد طریق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر مرتبہ استداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔

چنانچہ بہ عطائے الٰہی وبہ فیض سرور عالم ﷺ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے

(1) اپنی حیات مبارکہ میں کفرستان ہند میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اپنی روحانی قوت اور نظر کیمیا اثر کے ذریعے بے شمار گم گشتگان بادیہ کفر و ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور فرمایا۔

(2) بعد وصال حضرت شیخ کا مزار پر انوار فیض رسان عالم اور منبع روحانیت وطمانیت ہے۔

نام فقیر تنہاندا باہو قبر جنہاندی جیوے ہو

(3) ان کے ارشادات گرامی و افاضات عالی (کشف المحجوب) بجائے خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرضیکہ ایسی محبوبیت و مقبولیت امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بہت کم اولیاء کرام کو حاصل ہوئی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حالات زندگی

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ برصغیر پاک و ہند کے اولین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار گوہر بار ان کے فیضان کی

وجہ سے عرصہ نو سال سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے اور ان کی کشف المحجوب اطراف و اکناف عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ بایں ہمہ ان کے حالات بابرکات پر کوئی قدیم کتاب نہیں ملتی۔ میرے خیال میں اس کی وجوہ یہ ہیں۔

(الف) جس زمانے میں حضرت داتا صاحب نے لاہور میں شمع ہدایت روشن کی۔ اس وقت یہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم جمے تھے اور پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں جن مورخین نے تاریخ نویسی کا آغاز کیا انہوں نے تاریخ کو اپنے آقایان نعمت (فاتحین) کے گرد گھمانا شروع کر دیا اور بعد کے مورخین نے صرف ان بزرگوں کے مختصر حالات لکھے۔ جن کے آستانوں پر ان کے ممدوحین کو شرف حاضری نصیب ہوا۔

(ب) جن حضرات نے بادشاہوں سے ہٹ کر صرف ان نفوس قدسیہ جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی کے حالات زندگی اور ان کی اسلامی و روحانی خدمات جلیلہ کی تفصیلات کو قلمبند کیا' ان کی تالیفات کو اس خطے کی ازلی بدنصیبی (بہ سلسلہ اتلاف کتب) نے محفوظ نہیں رہنے دیا۔

ظاہر ہے کہ بزرگان دین کے تذکرہ نویسوں میں سے اکثر فن تاریخ کے ماہر نہ تھے۔ لہٰذا وہ بزرگوں کے حالات لکھتے وقت واقعات کے سنین کا صحیح تعین نہ کر سکے جس کے باعث تاریخ دانوں کو ان پر بدظنی کا موقع مل گیا۔

بہرحال حضرت داتا صاحب قدس سرہ پر بھی ضرور کام ہوا ہو گا مگر وہ محفوظ نہ رہ سکا۔ جہانگیری عہد کے مشہور تذکرہ نگار محمد غوثی بن حسن شطاری حضرت داتا صاحب کے حالات کے ذیل میں بسال 1022ھ لکھتے ہیں۔

"تواریخ مشائخ کے سابقہ مصنفین کا خیال ہے کہ کشف المحجوب کے مصنف وہ بزرگ ہیں جن کا مزار مبارک لاہور میں ہے۔"(1)

محمد غوثی نے سابقہ مصنفین کا جو حوالہ دیا ہے اس سے واضح ہے کہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے حالات کے بہت سے ماخذ تلف ہو چکے ہیں۔ ان ماخذوں کے اتلاف کا نتیجہ ہے کہ

چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

کے مصداق یہاں کے دانشور تاریخ و تحقیق کے نام پر کوئی نہ کوئی نیا افسانہ پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔(2)

بہرحال موجود و معلوم تذکروں میں سے تذکرۃ الاولیاء از شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ میں صرف دو جگہ حضرت داتا صاحب کا اسم گرامی درج ہے۔ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات فوائد الفواد اور درر نظامی میں بھی ان کا ذکر خیر ہوا ہے۔ ان کے بعد کے ایک ایسے ماخذ سے اینھے (Ethe) نے علمی دنیا کو متعارف کرایا ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ اس کا نام رسالہ ابدالیہ ہے جو حضرت مولانا محمد یعقوب بن عثمان(3) غزنوی کی تالیف ہے پھر مولانا جامی نے نفحات الانس میں شیخ احمد زنجانی نے تحفۃ الواصلین (غیر موجود) میں ابوالفضل نے آئین اکبری میں' عبدالصمد بن افضل محمد نے اخبار الاصفیا(4) (خطی) میں' لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس (خطی) میں' مولانا محمد غوثی نے گلزار ابرار میں' محمد دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں' مولانا محمد بقا بقا اور بختاور خان نے ریاض الاولیاء(5) میں ذکر کیا ہے۔ حضرت داتا صاحب کے حالات کے یہی قدیم ماخذ ہیں۔ ان کے بعد لالہ سجان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التواریخ میں اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام میں ضمناً ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں سے لالہ گنیش داس وڈیرہ خانے چار باغ پنجاب میں' مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاصفیاء اور حدیقۃ الاولیاء میں مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں حالات لکھے ہیں اور ان کے بعد کے مولفین نے ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

مگر ان سب تذکروں اور تاریخوں کے مندرجات کے پڑھنے سے مستند اور قابل اعتماد تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے حتیٰ کہ صحیح سنہ پیدائش بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ تاریخ وصال میں

بھی اختلاف ہے اور حضرت کے ورود لاہور کا مسئلہ بھی خاصا پریشان کن ہے۔ غرض کہ حضرت داتا صاحب کے مستند حالات زندگی اسی قدر ملتے ہیں جتنے انہوں نے خود کشف المحجوب میں بیان کیے ہیں۔

نام و نسب

ابوالحسن کنیت، علی اسم گرامی ہے۔ مفتی غلام سرور نے بحوالہ تاریخ متقدمین شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے۔

حضرت مخدوم علی، بن عثمان، بن سید علی، بن عبدالرحمٰن، بن شاہ شجاع، بن ابوالحسن علی، بن حسین اصغر، بن سید زید شہید، بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی کرم اللہ وجہہ (6)

مشہور ماہر علم انساب پیر غلام دستگیر نامی مرحوم (م 1381ھ) نے یہی شجرہ نسب تاریخ جلیلہ (7) اور بزرگان لاہور میں درج کیا ہے۔ مگر پانچویں بزرگ کا نام عبداللہ اور قوسین میں شجاع شاہ تحریر کیا ہے (8) اور درج ذیل نوٹ دیا ہے۔

"مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے وہ ٹھیک نہیں کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں وہ امام زین العابدین بن امام حسین، بن علی کے فرزند تھے۔" رضی اللہ عنہم

آریانا دائرۃ المعارف میں حضرت داتا صاحب پر جو مختصر اور غیر تحقیقی مقالہ درج ہے اس میں لکھا ہے۔

"مولوی غلام سرور لاہوری در خزینۃ الاصفیاء در شرح حال او از سیادت او ذکری نماید و از ماخذ خود نام نمی برد، جز اینکہ می گوید در تواریخ قدیم نسب او را چنیں شمردہ اند _____ بہر حال در ذکر نسب او آنچہ مورد اعتماد است و جامی و دارا شکوہ نیز آں را واثق دانستہ اند، ہماں ذکر مختصریست کہ خود شیخ در کشف المحجوب نمودہ و دراں ہیچ گونہ اشاراتی نہ تصریحاً" و نہ کنائتاً" بہ طرف سیادت خود نمودہ است تنہا در غزنی خانوادہ کہ خود را بہ شیخ منسوب و اولاد اومی دانند خود را سیدی شمارند" (9)

ترک نسب شان فقر اور نشان عشق ہے۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

اسی بنا پر سیدنا غوث الثقلین حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے قصیدہ غوثیہ جو ایک خاص حالت میں لکھا گیا کے سوا کہیں اپنے آپ کو سید نہیں لکھا لہٰذا صاحب مقالہ مذکور کا اس طرف خیال جانا تعجب کی بات ہے۔ بہر حال ایسے لوگوں کے اطمینان کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ دارا شکوہ سے دو سو سال پہلے فوت ہونے والے سید محمد نور بخش جو ماہر انساب بھی تھے، نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب مشجر الاولیاء میں حضرت داتا صاحب کو سید لکھا ہے۔ (10) اور جو یہ لکھا ہے کہ "غزنی میں وہ خانوادہ جو اپنے آپ کو حضرت شیخ سے منسوب کرتا ہے اور ان کی اولاد جانتا ہے اور اپنے آپ کو سادات میں شمار کرتا ہے۔" کچھ عجیب سی بات ہے یہ لوگ حضرت داتا صاحب کے ہم جد ہوں گے۔

مولد و وطن

حضرت داتا صاحب قدس سرہ افغانستان کے شہر غزنی کے رہنے والے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔

"علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری"

دارا شکوہ لکھتا ہے۔

"حضرت غزنی کے رہنے والے تھے۔ جلاب اور ہجویر غزنی کے محلوں میں سے دو محلے ہیں۔ پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے پھر ہجویر میں منتقل ہو گئے تھے۔ ان کے والد ماجد کی قبر غزنی میں ہے _____ اور ان کی والدہ محترمہ کی مرقد بھی ان کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل ہے اور ان کے خاندان کے تمام افراد صاحب زہد و تقویٰ تھے (11)

ـــــــ میں ان کے والدین اور ماموں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔"(12)

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے تحریر کیا ہے۔

"زبیری صاحب کمشنر بہاولپور نے 26 اکتوبر 1959ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ (زبیری صاحب) غزنی گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا۔"(13)

سال ولادت

حضرت داتا صاحب قدس سرہ کا سال ولادت کسی قدیم کتاب میں درج نہیں اس دور کے مولفین نے ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔

⬅ پروفیسر نکلسن کا خیال ہے۔ "ان کی پیدائش دسویں صدی کے آخری دھاکہ میں یا گیارہویں صدی کے ابتدائی دھاکہ میں ہوئی ہوگی۔"(14) یعنی 381ھ تا 401ھ

⬅ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں۔ "اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی کے شروع میں ہوئی ہو گی۔" (15)

⬅ ڈاکٹر معین الحق کی رائے یہ ہے۔ "بعض لوگوں نے ان کی پیدائش کا سال 400ھ لکھا ہے لیکن اس کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔"(16)

⬅ مفتی محمد دین فوق فرماتے ہیں۔ "ان کی پیدائش کا فخر 400ھ یا 401ھ کو حاصل ہوتا ہے۔"(17)

سال ولادت کے باب میں مذکورۃ الصدر قیاس آرائیوں کی تائید رسالہ ابدالیہ سے بھی ہوتی ہے یعنی رسالہ مذکورہ کے مولف نے لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویری وقتاً فوقتاً محمود غزنوی کے دربار میں جاتے تھے اور انہوں نے عنفوان شباب میں ایک ہندی فلسفی سے مناظرہ بھی کیا تھا۔(18) عنفوان شباب سے بیس اکیس سال عمر فرض کر سکتے ہیں۔ محمود 421ھ میں فوت ہوا لہٰذا رسالہ ابدالیہ کی اس روایت کی بنا پر حضرت کا سال 400ھ کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے۔

- بقول لین پول محمود غزنوی 388ھ/998ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ گویا حضرت داتا صاحب سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں اس وقت پیدا ہوئے جب کہ وہ پاک و ہند پر متعدد بار حملہ آور ہو چکا تھا اور حضرت داتا صاحب اس غازی کے پاس اس کی زندگی کے آخری دو برسوں میں آتے جاتے رہے ہوں گے۔

اساتذہ

حضرت داتا صاحب قدس سرہ علوم ظاہری و باطنی کے بحر زخار تھے۔ ان کی یہ عظمت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے متعدد علماء و فضلائے سے اکتساب علوم کیا ہو گا۔ مولانا جامی نے صرف "عارف و عالم بودہ" لعل بیگ لعلی نے "در فنون علوم ماہر بود" اور مفتی غلام سرور نے "جامع بود میان علوم ظاہر و باطن" لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ مگر کشف المحجوب جہاں داتا صاحب کے مختصر حالات سے آگاہ کرتی ہے وہاں ان کے ایک باقاعدہ استاد کے نام نامی کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ حضرت نے اپنے ایک استاد گرامی حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"مرا باوی انسی عظیم بود و وی را بر من شفقتی صادق، و در بعضی از علوم استاد من بود ـــــــ"(20)

حضرت داتا صاحب قدس سرہ جواں عمری ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے۔ انہیں فطرتاً ولی اللہ ہونے کا مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ یعنی وہ بطن مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے۔ صاحب رسالہ ابدالیہ کا بیان ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری نے سلطان محمود غزنوی (م 421ھ) کی موجودگی میں بمقام غزنی ایک ہندوستانی فلسفی سے مناظرہ کیا اور اسے اپنی روحانی قوت سے ساکت و صامت کر دیا(21) ـــــــ ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ سلطان محمود کی زندگی کی آخری برسوں میں

ہوا ہو گا اور اس وقت حضرت کی عمر بیس برس کے لگ بھگ ہو گی۔

مرشد ارشد

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی(22) قدس سرہ (م 460ھ) سے بیعت تھے۔ شجرہ طریقت سلطان ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک اس طرح منتہی ہوتا ہے۔

"حضرت شیخ علی ہجویری مرید شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے وہ مرید حضرت شیخ حصری کے وہ مرید شیخ ابوبکر شبلی کے وہ مرید حضرت جنید بغدادی کے وہ مرید شیخ سری سقطی کے وہ مرید حضرت معروف کرخی کے وہ مرید حضرت داؤد طائی کے وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے وہ مرید حضرت حسن بصری کے اور وہ مرید حضرت علی المرتضیٰ کے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرو مرشد کے علو مقام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

صوفیہ متاخرین میں سے اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی ہیں۔ طریقت میں میری اقتداء (بیعت) ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر اور روایات (حدیث) کے عالم تھے اور تصوف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے تھے۔ حضرت حصری کے راز دار مرید تھے ابو عمر قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہم عصر تھے۔ صحیح گوشہ نشینی کے لئے ساٹھ سال تک تنہائی کی تلاش میں پھرتے رہے اور مخلوق کے ذہنوں سے اپنا نام محو کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ زیادہ تر جبل لکام (22) میں قیام پذیر رہے۔ عمر طویل پائی۔ اپنی ولایت کی بہت سی دلیلیں اور نشانیاں رکھتے تھے لیکن صوفیہ کی رسوم اور لباس کے پابند نہ تھے اور رسوم میں جکڑے ہوئے صوفیوں سے درشتی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ کسی کو باہیبت نہیں دیکھا۔(23)

جس روز حضرت ختلی کا وصال ہوا حضرت داتا صاحب ان کی خدمت میں حاضر تھے اور مرشد ختلی نے مرید ہجویری کی گود میں جان جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"حضرت شیخ ختلی بروز وصال بیت الجن میں تھے' یہ ایک گاؤں ہے گھاٹی پر جو بانیار (رود بانیاں) اور دمشق کے درمیان واقع ہے' دم رحلت ان کا سر میری گود میں تھا اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا اس حالت میں انہوں نے فرمایا اے بیٹا میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ تمام مواقع اور حالات میں نیک و بد کو پیدا کرنے والا خدائے عزوجل ہے لہٰذا اس کے کسی فعل پر کبیدہ نہ ہونا اور رنج کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا ______ اس کے سوا اور کوئی لمبی وصیت نہیں کی اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔"(24)

حضرت بایزید بسطامی اور مشائخ طیفوریان (رحمھم اللہ) سکر کو ترجیح دیتے تھے اور حضرت جنید اور ان کے پیرو صحو کو سکر پر فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ختلی اور حضرت ہجویری (رحمہما اللہ) جنیدی ہونے کی وجہ سے صحو کی افضلیت کے قائل تھے۔ کشف المحجوب میں اپنے مرشد کی رائے نقل کرتے ہیں کہ سکر بازیچہ اطفال اور صحو مردوں کا میدان فنا ہے۔

"شیخ من گفت کہ وی جنیدی مذہب بود کہ سکر بازی گاہ کودکان است و صحو فنا گاہ مردان و منکہ علی بن عثمان الجلابی ام' می گویم بر موافقت شیخم"(25)

سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ (م 869ھ) بانی سلسلہ نور بخشیہ جن کے سلسلہ سے منتسبین اپنے شیخ کے مسلک سے ہٹ کر گمراہ اور بے دین ہو چکے ہیں' نے حضرت داتا صاحب کو دو بزرگوں شیخ ختلی اور شیخ ابوالقاسم گرگانی کا مرید و

خلیفہ لکھا ہے۔

______ حضرت علی ہجویری ہم ازیں سلسلہ (جنیدیہ) مسلک است کہ او مرید (و) خلیفہ و مشائخ اند یکے شیخ ابوالقاسم گرگانی ____ دوم شیخ ابوالفضل ابن ختلی ______(26)

مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ گرگانی، داتا صاحب کے شیخ صحبت یا شیخ تربیت ہیں، نہ کہ پیر بیعت۔

ہم عصر مشائخ سے استفادہ

حضرت شیخ ختلی کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ کرام کے فیض صحبت و مشرف مکالمت سے بہرہ یاب ہوئے جن کا ذکر خیر کشف المحجوب میں مسطور ہے۔ مثلاً" ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مراد بادی اسرار بسیار بود و اگر باظہار آیات مشغول شوم از مقصود باز مانم(27)

ابوالقاسم امام قشیری قدس سرہ سے بھی صحبتیں رہیں اور ان کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔

استاد امام و زین اسلام عبدالکریم ابو القاسم بن ہوازن القشیری اندر زمانہ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ و معلوم ست اہل زمانہ را از روز گار وی و انواع فضلش، اندر ہر فن وی را لطائف بسیار است و تصانیف نفیس جملہ با تحقیق و خداوند تعالیٰ حال و زبان وی را از حشو محفوظ گردانید ست۔(28)

حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی قدس سرہ کے ساتھ ماوراء النہر میں محبت و دوستی رہی۔ ان کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

خواجہ احمد حمادی سرخسی مبارز وقت و مدتی رفیق من بود واز کاروی عجائب بسیار دیدم، وی از جواں مردان متصوفہ بود ______(29)

حضرت ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی قدس سرہ جو صاحب تصانیف عالم و عارف تھے انکی تصانیف ان ہی کے روبرو پڑھیں۔

شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی از روسا متصوفہ بود و زبانی نیکو داشت اندر تحقیق، و میلی عظیم داشت بہ حسین بن منصور و بعضی از تصانیف وی برو خواندم۔(30)

حضرت ابو سعید ابوالخیر شیخ ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان رحمہا اللہ اور متعدد دیگر اولیاء اللہ سے ملاقاتوں کا حال کشف المحجوب کے مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ صرف خراسان میں تین سو صوفیہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔(31)

حضرت خضر علیہ السلام سے استفادہ

لعل بیگ لعلی نے لکھا ہے حضرت شیخ علی ہجویری بہت سے اولیاء وقت کو ملے اور ان کے ہم صحبت رہے نیز حضرت خضر علیہ السلام سے گہری دوستی رکھتے تھے اور ان سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا تھا۔

و بسیاری از اولیاء وقت را دریافتہ و با ایشاں ہم صحبت بودہ و با خضر علیہ السلام دوستی عظیم داشتہ وازوی علم ظاہری و باطنی فرا می ستدہ(32)

حنفی المذہب

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی المذہب تھے۔ سیدنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اسی سبب سے انہوں نے امام موصوف کا نام نامی و اسم گرامی نہایت تعظیم و تکریم سے اس طرح رقم فرمایا ہے۔

امام اماماں و مقتدای سنیاں شرف فقہا و عز علماء ابو حنیفہ بن نعمان بن ثابت الخراز رضی اللہ عنہ(33)

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے کمالات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنا ایک ایمان افروز خواب بیان کیا ہے اور اس سے ایک نہایت لطیف نکتہ اخذ کیا ہے، فرماتے ہیں۔

میں ملک شام میں تھا کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ

موذن رسول ﷺ کے روضہ اطہر کے سرہانے سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور جناب پیغمبر ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے ہیں اور ایک بوڑھے شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں جس طرح کہ شفقت سے بچے کو گود میں لیتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرکار کے پائے اقدس کو بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں جنہیں حضور نے اٹھایا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ قوت، معجزہ میرے اس باطنی خیال سے آگاہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا' یہ شخص تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام یعنی ابو حنیفہ ہے۔ مجھے اس خواب سے اپنے آپ اور اپنے وطن والوں سے بڑی امیدیں قائم ہو گئیں اور مجھے اس خواب سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ حضرت امام اعظم ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی اور طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور صرف احکام شرع کے لئے باقی و قائم ہیں۔ اس لئے کہ ان کے حامل اور رہبر خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انہیں خود چلتے دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ وہ باقی الصفت ہیں اور جو باقی الصفت ہوتا ہے وہ اجتہادی امور میں مخطی ہوتا ہے یا مصیب' چونکہ انہیں اٹھا کر لے جانے والے حضور پرنور ہیں اس لئے وہ اپنی ذاتی صفات سے فانی اور رسول اللہ ﷺ کی صفات سے باقی ہیں۔ جب پیغمبر سے کسی خطا کا صدور ممکن نہیں تو جو آنحضرت ﷺ میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے اس سے بھی خطا کا صدور کا ممکن نہیں۔ یہ ایک لطیف رمز ہے۔(34)

نکاح

عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں۔

"قید ازدواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی' البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقات محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے' پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان ہے اتنا مجمل کہ تفصیلات کا کچھ پتا نہیں چلتا لکھا ہے(35)

منکہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود ہم بتقدیر وی بفتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ بامن کروند بی آنکہ رویت بودہ ویک سال مستغرق بودم چنانکہ تزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود' تا حق تعالیٰ مرا بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارہ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمدللہ علی جزیل نعماۂ(36)

پروفیسر نکلسن نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا۔(37)

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

شادی کے متعلق ان کو جو معاملہ پیش آیا وہ خوش آئند ثابت نہ ہوا۔(38)

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ

میور (289) یہ خیال کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ حضرت بغیر شادی کے رہے۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن رقمطراز ہیں۔

تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔(39)

مگر اسی مجمل عبارت سے جناب محمد دین فوق مرحوم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت نے ایک چھوڑ دو شادیاں کیں' لکھتے ہیں۔

حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی' کہاں ہوئی' جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے' اور یہ لکھا ہے کہ "گیارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا' مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور

میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔" یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہو گی۔

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔

چنانچہ (داتا صاحب) لکھتے ہیں کہ "ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کمال، مہربانی اور بخشش اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی۔" یہ افاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد آپ کی دوسری عورت کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر آپ نے تادم وصال نکاح کا نام نہیں لیا۔(40)

فوق صاحب نے اس عبارت کا ٹھیک ترجمہ نقل نہیں کیا اور اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی درست نہیں لہٰذا زیر بحث اقتباس کا ترجمہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔

داتا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا ہوا تھا مگر بہ تقدیر الٰہی پھر میں اس فتنہ میں گرفتار ہو گیا اور میرا ظاہر و باطن اس (کسی عورت) کی صفات کا جو مجھ سے دوسروں نے بیان کی تھیں، اسیر ہو گیا اور اسے دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا۔ چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف اور فضل تمام سے عصمت (گناہ سے بچنے کی قوت) کو میرے بے چارہ دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے اس (فتنہ) سے نجات دلائی۔(41)

اس عبارت پر غور کیا جائے تو حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

(الف) حضرت نے نکاح کیا تھا مگر اہلیہ جو ان کی مزاج شناس نہ تھیں، وفات پا گئیں پھر گیارہ سال تک تزویج کے تصور و خیال سے بھی ناآشنا رہے۔

(ب) گیارہ سال بعد ایک عورت جسے انہوں نے دیکھا بھی نہیں تھا محض دوسروں سے اس کی خوبیاں معلوم ہونے پر اس کی محبت میں اسیر ہو گئے اور ایک سال تک اس عشق مجازی میں مبتلا رہے۔

(ج) صوفیہ کے نزدیک عشق مجازی میں گرفتار رہنا ابتلا میں مبتلا رہنا ہے۔ یہ حضرات مجاز میں گرفتاری کو مصیبت و آفت سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ منزل نہیں ہے المجاز قنطرۃ الحقیقۃ تو قدرت الٰہی نے انہیں مجاز سے نکال کر حقیقت کی راہ پر ڈال دیا اور جو لوگ صورت ظاہری اور مظاہر محسوسہ کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں وہ برباد ہو جاتے ہیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں۔

ہر کہ شد در عشق صورت مبتلا
ہم ازاں صورت فتد در صد بلا

حاصل کلام یہ کہ حضرت نے ایک شادی کی تھی، اہلیہ کی وفات کے 11 سال بعد ایک ایسی عورت کی خوبیوں پر فریفتہ ہو گئے جسے انہوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال محو فرما دیا۔ لہٰذا دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔

تصانیف

حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی 9 اور تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔ بعض کے

سرقہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے۔ بہرحال ان 9 تصانیف کے نام یہ ہیں۔

1- دیوان : اس دیوان کو کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا (کشف صفحہ/2) مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مجموعہ اشعار عربی میں تھا یا فارسی میں، اور اپنا تخلص بھی ظاہر نہیں فرمایا۔ اس کے باوجود کشف الاسرار کے واضع نے ان کا علی تخلص گھڑ کر ایک غیر معیاری غزل اور چند اشعار بھی شامل کر دیئے ہیں۔

2- کتاب فنا و بقا: مسئلہ فنا و بقا میں (کشف، صفحہ/67)

3- اسرار الخرق والمئونات : ظاہری اور باطنی مرقعہ کے آداب میں (کشف، صفحہ 63) اس کتاب کا نام فارسی کے تمام ایڈیشنوں میں یہی لکھا ہے مگر ژوکوفسکی ایڈیشن میں اسرار الخرق والملونات درج ہے۔

4- الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ : مسائل توحید پر (کشف، صفحہ 360) اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہ (متوفی 240ھ) کی بھی ہے جو کشف المحجوب کے ماخذوں میں شامل ہے اور اسی نام کی ایک کتاب ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (متوفی 243ھ) کی تصنیف بھی ہے جو لندن میں چھپ چکی ہے۔

5- کتاب البیان لاہل العیان : در معنی جمع و تفرقہ (کشف صفحہ 333)

6- نحو القلوب : مسئلہ جمع پر مفصل کتاب ہے۔ (کشف، صفحہ 333)

7- منہاج الدین : طریقت تصوف اور مناقب اصحاب صفہ میں ہے اور حسین بن منصور حلاج کا حال بھی بیان کیا ہے (کشف، صفحہ 2، 96، 192) دیوان کی طرح اسے بھی کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا۔

8- ایمان : ایمان اور اثبات اعتقاد مشائخ میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام نہیں بتایا۔ (کشف، صفحہ 368)

9- شرح کلام منصور : حسین بن منصور حلاج کے کلام کی شرح (کشف، صفحہ 192)

ژوکوفسکی کا سہو - فاضل موصوف نے حضرت شیخ کی تصانیف میں ایک نام فرق فرق دیا ہے۔(42) حالانکہ یہ ان کی کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کشف المحجوب کے ایک باب کا نام ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داتا صاحب نے بغداد شریف کے نواح میں ملاحدہ کا ایک ایسا گروہ دیکھا جو حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کا داعی تھا اور ان کے کلام سے اپنی زندیقیت کو سہارا دیتا تھا اور حلاج کے معاملہ میں مبالغہ کرتا تھا جس طرح کہ روافض حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت میں غلو کرتے ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں۔

اندر رد کلمات ایشان بابی بیاورم اندر فرق فرق ان شاء اللہ عزوجل(43)

بابی بیاورم سے ژوکوفسکی کا ذہن ایک مستقل تصنیف کی طرف منتقل ہو گیا حالانکہ اس کی مصحح و محشی کشف المحجوب کا تیرہواں اور مطبوعہ سمرقند کا یہ چودھواں باب ہے۔

باب فی فرق فرقھم و مذاھبھم و ایاتھم و مقاماتھم و حکایاتھم۔(44)

کشف الاسرار آٹھ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت داتا صاحب کی طرف منسوب ہے جو غالباً" پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا(45) پھر اس کے متعدد اردو ترجمے شائع ہوئے۔ طرفہ یہ کہ اکثر محققین نے اسے حضرت داتا صاحب کی تصنیف سمجھ لیا اور اس سے استناد کرتے رہے حالانکہ یہ رسالہ بزبان حال اپنے وضعی ہونے کی خود شہادت دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں سیر حاصل مقالہ پھر کبھی لکھا جائے گا سر دست اس کی صرف نقاب کشائی کرنا مقصود ہے۔

(الف) کشف الاسرار کے جعلی ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ

یہ سبک ہندی میں ہے اور کشف المحجوب کی نثر دور اول یعنی دور سامانیاں کی ہے اور ان دونوں کی زبان میں فرق کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

(ب) اس کا مولف اپنے پراگندہ خیالات کو ایک مشہور و معروف بزرگ کے نام سے مشتہر دیکھنے کا خواہاں تھا یا اپنے کسی بڑے (جیسا کہ حسام الدین کا نام لیا ہے) کو داتا صاحب سے پہلے کا بزرگ ثابت کرکے اپنی دکان چمکانا چاہتا تھا(46) علمی اعتبار سے بھی بے مایہ ہے۔

(ج) یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پنج ہزاری اور ہفت ہزاری خطابات مغلیہ دور میں ایجاد ہوئے یعنی حضرت داتا صاحب کے کئی سو سال بعد ____ مگر کشف الاسرار کا واضع لکھتا ہے۔

بفہم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد مشت گر ہستی (47)

ہفت ہزاری کی بات تو کچھ ایسی ہے کہ آج کوئی صاحب اپنے ابا جان کا تذکرہ لکھنے بیٹھیں تو یہ بیان فرمائیں کہ وائسرائے ہند نے انہیں اعلیٰ خدمات کے صلے میں ستارہ خدمت کا خطاب عطا کیا تھا۔

(د) لکھا ہے ____ پسری تولد شد امام بخش نام نہادند ____(48)

ظاہر ہے کہ داتا صاحب کے زمانہ میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

(ہ) آخر رسالہ میں تحریر ہے۔

از گفتہ من رنجی نہ کنی و غصہ نہ کنی کہ من راست گفتہ ام

بر رسولاں بلاغ باشد و بس(49)

سعدی کا مصرعہ داتا صاحب کا نقل کرنا کرامت ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

(و) لکھا ہے۔

اے علی ترا خلق می گوید گنج بخش دانہ پیش خود نہ داری دردل خود جادہ کہ پندار است گنج بخش ورنج بخش حق است۔

(50)

کشف الاسرار پر اعتماد کرنے والے مولفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت شیخ علی ہجویری اپنی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب ہو گئے تھے مگر یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت شیخ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً" پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے۔ مفتی غلام سرور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ نے انہیں گنج بخش کہا' قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(ز) اس وضاع (مولف کشف الاسرار) کی دین سے خبرداری ملاحظہ ہو۔

در تفسیر آمدہ است و از حسام الدین لاہوری شنیدم اگر مردی بر گور مادر و پدر سجود کند کافر نمی شود۔(51)

اب کشف الاسرار اور کشف المحجوب کے بیانات میں تضاد ملاحظہ ہو۔ کشف الاسرار

☆ از قبلہ خود شنیدہ بودم زاد من ہجویر است(52)

یعنی ہجویران کا دوسرا مسکن تھا۔

____ معشوق بگریں و جان خود را فدای او کن و بگو کہ اگر جان در راہ او فدا شود بہ است۔(53)

کشف المحجوب

← علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از بس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشت بودھم بہ تقدیر وی بفتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ بامن کردند بی آن کہ رویت بودہ ویک سال مستغرق بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین برمن تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارہ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمدللہ علی جزیل نعماۂ۔(54)

حضرت داتا صاحب عشق مجازی سے نجات پر خدا کا شکر بجا لا رہے ہیں اس لئے کہ اس میں دین کے تباہ ہونے کا خطرہ تھا مگر صاحب کشف الاسرار معشوق پر فدا ہونے کی تلقین کر رہا ہے۔ اگر اس سے عشق حقیقی مراد ہو تو بھی یہ داتا صاحب کا انداز بیان نہیں ہے۔

☆ چوں در ہندوستان آمدم نواحی لاہور را جنت مثال یافتم (55)

⬅ من اندر دیار ہند در بلدہ لہانور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم۔ (56)

کشف المحجوب کی عبارت تو یہ واضح کر رہی ہے کہ حضرت داتا صاحب لاہور میں اپنے آپ کو ناجنسوں میں قید سمجھ رہے ہیں اور کشف الاسرار ان کے لئے اس ماحول کو جنت مثال قرار دے رہی ہے اور داتا صاحب کے زمانے میں لاہور کو لہانور یا لہاور وغیرہ لکھا جاتا تھا' لاہور اس وقت نہیں لکھا جاتا تھا۔

☆ "بیت و اشعار بسیار گفتہ ام دیوانی گفتم بسیار مطبوع و پسندیدہ و از نظر خود گزیناں برآمدہ۔" اے طالب من ہر روز برائے دیدن دیدار یاری روم لیکن گاہی گاہی بنظر من آں ماہ خنداں می آید و دیوان رابدیں حالت گفتہ بودم وقتی کہ روی یار دیدمی غزل از دہانم بے فکر برآمدی دراں فکرے نہ کردہ ام۔ (57)

⬅ ____ مرا ایں حادثہ افتاد دوبار یکی آنکہ دیوان شعرم کسی بخواست و باز گرفت وراصل نسخہ جز آں نہ بود آں جملہ بگردانید و نام من از سرآں بیفگند و رنج من ضائع گردانید تاب اللہ علیہ۔ (58)

کشف الاسرار کے ان اقتباسات سے واضح ہے کہ یہ انداز بیان اور طرز زندگی صاحب صحو داتا صاحب کا نہیں ہے اور انہوں نے اپنے دیوان کے سرقہ کا ذکر بڑے دکھ کے ساتھ کیا ہے نیز پوری کشف المحجوب میں اپنا کوئی شعر درج نہیں کیا مگر اس وضاع نے ایک غیر معیاری غزل اور دو شعر بھی ان کے سر منڈھ دیئے ہیں۔

قارئین کرام کی تفریح طبع کے لئے ایک اور اقتباس نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

پیری بود شیخ بزرگ نام او شان مرا گفتند کہ اے علی کتابی درین عمر تصنیف بکن کہ یادگاری تو بماند گفتم' یا ایھا الشیخ ان لا یعلم من علم بسیار چسپد سن من الحال اثنا عشر کہ ھستند درمیاں ہمیں عمر در بلدہ ہجویر تصنیف کردہ ام' اورا دادم او مرا گفت کہ تو بزرگ خواہی شد ____ (59)

اس زبان کی خوبیاں اور لطافتیں تو عیاں ہی ہیں مگر کشف المحجوب میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تفریح طبع کا سامان اس میں یہ ہے کہ اس کا مولف چونکہ لاہور کا باشندہ ہے اور یہاں بے حد اصرار کرنے والے کو کہتے ہیں "چمڑ ای گیا اے" یعنی چمٹ ہی گیا ہے۔ لہٰذا اس نے شیخ بزرگ کے بہت زیادہ اصرار کو "بسیار چسپد" کے ذریعہ واضح کیا ہے۔

کشف المحجوب

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف کشف المحجوب جو انہوں نے آغوش رحمت خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے' مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے اور اولیاء متقدمین کے حالات بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے۔ نیز فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ (60) اور اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ کشف المحجوب کاملین کے لئے رہنما ہے تو عوام کے لئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ عوام میں سے اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولت

عرفان و ایقان حاصل ہوتی ہے اور شک و شبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں اور اس کے بار بار کے مطالعہ سے حجابات اٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اس نادر و بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ اکابر اولیاء اللہ نے خود اس سے استفادہ کیا اور طالبان حق کو اس سے مستفید ہونے کی تلقین فرمائی۔ اس لئے کہ اس میں ناقصوں اور کاملوں کے لئے سامان ہدایت موجود ہے اور اس کے برعکس بعض کتب تصوف فصوص الحکم وغیرہ میں صرف خواص بلکہ اخص الخواص کے لئے رہنمائی ہے اور ناقصین کے لئے حیرانی و سرگردانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

وجہ تسمیہ و کیفیت کشف المحجوب

کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے جو انہوں نے جناب ابو سعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر لکھی اور ان کے سوالات کی اساس پر یہ نورانی صحیفہ تیار ہوا۔ اس مبارک کتاب کی وجہ تسمیہ اور غایت تصنیف حضرت شیخ کے قلم اعجاز رقم نے یہ لکھی ہے۔

یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس کتاب کو کشف المحجوب (پنہاں کو عیاں کرنے والی) کے نام سے موسوم کیا ہے اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے موضوع اور مطالب کو عیاں کر دے اور اہل بصیرت اس کا نام سنتے ہی جان لیں کہ اس میں کیا ہے اور یہ واضح ہے کہ اولیاء اللہ اور عزیزان بارگاہ خداوندی کے سوا تمام عالم و عالمیاں رموز و اسرار خداوندی کے حقائق کو سمجھنے سے محجوب و مستور ہیں چونکہ یہ کتاب سیدھی راہ بتانے اور عارفانہ کلمات کی تشریح و توضیح اور بشریت کے حجاب رفع کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے لہٰذا اسے کسی اور نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حجاب کا اٹھنا محجوب (پوشیدہ) کی موت ہوتا ہے اسی طرح حجاب کا آنا مکاشف (ظاہر شدہ) کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ (61)

حضرت نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں تحریر فرمائی اور اس کا تین چوتھائی حصہ یقیناً لاہور میں لکھا۔ وہ ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں۔

"اس وقت اس سے زیادہ ممکن نہیں اس لئے کہ میری کتابیں غزنی (حرسہا اللہ) میں رہ گئی ہیں اور میں ہند کے شہر لاہور میں جو مضافات ملتان میں سے ہے ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں۔" (62)

حضرت نے اپنی کتابوں کے غزنی رہ جانے کا جو ذکر کیا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کے پاس کتابیں بالکل نہیں تھیں بلکہ وہ شاکی اس کے ہیں کہ ایک متبحر عالم اور فاضل مصنف کو جس بہتات سے کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہاں پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

"امام قشیری کی طرح شیخ ہجویری نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب (63) لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، شیخ کے خیالات میں بڑی صفائی اور انداز بیان میں بڑی گیرائی ہے، تصوف کی کتابیں اب تک عربی میں تھیں اس لئے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی، حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے۔" (64)

پھر لکھتے ہیں۔

"شیخ ہجویری کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔" (65)

شیخ ابو سعید ابوالخیر نے اپنی رباعیات' شیخ عبداللہ ہروی نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویری نے اپنی کشف المحجوب کے ذریعہ تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچایا ہے۔(66)

کشف المحجوب

صوفیہ کرام اور مورخین کی نظر میں

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہ کی نہایت اہم رائے ان کے ملفوظات درر نظامی (خطی) (67) مرتبہ شیخ علی محمود جاندار میں درج ہے۔

وی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف علی ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز اگر کسے را پیری نہ باشد' چوں ایں را مطالعہ کند اورا پیدا شود ـــــ من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام۔(68)

چنانچہ حلقہ بگوشان حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ جن کتب تصوف کے مطالعہ کے شائق تھے ان میں کشف المحجوب شامل تھی۔ برنی لکھتا ہے۔

"واشراف و اکابر کہ بخدمت شیخ پیوستہ بودند در مطالعہ کتب سلوک و صحائف احکام طریقت مشاہدہ می شد و کتاب قوت القلوب و احیاء العلوم و ترجمہ احیاء العلوم و عوارف و کشف المحجوب و شرح تعرف و رسالہ قشیری و مرصاد العباد و مکتوبات عین القضاۃ و لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری و فوائد الفواد امیر حسن را بواسطہ ملفوظات شیخ خریداران بسیار پیدا آمدند و مردمان پیشتر از کتابیان از کتب سلوک و حقائق باز پرس کردند۔"(69)

سلطان التارکین حمید الدین حاکم رحمۃ اللہ علیہ (م 737ھ) خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد ارشد (حضرت رکن الدین) کی شان میں متعدد مدحیہ نظمیں لکھی ہیں۔ ایک نظم میں اپنے مرشد کے کمالات کو تیس معتبر کتب کے اسماء سے بیان کیا ہے۔ کشاف اور کشف المحجوب کی بندش ملاحظہ ہو۔

گشت کشاف کشف ہم محجوب
فہم تو اے فہیم ذوالاقدار(70)

شہزادہ محمد دارا شکوہ (م 1069ھ) نے لکھا ہے۔

حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بران سخن نیست و مرشدی است کامل' در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابی تصنیف نہ شدہ۔(71)

شیخ محمد اکرم براسوی صابری رحمۃ اللہ علیہ (م 1159ھ) اپنی مشہور تصنیف "اقتباس الانوار" جو 1132ھ میں لکھی گئی' میں رقمطراز ہیں۔

صوفیہ کے طبقہ اول میں علوم و اسرار مشائخ' طالبوں کو رموز و اشارات میں تعلیم کئے جاتے تھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور چند تصانیف بھی ان کی تھیں' جنہیں عوام پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر طبقہ ثانی میں جب سید الطائفہ جنید بغدادی' خواجہ ابوالحسن نوری' خواجہ ابو سعید خراز اور خواجہ ابوبکر شبلی کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے رموز و اشارات یعنی اخفا کے طریقہ کو ترک کر کے طالبوں کو ان علوم کا علانیہ درس دینا شروع کردیا' اس وقت سے ہر سلسلہ کے مشائخ نے تصوف پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہو گی لہٰذا اس موقع پر صرف ان چند معتبر کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا مطالعہ جمیع مشائخ کا معمول ہے۔ پہلی کتاب جو خانوادہ جنیدیہ میں لکھی گئی "طبقات صوفیہ" تصنیف ابو عبدالرحمٰن سلمی ہے' اور اس کے بعد شیخ علی بن عثمان ہجویری غزنوی' جنیدی نے "کشف المحجوب"

لکھی _____ (72) (ترجمہ و بہ تغییر یسیر)

مفتی غلام سرور لاہوری (م 1307ھ) لکھتے ہیں۔

شیخ علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب از مشہور و معروف ترین کتب وی است، وہیچ کس رابروی جائے سخن نی بلکہ پیش ازیں در کتب تصوف، ہیچ کتابی بہ زبان فارسی تصنیف نہ شدہ بود۔(73)

محمد بن عبدالوہاب قزوینی (ایران) مقدمہ تذکرۃ الاولیاء میں رقمطراز ہیں۔

ولی در زبان فارسی آنچہ در نظر است دو کتاب است کہ قبل از تذکرۃ الاولیاء تالیف شدہ، یکی کشف المحجوب لارباب القلوب(74) لابی الحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری الغزنوی المتوفی سنہ 465 _____ و دیگر ترجمہ طبقات الصوفیہ _____ للسلمی کہ آں را شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الحزرجی المتوفی 481 در مجالس وعظ و تذکیر املا نمودہ (75)

کشف المحجوب

بحیثیت ماخذ کتب تصوف

کشف المحجوب کو صوفیہ کرام کے مشہور و مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر کتابوں کا ماخذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ (م 627ھ) نے اپنی معروف ترین کتاب تذکرۃ الاولیاء میں کشف المحجوب سے صوفیہ متقدمین کے حالات اور ان کے اقوال معمولی سی تبدیلی الفاظ کے ساتھ نقل کئے ہیں۔

ملک الشعرا بہار نے لکھا ہے۔

عطار ظاہراً" از کتاب کشف المحجوب استفادہ کردہ است و غالباً" عبارات آں بدون ذکر خود کتاب یا مولف باندک تصرفی کہ تبدیل کہنہ بہ نو باشد نقل نمودہ است۔(76)

ملک الشعرا بہار نے سبک شناسی (ص:209-206) میں اس کی واضح مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

روسی مستشرق ژوکوفسکی کی تحقیق یہ ہے۔

شیخ عطار در تذکرۃ الاولیاء خود مکرر از کشف المحجوب ہجویری جلابی [illegible] استفادہ کردہ و در موارد متعدد بدون ذکر ماخذ از او اقتباساتی [illegible]دہ است و در اغلب ایں موارد فقط بذکر عبارت (نقلست) اکتفا ورزیدہ۔(77)

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الاولیاء میں صرف دو مقام پر حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کا اسم گرامی تحریر کر کے ان کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اول سیدنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ [illegible] (م 150ھ) کے حالات ہیں۔(78) دوم حضرت ابن عطار [illegible] (م 309ھ) کے ذکر میں۔(79)

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا استفادہ:

نفحات الانس میں مولانا جامی نے کشف المحجوب سے چند بزرگوں کے حالات لئے ہیں۔ مثلاً" حضرت شیخ ختلی قدس سرہ کے حالات کشف المحجوب ہی سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح دیگر مقامات پر بھی اخذ و استفادہ کیا ہے۔ اس موقع پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ زمانہ قدیم میں اخذ و استفادہ کا یہی طریقہ تھا لہٰذا اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ (782ھ) اپنے مکاتیب شریفہ میں کشف المحجوب کی عبارات بطور سند نقل کرتے ہوئے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

صاحب کشف المحجوب کہ مقتدائی عصر خود بودہ است(80)

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ (م بعد از 825ھ) کے مجموعہ ملفوظات لطائف اشرفی مرتبہ حضرت نظام غریب یمنی میں متعدد مقامات پر کشف المحجوب کے حوالے ملتے ہیں۔ مثلاً"

1- می فرمودند کہ صاحب کشف المحجوب را _____ (81)

2- صاحب کشف المحجوب گوید ــــــ (82)

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ (م 822ھ) کا استفادہ:

حضرت خواجہ پارسا نے اپنی مایہ ناز تصنیف فصل الخطاب کی متعدد فصول اور مختلف مقامات پر کشف المحجوب کی عبارتیں نقل کی ہیں اور نہایت تعظیم و تکریم سے حضرت داتا گنج بخش کا ذکر کیا ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

شیخ عالم، عارف، زاہد، مجاہد شیخ الشیوخ قدوۃ اہل الطریقہ کاشف اسرار الحقیقت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ کہ از اقران سلطان طریقہ و برہان حقیقت شیخ ابو سعید بن ابوالخیر فضل اللہ بن محمد بن احمد المیہنی است قدس اللہ تعالیٰ روحہ واقتدائی ہر دو بزرگوار در طریقت بزین او تادو شیخ عباد ابوالفضل محمد بن الحسن السرخسی است قدس اللہ روحہ در کتاب کشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است۔(83)

التباس حضرت پارسا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری اور حضرت ابو سعید بن ابی الخیر رحمہما اللہ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کے پیران طریقت کا ایک ہی نام تھا مگر مسکن علیحدہ علیحدہ ــــــ محض ہم نامی کی وجہ سے انہیں یہ اشتباہ ہو گیا۔ حضرت ابو سعید کے حالات کے سلسلے میں کشف المحجوب میں بتایا گیا ہے کہ ان کے مرشد سرخس میں رہتے تھے۔

دران وقت والی سرخس شیخ ابوالفضل حسن بود(84)

مولانا جامی قدس سرہ نے شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہ کے حالات کے شروع میں لکھا ہے۔

"شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہ نام وی محمد بن الحسن است، وی مرید ابو نصر سراج است و پیر شیخ ابو سعید ابوالخیر"(85)

پھر شیخ ابو سعید کے حالات میں رقم فرمایا ہے۔

"پیروی در طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی است"(86)

ہم نامی کی وجہ سے جو التباس و اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے اس کے پیش نظر حضرت داتا صاحب کے مرشد ارشد کے حالات لکھتے وقت شروع ہی میں وضاحت کر دی ہے۔

"ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہ وی غیر ابوالفضل بن حسن سرخسی است"(87)

معلوم ہوتا ہے کہ فصل الخطاب حضرت خواجہ یعقوب چرخی غزنوی صاحب رسالہ ابدالیہ کے پیش نظر تھی للذا انہوں نے فصل الخطاب کے اس بیان پر اعتماد کرتے ہوئے لکھ دیا کہ حضرت ابو سعید ابوالخیر اور حضرت علی ہجویری دونوں بھائی (پیر بھائی) تھے۔(88) اور خواجہ پارسا کے تتبع میں کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کا اضافہ بھی روا رکھا۔ کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کے اضافے پر بحث آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ

حضرت ابو فتح سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز (م 825ھ)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اپنی بے مثل تصانیف میں کشف المحجوب کے حوالے دیئے ہیں۔ ان کے مکتوبات شریف کا مجموعہ پیش نظر ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"آں محقق مدقق آں شیخ برحق آں صوفی معنوی و صوری ابو علی عثمان (علی بن عثمان) ہجویری قدسی نقل کردہ است۔"(89)

ان مکاتیب شریفہ کا متن اغلاط سے پر ہے۔ مصحح نے تصحیح کی امکانی کوشش کی ہے مگر پھر بھی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ حضرت داتا صاحب کے اسم گرامی کو جو "ابو علی عثمان" لکھا

ہے یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

شیخ محمد اکرم صابری رحمۃ اللہ علیہ نے اقتباس الانوار کے ماخذوں کی فہرست اس کے صفحہ 3 پر دی ہے جس میں کشف المحجوب کا نام درج ہے۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے۔

"در تالیف و تدوین سفینۃ الاولیاء سفینۃ الاصفیاء نامہ دانشوران(90) و طرایق الحقایق(90-الف) نیز از کشف المحجوب استفادہ ہای بسیار و اقتباسات مکرر و متعددی شدہ است۔"(91)

مراجع و منابع کشف المحجوب

کشف المحجوب سے استفادہ و استفاضہ کرنے والے اولیاء کرام اور مورخین کے ذکر کے بعد حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی نورانی تصنیف کے مراجع و منابع کا بیان اشد ضروری ہے۔

(الف) فیض عالم قدس

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام۔ (الانعام ع 15) یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ ____ یعنی جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو' وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (روشنی) پر ہوتا ہے۔ اور جسے حق تعالیٰ شرح صدر کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو اسے اپنے انوار و تجلیات سے نوازتا ہے اور عالم قدس سے جو انوار اس کے قلب پر وارد ہوتے ہیں ان کی برکات سے کشف حقائق ہوتا ہے اور رموز حقیقت و اسرار معرفت منکشف ہوتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کا صحیح فہم و ادراک حاصل ہوتا ہے۔ غرض کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف کا منبع اول یہی فیض عالم قدس ہے۔

و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

(ب) قرآن مجید

(ج) احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

پروفیسر ژوکوفسکی نے کشف المحجوب کے دقیق مطالعہ کے بعد اس کے منابع و ماخذ تلاش کئے ہیں اور اپنے مقدمہ کشف المحجوب میں ان کے نام درج کئے ہیں۔

1- تاریخ اہل صفہ : تالیف حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی (متوفی 412ھ) (کشف(93) صفحہ 99) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس تالیف کا نام نہیں لکھا مگر تاریخ اہل الصفوۃ کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ زیر بحث کتاب ہی ہو۔ (جلد دوم نمبر شمار 2168)

2- کتاب سلمی : (کشف، صفحہ 141) جو بعد میں طبقات الصوفیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

3- کتاب قشیری: (کشف صفحہ 141) جو الرسالۃ القشیریہ کے نام سے معروف ہے۔

4- کتاب محبت : (کشف، صفحہ 399) تالیف عمر بن عثمان مکی (متوفی 297ھ - 296ھ) شیخ عطار نے بھی تذکرۃ الاولیاء میں اس سے استفادہ کیا ہے (تذکرہ طبع لاہور صفحہ 233)

5- لمع (فی التصوف) : تالیف ابو نصر سراج (یافعی نے مراۃ الجنان میں لکھا ہے کہ اس کا سال اتمام تصنیف 378ھ ہے)

6- تاریخ المشائخ: تالیف محمد بن علی حکیم ترمذی (کشف، صفحہ 50)

7- کتاب مقدسی : (کشف صفحہ 334) ممکن ہے کہ یہ وہی رسائل اخوان الصفا ہوں جس کے مولفین میں سے ایک ابو سلیمان البستی المقدسی ہے۔

8- حکایات عراقیاں : (کشف صفحہ 56) از تصانیف شیوخ صوفیہ

عراق۔

9- حکایات: حضرت علی ہجویری قدس سرہ نے کشف المحجوب میں بار بار فرمایا ہے اندر حکایات یافتم۔ بنا بریں یہ واضح ہے کہ یہ کتاب کشف المحجوب کے ماخذوں میں سے ہے۔

منابع درجہ دوم

مشہور اور اہم کتابیں جو کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت دوسرے درجہ پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر رہیں ان کے نام یہ ہیں۔

1- تصانیف حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب کے بیان کے مطابق ان کی تعداد پچاس اور اقطار و اکناف خوزستان، فارس اور خراسان میں منتشر ہو چکی ہیں۔ (کشف صفحہ 191)

2- تالیف ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی ______ (کشف صفحہ 214، 334)

3- رسائل ابو العباس سیاری ______ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پیروؤں کو مرو اور نساء میں دیکھا لہٰذا یہ رسائل بھی ان ہی شہروں میں دیکھے ہوں گے۔

4- رسائل حکیم ترمذی ___ یہ رسائل حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی توجہ کا مرکز رہے (کشف صفحہ 178، 439) اور ان کے نام یہ ہیں۔ بیان آداب المریدین، ختم الولایت، کتاب النہج نوادر الاصول (فی معرفت اخبار الرسول)

5- کتاب سماع - از ابو عبدالرحمٰن سلمی (کشف صفحہ 523)

6- روایات - از ابوالفضل ختلی مرشد ہجویری رحمہما اللہ (کشف صفحہ 110)

7- غلط الواجدین - از تصانیف ابو محمد رویمی (کشف، صفحہ 170)

اب ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مستقلاً حضرت ہجویری قدس سرہ کا مراجع نہیں رہیں بلکہ کبھی کبھی ان کی طرف رجوع کیا گیا۔

1- تصحیح الارادہ - از تصانیف حضرت جنید بغدادی قدس سرہ (کشف، صفحہ 439)

2- الرعایہ بحقوق اللہ - از تالیف احمد بن خضرویہ (کشف صفحہ 439)

3- کتاب اندر اباحت سماع - مولف نامعلوم (کشف صفحہ 524)

4- کتاب اندر مرقعہ - از تصانیف ابو معمار اصفہانی (کشف صفحہ 62)

5- کتاب رغایب - از تصانیف ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسیؒ در اصول تصوف (کشف صفحہ 134) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے۔

6- مراۃ الحکماء - از تصانیف شاہ شجاع کرمانی (کشف، صفحہ 174)

آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ مذکورۃ الصدر کتب و رسائل کے علاوہ اور تصانیف و تالیف بھی صاحب کشف المحجوب کے زیر نظر رہی ہیں جن کے مصنفین و مولفین کے صرف اسماء گرامی تحریر کرنے پر اکتفا کی گئی ہے مثلاً" تصانیف یحییٰ رازی (کشف، صفحہ 153) تالیف ابوبکر وراق (کشف، صفحہ 179، 439) آثار سہل بن عبداللہ (کشف، صفحہ 439) کتب مشائخ (کشف، صفحہ 334) اور ابو حمدون قصار و صوفیہ قصاریان کے اقوال مکرر نقل کئے ہیں۔ (کشف صفحہ 328)(94)

○ گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا۔ (مشکوٰۃ)

اے اللہ میں تجھ سے اچھا داخل ہونا، اور اچھا نکلنا مانگتا ہوں ہم اللہ کا نام لے کر داخل ہوئے اور ہم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا۔

اس کے بعد گھر والوں کو سلام کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان اپنے

رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب

حضرت امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہ (م 465ھ) حضرت شیخ علی ہجویری قدس سرہ کے معاصر ہیں اور حضرت مخدوم ہجویری نے ان سے ملاقات بھی کی ہے اور کشف المحجوب میں ان کی جلالت شان کے معترف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت داتا صاحب کے استاد بھی ہیں مگر کشف المحجوب سے اس خیال کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی۔ امام قشیری نے الرسالۃ القشیریہ 437ھ میں لکھنا شروع کیا اور اوائل 438ھ میں مکمل کر لیا تھا اور رسالہ قشیریہ کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت حضرت داتا صاحب کے پیش نظر تھا ____ یہ دونوں کتابیں جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں اور ہم عصر بزرگوں کی تصانیف ہیں ان دونوں میں جو نمایاں فرق ہے اسے سمجھنے کے لئے درج ذیل آرا مفید ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر پیر محمد حسن مترجم و محشی رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں۔

ہجویری نے اس کتاب (کشف المحجوب) میں قشیری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں۔(95)

مخدومی پیر صاحب نے حضرت داتا صاحب کو امام قشیری کا متبع لکھنے کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ شیخ ہجویری نے بعض ایسے امور سے بحث کی ہے جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں مگر کشف المحجوب کے مصحح اور مقدمہ نگار ژوکوفسکی امام قشیری کو حضرت داتا صاحب کے شیوخ صحبت میں شمار کرنے کے باوجود یہ تسلیم نہیں کرتا کہ ہجویری نے اپنی تصنیف میں قشیری کا تتبع کیا ہے' لکھتا ہے۔

الرسالۃ القشیریہ فی علم التصوف للامام العالم ابی القاسم عبدالکریم ہوازن القشیری و کشف المحجوب ہجویری جلابی غزنوی اولی بتازی و دومی بپارسی ہر دو از کتب طراز اول تصوف و ہر دو در حدود اواسط قرن پنجم ہجری تالیف شدہ است' باوجود وحدت کامل موضوع' ہر بحث' نہ در کیفیت و کمیت مسائل مورد نظر ونہ در تعبیر و تفسیر مطالب مطروحہ' ہیچ گونہ وجہ اشتراکی بین ایں دو اثر نفیس واصیل مشاہدہ نمی شود' فقط گاہ گاہی در بعضی اصطلاحات فنی اندک مشابہتی بین آں دو ملاحظہ می گردد (اِلی المثل قشیری گوید: المحو والاثبات (ص 46' رسالہ) و ہجویری می نویسد' النفی والاثبات (ص - 494 کشف) لاغیر۔(96)

عبدالماجد دریا بادی' جو قشیریہ اور کشف المحجوب میں سے کسی کے بھی دیباچہ نگار نہیں ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے۔

اس کتاب کے تقریباً" ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ القشیریہ ہے' موضوع اس کا بھی تصوف ہے دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے بہ خلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ' مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات' مکاشفات' واردات' مجاہدات وغیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں اور مباحث سلوک پر رد و قدح کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔(97)

سبک کشف المحجوب

ملک الشعرا بہار نے کشف المحجوب کی نثر کو دور اول یعنی دور سامانیاں میں شامل کیا ہے' لکھتے ہیں۔

"ایں کتاب از حیث سبک بالاتر واصیل تر بدورہ اول نزدیک تر است' تا سائر کتب صوفیہ' ومی تواں آں را یکی از کتب طراز اول شمرد کہ ہر چند در قرن پنجم تالیف شدہ و بیش از کتب قدیم دست خوش تازی و لغت ہای آں زمان است' اما باز نمونہ

سبک قدیم را از دست نداده و روی ہمرفتہ دار ای سبک کہنہ است۔ افعال و لغات کہنہ و غریب و استعمالات دورہ اول بتمامہا درین کتاب دیدہ می شود و ازیں گزشتہ اصطلاحات خاصی نیز از خود دارد کہ غالب آن ہا بعد ازیں در کتب تصوف مصطلح گردیدہ است۔(98)

اس کے بعد ملک الشعرا نے ذیل کے عنوانات کے تحت داد تحقیق دی ہے۔ لغات فارسی ___ اصطلاحات و کلمات تازہ عربی _____ موازنہ و سجع _____ حذف افعال بقرینہ۔(99)

کشف المحجوب کے نام اور زبان کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ

کشف المحجوب کے تمام قدیم خطی نسخوں میں اس کا پورا نام کشف المحجوب ہی لکھا ہے اور قدیم ترین مصنفین نے بھی اس کا یہی نام تحریر کیا ہے مگر بعض مصنفین نے اس کا پورا نام "کشف المحجوب لارباب القلوب" سمجھا ہے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصل الخطاب میں یوں لکھا ہے۔

در کشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است (100)

چونکہ کشف المحجوب حاجی خلیفہ کے پیش نظر نہ تھی اس لئے انہوں نے کشف الظنون میں اس کا نام اور کیفیت فصل الخطاب سے نقل کی۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے۔

دریں موردمی تواں گفت کہ مشار الیہ (حاجی خلیفہ) اصلا خود متن کتاب کشف المحجوب را نہ دیدہ بودہ است زیرا معمولا حاجی خلیفہ ہنگام بحث از کتابہای کہ شخصا" برای العین دیدہ آغاز و انجام نسخہ نیز نقل می کند ولی در مورد کشف المحجوب چنیں چیزی نیاوردہ است۔(101)

لہذا کشف الظنون پر اعتماد کرتے ہوئے متاخرین نے اس کا نام کشف المحجوب لارباب القلوب لکھنا شروع کر دیا۔ پھر لکھا ہے۔

"خواجہ محمد پارسا از عرفای طریقہ نقشبندیہ متوفی ہشت صد و بیست و دو ہجری قمری' کہ در حدود دو قرن قبل از حاجی خلیفہ می زیستہ' در تالیف خود بنام فصل الخطاب لوصل الاحباب داشتہ کہ کشف المحجوب عنواں انحصاری کتاب ہجویری است و نام کامل آں چنیں می باشد کشف الحجب المحجوب لارباب القلوب۔"(102)

اور حاشیہ میں لکھا ہے۔

در فہرست آغاز نسخہ بدیں عنواں آمدہ کتاب کشف سر المحجوب لارباب القلوب باضافتہ کلمہ سر(103) (نسخہ خطی دانش گاہ لینن گراڈ)

اس اقتباس میں ژوکوفسکی کی دو باتیں محل نظر ہیں۔ اول یہ کہ فصل الخطاب کے نام کے ساتھ لوصل الاحباب کا اضافہ غلط ہے۔ اس کتاب کا جو قلمی نسخہ راقم السطور کے پیش نظر ہے اس سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ دوم' حاجی خلیفہ نے اس کا نام فصل الخطاب فی المحاضرات لکھا ہے۔(104) پھر آگے چل کر ایک اور کتاب کا تعارف کرایا ہے جس کا نام فصل الخطاب لوصل الاحباب ہے۔ کشف الظنون کی عبارت ملاحظہ ہو۔

فصل الخطاب لوصل الاحباب _____ منظومہ فی اثنی عشرت الف بیت للشیخ بدر الدین محمد بن محمد المعروف بابن رضی الدین الغزی (م 984ھ)(105)

معلوم ہوتا ہے کہ ژوکوفسکی کو کشف الظنون دیکھتے وقت غلطی لگی ہے۔ دوسرے جو یہ لکھا ہے۔ "فصل الخطاب میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کشف المحجوب انحصاری نام ہے اور پورا نام کشف الحجب المحجوب لارباب القلوب ہے۔"

عجیب بات ہے ___ 711 صفحات پر مشتمل فصل الخطاب

پیش نظر ہے اس میں ہمیں تو ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں ملا۔ اس کتاب میں ساٹھ/ستر جگہ کشف المحجوب کے اقتباسات صرف کشف المحجوب کے نام سے نقل ہوئے ہیں بلا کسی وضاحت کے اور صرف دو مقام پر اس طرح کے نام نظر آئے ہیں۔

1- کشف المحجوب لارباب القلوب(106)

2- کشف حجب المحجوب لارباب القلوب(107)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ پارسا جوش عقیدت اور کتاب کے موضوع کی مزید وضاحت کی خاطر اپنی طرف سے الفاظ بڑھاتے رہے ہیں جیسا کہ نسخہ مخزونہ دانش گاہ لینن گراڈ کی فہرست میں ایک تیسرا اضافہ یہ ہے: "کشف سرا المحجوب لارباب القلوب"

غرض کہ فصل الخطاب کے مطالعہ ہی سے رسالہ ابدالیہ اور کشف الظنون کے مولفین کو اشتباہ ہوا ہے وگرنہ حضرت داتا صاحب کی کتاب کا نام صرف اور صرف کشف المحجوب ہی ہے۔

پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ یونیورسٹی) جو بھارت کے مسلمانوں کے اذہان کو کمیونزم کے زہریلے اثرات سے مسموم کرنے پر مامور تھے اسی لئے انہیں دارا شکوہ کے دور الحاد و زندقہ کی تحریریں بہت پسند تھیں۔ یہ صاحب 1931ء میں کابل گئے تو بقول ان کے حضرت نور المشائخ ملا صاحب شور بازار رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی اس کا فارسی ترجمہ بعد میں ہوا۔ عربی اصل ضائع ہو گئی فارسی ترجمہ باقی رہ گیا۔ پروفیسر صاحب نے اس رائے کو قبول کر لیا اور آخر تک اس پر قائم رہے۔(108)

خدا جانے حضرت نور المشائخ نے کیا فرمایا اور انہوں نے کیا سمجھا بہرحال یہ رائے بالکل غلط ہے کہ اس کتاب کی نثر سبک قدیم میں ہے جو بعد میں نہیں لکھی جا سکتی تھی۔ نیز قدیم کتابوں میں جو اس کے اقتباسات ملتے ہیں وہ بالکل اس کے مطابق ہیں۔

کشف المحجوب فارسی کے مطبوعہ نسخے

اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کے خطی نسخے بہت جلد اطراف و اکناف عالم میں پھیل گئے تھے جیسا کہ تذکرۃ الاولیاء میں اس کے حوالے ملتے ہیں اور اس کے قلمی نسخے دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں اور بعض لوگوں کے ذاتی کتب خانوں میں بھی اسکے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ مگر بخوف طوالت اس وقت ان کی تعداد اور ضروری کوائف بیان نہیں کئے جا سکتے صرف مطبوعہ فارسی نسخوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

1- کشف المحجوب - مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور، صفحات 267- راقم الحروف کے سامنے اس کا جو نسخہ (مملوکہ میاں محمد الدین کلیم) ہے، اس کا پہلا صفحہ بوسیدہ ہونے کے باعث سنہ طباعت بچشم خود پڑھ نہیں سکا۔ ڈیوگن نے اپنے مضمون میں اس کا سنہ طباعت 1874ء دیا ہے۔(109)

2- مطبوعہ بہاول پریس لاہور، سنہ طباعت ندارد صفحات 328- اس نسخہ میں مطبع پنجابی کے نسخہ کے حواشی من و عن درج ہیں گویا یہ اس کی نقل ہے۔ یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے اس پر سنہ طباعت درج نہیں، مگر ڈیوگن نے اس کا سنہ طباعت 1903ء دیا ہے(110) خدا جانے اس نے یہ کیسے جانا بہرحال یہ نسخہ ہے خاصہ قدیم۔

3- مطبوعہ مطبع نامی کرامی حرمت مند سلیانوف (سمرقند) سنہ طباعت 1330ھ/1912ء - یہ نسخہ بہت شوق سے چھاپا گیا ہے اور آخر میں مصنف کے سوانح دارا شکوہ کی سفینۃ الاولیاء سے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

4- مطبوعہ مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور، سنہ طباعت 1342ھ/1923ء صفحات 329، یہ نسخہ نمبر1 اور 2 کی نقل ہے اور اس

کے مصحح ہیں مولانا سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔ آخر میں مصنف کے مختصر سوانح بزبان فارسی مرقومہ منشی حبیب اللہ درج ہیں اور یہ نسخہ سنہ مذکورہ میں دو بار طبع ہوا۔

5- مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور، سنہ طباعت 1931ء صفحات 328-

6- نسخہ ژوکوفسکی مطبوعہ لینن گراڈ (روس) سنہ اشاعت 1344ھ/1926ء صفحات مع فہارس 607- یہ نسخہ اس کے مرتب پروفیسروالنتین ژوکوفسکی (م 1918ء) کی تصحیح، مقدمہ بزبان روسی اور ضمیمہ ہشت فہارس کے لحاظ سے سب نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے چونکہ اس کے صرف اڑھائی سو نسخے طبع ہوئے تھے اس لئے نایاب کے حکم میں داخل ہے۔ راقم نے بھی اس کی زیارت نہیں کی۔

7- نسخہ ژوکوفسکی طبع تہران۔ ژوکوفسکی کا تصحیح کردہ نسخہ ادارہ انتشارات امیر کبیر تہران نے 1336 شمسی/1957ء میں شائع کیا۔ ژوکوفسکی کے مقدمہ کو فارسی میں منتقل کر کے شامل کیا گیا ہے۔ فاضل محمد لوی عباسی نے اس کے ابتدا میں دو مقالے "تجلیات تصوف ایرانی" اور "تحقیقات نویں راجع بکشف المحجوب" شامل کر کے اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ محمد لوی عباسی کے پہلے دو مقالے اور ژوکوفسکی کا مقدمہ 62 صفحات پر محیط ہیں اور متن کتاب کے 546 صفحات ہیں۔ آخری آٹھ فہرستوں کے 61 صفحے ہیں۔ غرض کہ یہ بہترین نسخہ ہے۔

8- مطبوعہ نامی پریس لاہور، صفحات 328- کاغذ اور صحت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔ اس پر سنہ اشاعت تحریر نہیں لیکن راقم کو معلوم ہے کہ قریباً 1960ء میں طبع ہوا تھا۔ اس کے آخر میں 28 صفحات پر مشتمل فصول و ابواب کی وضاحتی فہرست موجود ہے۔

9- نسخہ مولوی محمد شفیع۔ مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز لاہور، سنہ طباعت 1968ء صفحات 481، ناشر احمد ربانی۔ اس کے شروع میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کی نشری تقریریں بطور پیش لفظ اور مقدمہ دے دی گئی ہیں چونکہ یہ نسخہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبہ نسخے کی نقل بتایا جاتا ہے اس لئے حضرت زکریا قدس سرہ کے حالات زندگی مرقومہ مولوی صاحب موصوف بھی شامل کر دیئے گئے ہیں مگر اہل علم اس خطی نسخے کا حضرت زکریا سے انتساب صحیح نہیں سمجھتے۔ مولانا نور احمد خان فریدی مولف تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا و مولف کتب کثیرہ رقم فرماتے ہیں۔

العزیز بہاولپور کے شمارہ فروری 1945ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں صاحب مضمون نے تحریر کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام نے سید علی ہجویری کی مشہور عالم تصنیف کشف المحجوب کو بھی اپنے ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا یہ قیمتی نسخہ جیسا کہ صاحب مضمون نے تحریر کیا، پیر زادہ مولوی محمد حسین ایم اے مترجم عجائب الاسفار کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں سے ہر چند دریافت کرنے کی کوشش کی لیکن اس گنج شائیگاں کا پتا نہیں چل سکا۔ حال ہی میں جناب احمد ربانی صاحب نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے کشف المحجوب کا ایک فارسی نسخہ طبع کرایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے۔ جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی انہوں نے اس نسخے کا پہلے اور آخری صفحے کا عکس بھی دیا ہے مگر اسے حضرت شیخ الاسلام سے منسوب کرنے میں چند اشکال حائل ہیں ایک یہ کہ اس پر تاریخ ارقام 664ھ درج ہے حالانکہ حضرت کا سنہ وصال بالاتفاق 661ھ ہے۔ دوسرے یہ کہ دستخط کی عبارت بہاء الدین زکریا پر مشتمل ہے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام کا نام صرف زکریا ہے۔ ابو محمد کنیت اور بہاء الدین لقب ہے۔ کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ اپنے قلم سے لقب نہیں لکھا کرتا۔ چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام جیسی منکسر المزاج

شخصیت اپنے نام سے پہلے اپنے لئے بہاء الدین لکھنا پسند کرتی۔ لہٰذا اس قلمی نسخے کا حضرت سے انتساب صحیح نہیں۔ (111)

مولانا فریدی صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ ”حضرت کا سنہ وصال بالاتفاق 661ھ ہے“ صحیح نہیں، اختلاف ہے، کسی نے 661ھ تو کسی نے 666ھ لکھا ہے۔ اگر 666ھ ہی کو صحیح قرار دیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر 95 برس سے کچھ اوپر ہو گی کیا اس عمر میں وہ اتنی ضخیم کتاب کی نقل کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے؟ مزید طرفہ یہ کہ ترقیمہ میں بہاء الدین کو بہاؤ الدین واؤ کے اضافہ کے ساتھ اور زکریا کو ذکریا (ذال کے ساتھ) تحریر کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ہرگز ہرگز اس طرح کی غلطیاں نہیں کر سکتے تھے لہٰذا اس نسخے کا حضرت شیخ الاسلام کی طرف انتساب کاتب کا جعل ہے۔ بہرحال یہ نسخہ صحت کے اعتبار سے سمرقندی نسخہ سے بہتر ہے۔

تراجم

پروفیسر نکلسن (م1945ء) نے کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلی بار 1911ء میں گب میموریل لندن نے شائع کیا۔ 1936ء میں اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن چھپا۔ پھر 1959ھ اور 1967ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے کہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی چار بار چھپ چکا ہے۔

بیس سے زائد اردو تراجم چھپ چکے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بارہا شائع ہوئے اس وقت ان سب تراجم کی تفصیل دینے کی گنجائش نہیں۔

سیاحت

مردان خدا کی زیارت اور مزارات اولیاء اللہ سے استفادہ و استفاضہ کی غرض سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا بہت بڑا مجاہدہ ہے جو مشاہدہ کی دولت سے نوازتا ہے۔ حضرت داتا صاحب نے یہ مجاہدہ بھی حد کمال کو پہنچا دیا۔ قریباً تمام عالم اسلام کی سیاحی کی اور وقت کے اعاظم مشائخ و صوفیہ سے اکتساب فیض کیا۔ انہوں نے جن جن ملکوں اور شہروں کے بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، اس کا ذکر کشف المحجوب میں کیا ہے۔ ان اماکن کی نامکمل فہرست درج ذیل ہے۔

ماوراء النہر، آذر بائیجان، بسطام، خراسان، کمش، کمند، نیشاپور، بخارا، سمرقند، سرخس، طوس، شام، بیت الجن، دمشق، رملہ، عراق، بغداد، فارس، نواحی خوزستان، فرغانہ، شلاتک، اوزکند، میہنہ، مرو، ترکستان، پاک و ہند۔

کشف المحجوب حضرت داتا صاحب کا سفر نامہ نہیں ہے اس میں ان کے سفر و سیاحت کا ذکر ضمناً ہوتا چلا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اتنے ہی ملکوں اور شہروں کی سیاحی کی جن کے نام ان کی کتاب میں مذکور ہوئے ہیں اور ان کا سفر پاک و ہند بھی صرف اس حد تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ غزنی سے چل کر لاہور پہنچ گئے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاک و ہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی، یہاں کے علماء سے ملے تھے اور یہاں کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج اور ہندوؤں کے عقائد سے گہری واقفیت حاصل کی تھی۔ فنا و بقا کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ہندوستان میں میرا ایک عالم سے مناظرہ ہوا تھا۔

”ہندوستان کے اندر میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جو تفسیر و تذکیر اور علم کا مدعی تھا، اس نے مجھ سے فنا و بقا کے مسئلہ پر مناظرہ کیا جب میں نے اس کی تقریر سنی تو معلوم ہوا کہ یہ خود فنا و بقا کو بالکل نہیں سمجھتا اور قدیم و محدث کے

فرق کو بھی نہیں جانتا۔"(112)

حلولیہ کے عقائد باطلہ کے بیان میں روح کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"_____ اور جملہ اہل ہندو تبت اور چین و ماچین یہی عقیدہ رکھتے ہیں شیعوں قرامطیوں اور باطنیوں کا بھی اسی پر اجماع ہے۔(113)

محبت کی شہرت اور تعریف کی بحث کے دوران' سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہنود کی قلبی ناراضی اور ان کی بے بسی کا ذکر نہایت لطیف پیرائے میں کیا ہے۔

"ہندوؤں کے نزدیک محبت کی قید محمود کی قید سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ اور محبت کا زخم اور داغ ہندوؤں کے نزدیک اس زخم سے بھی زیادہ شہرت رکھتا ہے جو محمود نے انہیں لگایا تھا۔"(114)

باب سماع الاصوات والالحان میں رقمطراز ہیں۔

"مشہور ہے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو جنگل میں جا کر گاتے اور سریلی آواز نکالتے ہیں' ہرن جب ان کے غنا اور لحن کو سنتے ہیں تو وہ ان کی طرف آ جاتے ہیں اور (شکاری) ان کے گرد گھوم کر گاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ہرن گانے کی لذت سے مست ہو کر آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں اور وہ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔"(115) ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا تھا اور اس کی زندگی اسی زہر پر موقوف تھی۔"(116)

غرض کہ انہوں نے بے سروسامانی میں پاپیادہ اس قدر سفر کئے کہ آج کے ذرائع میں ایک بے سروسامان فقیر کے لئے ان کا تصور بھی ناممکن ہے چنانچہ لعل بیگ لعلی لکھتا ہے۔

"مسافرت بسیار نمودہ و ریاضت و مجاہدات شاقہ کہ از طاقت بشری بیرون بود کشیدہ۔"(117)

لاہور میں ورود مسعود

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے تجرید و توکل کی بنیاد پر بارہا طویل سفر کئے اور بہت زیادہ سیاحی کے بعد دارالسلطنت لاہور میں اقامت گزیں ہوئے' اور اس شہر کے تمام باشندے ان کے مرید و معتقد ہو گئے۔

"بارہا بر قدم تجرید و توکل سفر بسیار کردہ اند و بعد از سیاحی بسیار در دارالسلطنت لاہور رسیدہ اقامت ور زیدند' اہل آں دیار ہمہ مرید و معتقد او گشتند۔"(118)

لاہور تشریف لا کر اسی مقام پر قیام پذیر ہوئے جہاں ان کا مزار پر انوار ہے۔ مرزا لعل بیگ لعلی لکھتا ہے۔ "اکنوں قبرش در خطہ لاہور' در ہمان زمین است کہ روح پاکش از جسد مطہروی مفارقت کردہ۔"(119)

لاہور کب تشریف لائے؟

اس باب میں مختلف آراء ہونے کے سبب یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ لالہ سجان رائے بٹالوی رقمطراز ہے۔ "محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ سلطان کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح ان ہی کی توجہ سے ہوئی۔" (120)

یہ روایت واضح طور پر غلط ہے اس لئے کہ بقول سید محمد لطیف مصنف تاریخ لاہور سلطان محمود غزنوی نے لاہور 393ھ میں فتح کیا اور بقول لین پول سلطان محمود 392ھ میں پہلی بار پاک و ہند کی طرف متوجہ ہوا۔ گویا اس وقت تک حضرت داتا صاحب کی اس جہان رنگ و بو میں تشریف آوری بھی نہیں ہوئی تھی۔

فوائد الفواد میں ایک ایسی روایت درج ہے جو بعض غلط

فہمیوں کا باعث ہوئی لہذا وہ آج تک ہدف تنقید بنتی چلی آ رہی ہے۔ و ھو ھذا:

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ علیہما دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے عہد کے قطب وقت تھے، شیخ حسین زنجانی (شیخ علی ہجویری سے) پہلے ہی لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ علی سے فرمایا کہ لاہور جاؤ اور وہیں مقیم ہو جاؤ۔ شیخ علی ہجویری نے عرض کی کہ وہاں حسین زنجانی مقیم ہیں۔ پیر نے فرمایا تم جاؤ۔ اور جب علی ہجویری ان کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا صبح ہوئی تو دیکھا کہ لوگ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لا رہے تھا۔" (121)

اس روایت کی تکذیب و تردید میں راقم احقر اس قسم کی گرما گرم بحث نہیں کر سکتا جس طرح کہ ڈاکٹر پیر محمد حسن اور پروفیسر محمد اسلم نے کی ہے، اس لئے کہ یہ ان ہی فضلا کا حق ہے۔ (122) مختصر یہ کہ حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار مبارک چاہ میراں لاہور میں مرجع خلائق ہے ان کا سال وفات خزینۃ الاصفیاء میں 600ھ اور تحقیقات چشتی میں 606ھ درج ہے اور ان کی لاہور میں آمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ آئے اور سید یعقوب زنجانی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ وہ 535ھ میں وارد لاہور ہوئے۔ (123) حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ساکن چک سادہ شریف (م 1388ھ) نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "میں نے شیخ زنجانی کے مزار پر وہ پتھر نصب دیکھا ہے جس پر ان کا سنہ وصال 600ھ کندہ تھا جو مزار کی مرمت کے وقت اتار دیا گیا۔" عجیب بات یہ ہے کہ مفتی غلام سرور اور مولوی نور احمد چشتی نے ان کا سنہ 600ھ اور 606ھ اپنی اپنی کتابوں میں لکھنے کے باوجود فوائد الفواد کی اس روایت کو حضرت داتا صاحب کی لاہور میں آمد کے سلسلے میں درج کر کے اسے حضرت حسین زنجانی مدفون چاہ میراں پر منطبق کر دیا ہے۔

بہرحال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ سے قریباً" ایک سو تیس سال بعد واصل بحق ہوئے اور ان سے حضرت خواجہ خواجگان معین الدین حسن سجزی (س،ج،ز،ی) چشتی اجمیری قدس سرہ، (م 633ھ) نے لاہور میں ملاقات کی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ مشہور تذکرہ نویس اور صوفی بزرگ حضرت شیخ جمالی (م 942ھ) نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی، جو حضرت شیخ سعد الدین حمویہ قدس روحہ کے پیر ہیں (124) ان دنوں بقید حیات تھے، حضرت زبدۃ المشائخ والاولیاء معین الحق والدین قدس سرہ اور حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان حد سے زیادہ ربط و محبت کا اظہار ہوا۔ (125)

ابو الفضل آئین اکبری میں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"شیخ حسن (حسین) زنجانی فراواں آگہی داشت، خواجہ معین الدین در لاہور بہ صحبت او رسید و خواب گاہ او در آنجاست۔" (126)

مولانا محمد غوثی شطاری رقم طراز ہیں۔

"جب خواجہ معین الدین الاولیاء چشتی اجمیری ہند کو تشریف لائے تو اس وقت چند روز لاہور میں پیر زنجانی کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا، باہم راز داری اور خدا شناسی کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔" (127)

ملا محمد صالح کنبوہ بھی ان بیانات کی تائید کرتا ہے۔

"بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ و زانجا توجہ جانب دہلی اختیار فرمود" (128)

دارا شکوہ کی تائید مزید بھی ملاحظہ ہو۔

_____ شیخ حسین زنجانی را در لاہور دیدہ اند۔(129)

اس مقام پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری اپنی قدس سرہ لاہور کب تشریف لائے؟ مولانا سید عبدالباری معنی اجمیری تنقیدی تالیف تاریخ السلف میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ 588ھ میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد 589ھ میں اجمیر شریف پہنچ گئے۔(130)

اندریں صورت فوائد الفواد کی اس روایت کو الحاقی سمجھ لینا کوئی گناہ نہیں۔ مگر جب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں کی تاریخ نے سب بزرگوں کے حالات کو محفوظ کر لیا ہے تو عنان فکر کو اس طرف بھی موڑا جا سکتا ہے کہ حضرت داتا صاحب سے پہلے لاہور تشریف لانے والے حسین زنجانی ان سے مختلف ہوں گے اور ان کا مزار اور حالات محفوظ نہیں رہ سکے، مگر ہم نامی کی وجہ سے پہلے حسین زنجانی سے متعلق روایت کو بعد والے حسین زنجانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ہم نام بزرگوں کے حالات کے سلسلے میں اکثر ایسا ہوا ہے اور اس کی سیکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت خواجہ پارسا قدس سرہ کے تسامح کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے کہ انہوں نے حضرت داتا صاحب اور حضرت ابو سعید رحمہما اللہ دونوں کو ایک ہی پیر کا مرید قرار دے دیا۔ یا جس طرح کہ جامی لاہوری کے قطعہ تاریخ وفات حضرت داتا صاحب کو حضرت عبدالرحمٰن جامی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں بھی التباس واشتباہ کا قوی امکان ہے۔

اندریں حالات حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت مندرجہ فوائد الفواد اس مسئلے کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیتی ہے۔

بہرحال جس طرح حضرت کی تاریخ ولادت اور دیگر حالات زندگی کے باب میں قدیم تاریخیں کوئی رہنمائی نہیں کرتیں، اسی طرح ان کے لاہور میں ورود مسعود کے سلسلے میں بھی کوئی نشاندہی نہیں کرتیں لہٰذا اس کے متعلق بھی صرف قیاس ہی سے کام لیا گیا ہے۔

رائے بہادر کنہیا لال نے بسال 1884ء کسی ماخذ کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے۔

"یہ بزرگ سلطان مسعود، سلطان محمود کے بیٹے کے ہمراہ لاہور میں آیا۔"(131)

سید محمد لطیف نے بسال 1892ء سنہ ورود کا تعین بھی کر دیا۔

"آپ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے 431ھ میں لاہور تشریف لائے۔(132)

سید محمد لطیف نے سنہ کا تعین کر کے اس قیاسی سنہ کو مزید مشکوک بنا دیا ہے اس لئے کہ 431ھ میں سلطان مسعود دور ابتلاء میں مبتلا ہو جاتا ہے اس سال ترکمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کر کے اسے شکست دے دی تھی۔ اس کے بعد وہ خزائن کو لے کر لاہور آ رہا تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اپنے بھائی محمد کا قیدی بن گیا۔ ملخصاً"(133)

اس کے باوجود 431ھ پر اکثر مورخین مطمئن نظر آتے ہیں۔ مگر رائے بہادر کنہیا لال کی تاریخ لاہور سے 32 سال قبل لکھی جانے والی کتاب چار باغ پنجاب مولفہ گنیش داس میں ان کی تشریف آوری کا سال 451ھ تحریر ہے۔

"در 451ھ چہار صد و پنجاہ و یک ہجری در لاہور تشریف آوروند ____ بعد چہاردہ سال در سلطنت سلطان ابراہیم غزنوی بتاریخ 465ھ چہار صد و شصت و پنجم ہجری در لاہور ودیعت حیات سپردند۔"(134)

جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت داتا صاحب نے اپنی عمر کے آخری سال لاہور میں گزارے۔(135) تو پھر گنیش داس

وڈیرہ نے جو سنہ (451ھ) دیا ہے اسے ترجیح دینا چاہیے 451ھ کو قرین قیاس قرار دے لیا جائے تو حضرت داتا صاحب سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ بن مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے لین پول نے ابراہیم کے سریر آرائے سلطنت ہونے کا سال 451ھ/1059ء لکھا۔

مگر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی قدس سرہ کی تاریخ وصال خزینۃ الاصفیاء میں 453ھ درج ہے اور بقول ذہبی وہ 460ھ میں واصل الی اللہ ہوئے اور ان کے وصال کے وقت حضرت داتا صاحب بیت الجن (دمشق) میں مقیم تھے اور پیر نے مرید کی گود میں جان جان آفرین کے سپرد کی تھی۔ ڈاکٹر محمد شفیع نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے وہ یا تو لاہور 460ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے۔

حق ز حرف او بلند آوازہ شد

اس نائب رسول مقبول ﷺ نے قیام لاہور کے دوران ہزار ہا بت پرست کفار کو کلمہ توحید پڑھا کر ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور کیا اور سیکڑوں خداؤں کو پوجنے والوں کو صرف ایک خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے پر مائل کیا اور لاتعداد گم گشتگاں بادیہ ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور کتنے ہی خوش نصیبوں کو اپنی نظر کیمیا اثر کی بدولت ولایت کے بلند مراتب پر فائز کیا۔

یہ درست ہے کہ محمود کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی یہاں مسلمان ایک حاکم قوم کی حیثیت سے رہنے لگے تھے اور یہاں کے کفار مسلم عوام سے بظاہر مرعوب تھے لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے اور وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے مگر یہاں تشریف لانے والے صوفیہ کرام بالخصوص حضرت داتا صاحب کے ورود مسعود کے بعد یہاں کی مقامی آبادی میں سے لاتعداد لوگ ان کی تبلیغ کے سبب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے چنانچہ یہاں کے باشندوں میں سے ایک کثیر گروہ کی دلی ہمدردیاں فاتحین کے ساتھ ہو گئیں "نظریہ وطنیت" خاک میں مل گیا اور دو قومی نظریہ کی بنیادیں رکھ دی گئیں اور بعد میں آنے والے صوفیہ کرام کی مساعی جمیلہ سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس سے مسلمانوں کی حکومت استحکام پکڑتی گئی۔ فاتحین نے کفار کو تیر و سنان سے زیر کیا تو ان نائبین مصطفیٰ ﷺ نے انہیں تیر نظر سے خدائے واحد کا مطیع و منقاد بنا دیا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی عظیم الشان دینی خدمات اور روحانی عظمت کو چند اشعار میں جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ذیل میں ان کے وجد آفریں اشعار ملاحظہ ہوں۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر (136) را حرم
بند ہای کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد

*

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد طیار عشق
از جبینش آشکار اسرار عشق

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ نے لاہور

کو جو قطب ارشاد کا درجہ دیا ہے اصل میں یہ اسی قطب الاقطاب (علی ہجویری) کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے اس شہر کی خیر و برکت تمام بلاد ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔"(137) حضرت نے اپنی روحانی قوت سے کفرستان ہند میں جو تخم سجدہ کی کاشت کی تھی، رائے بہادر کنہیا لال نے بدیں الفاظ اس کا اعتراف کیا ہے۔

"مسلمانی دین پھیلانے میں بڑی بڑی کوشش کی۔"(138)

اور گنیش داس وڈیرہ رقمطراز ہے۔

"دراں عہد اکثر قوم گوجران ہندو مشرب در لاہور وطن گاہ داشتند معتقد اوشدہ اسلام قبول کردند۔"(139)

مولوی نور احمد چشتی نقل کرتے ہیں۔

"جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک شخص رائے راجو نائب حاکم پنجاب، حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہوا اور اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا' اس کی اولاد تاحال خادم و مجاور ہے۔"(140)

تعمیر مسجد اور ایک کرامت

حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی فرودگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ دارا شکوہ لکھتا ہے۔

انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی جس کی محراب دیگر مساجد کی نسبت جنوب کی طرف مائل ہے، کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے اس محراب کی سمت کے سلسلے میں حضرت شیخ پر معترض ہوئے۔ چنانچہ ایک روز حضرت نے سب علماء کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیئے اور بعد ادائے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نمودار ہو گیا۔ ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے۔(141)

سال وصال

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے سال وصال میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں اور شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاءؒ میں ان کے سنہ وفات 456ھ اور 464ھ رقم کئے ہیں۔ عہد جہانگیر کے ایک عالم و عارف مولانا جامی لاہوری (مدفون بجوار حضرت شیخ طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے قطعہ تاریخ میں 465ھ نظم کیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام میں، گنیش داس وڈیرہ نے چار باغ پنجاب میں، سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں 465ھ ہی لکھا ہے اور دیگر متعدد مولفین نے بھی یہی سنہ نقل کیا ہے۔ نکلسن نے 465ھ تا 469ھ کا کوئی سالہا سال کہا ہے۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے تاریخ تصوف در اسلام جلد دوم میں در حدود 470ھ تجویز کیا ہے۔

مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور عبدالحی حبیبی قندھاری (کابل) ان سب سے آگے نکل گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے 479ھ(142) اور حبیبی صاحب نے 500ھ تک کا تعین کیا ہے۔ ان فاضلوں نے کشف المحجوب کے چند ایک مختلف ایڈیشن سامنے رکھ کر اس قسم کی داخلی شہادتیں فراہم کی ہیں کہ داتا صاحب نے فلاں فلاں بزرگ کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ اور فلاں کا ذکر بہ صیغہ ماضی کیا ہے لہٰذا یہ کتاب بقول مولوی محمد شفیع 479ھ اور بقول حبیبی 481ھ کے بعد تک لکھی جا رہی تھی۔ حبیبی صاحب نے اپنی طویل بحث کا لب لباب ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"لازمی طور پر 481ھ اور 500ھ کے درمیان وفات پائی ہو

گی۔" (143)

مفصل بحث کا یہ مقام نہیں۔ مختصر یہ کہ بیشتر مقامات پر رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ کاتبوں کے خود ساختہ اضافے ہیں اور اسی طرح ہست کو بود بھی بنایا ہوا ہے۔ ایسی تحقیق کی بنیاد مصنف کا اپنا مکتوبہ نسخہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو قدیم ترین متعدد خطی نسخے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ کاتبوں کی کمی بیشی تحقیق کا مدار نہیں بن سکتی۔ اس جدید تحقیق کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ فاضل حبیبی نے کشف المحجوب نسخہ سمرقند سے ذیل کا اقتباس پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتاب زیر تسوید تھی کہ حضرت امام قشیری قدس سرہ 465ھ میں وفات پا گئے تھے۔

"استاد امام زین الاسلام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ اندر زمانہ خود بدیع بود و قدش رفیع و منزلتش بزرگ" (144)

مگر یہی عبارت ژوکوفسکی ایڈیشن میں اس طرح ہے۔

"استاد و امام زین اسلام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اندر زمانہ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ" (145)

پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں کشف المحجوب کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ 1080ھ موجود ہے اس میں بھی "اندر زمانہ خود بدیع ست ....." (146) تحریر ہے۔

گویا اس بحث برائے بحث یا تحقیق کی بنیاد محض اختلاف نسخ اور کاتبوں کے اضافات پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ ان بزرگوں کے اسماء کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرت نے خود ہی لکھا ہے تو پھر ان کے اپنے اسم گرامی کے ساتھ شروع کتاب ہی میں رضی اللہ عنہ بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور اگر انہوں نے اپنے لئے یہ دعائیہ کلمہ خود تحریر کیا ہے تو دوسرے زندہ بزرگوں کے لئے بھی کر سکتے تھے۔

بہر حال حضرت کا صحیح سنہ وصال کسی معاصر نے نہیں لکھا لہٰذا 456ھ قطعاً" غلط ہے' 465ھ تا 469ھ ہی قرین صحت سمجھا جا سکتا ہے۔ (147)

مزار پر انوار

یوں تو جملہ ارباب یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار ہیں مگر جہاں وہ محو استراحت ہیں وہ مقام بوسہ گاہ عالم' قبلہ اہل صفا اور کعبہ عشاق ہے۔ یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیاء ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقامات مقدسہ سے زیادہ قرآن خوانی ہوتی ہے جہاں سب سے زیادہ ذکر خدا اور ذکر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اور یہ تبلیغ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ جہاں ہر وقت حاجت مند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور داتا (سخی) کے دریائے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت کا مزار فائض الانوار زمانہ قدیم سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے۔ بڑے بڑے عارفین اور سرخیل اولیاء یہاں سے فیض یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔ مولانا جامی لاہوری لکھتے ہیں۔ (148)

خانقاہ علی ہجویری است
خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدہ حق بیں
تاشوی واقف در اسرار

چوں کہ سردار ملک معنی بود
سال وصلش بر آید از سردار
465

میر عبدالعزیز زنجانی جو غالباً" شاہ جہاں کے زمانہ کا شاعر ہے' نے عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں لاہور پر ایک قصیدہ لکھا' اس میں حضرت داتا صاحب کے روضہ انور و اطہر پر جو زائرین کا ہجوم رہتا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مزار در نثار شاہ ہجویری ندیدستی
کہ محل آسابہ پیرامونش جوش انس و جاں بینی
گدای در گہش از منزلت شاہ جہاں یابی
غلام خادمش از رتبہ مخدوم جہاں بینی(149)

دارا شکوہ لکھتا ہے۔

"ہر جمعرات کو خلقت انبوہ در انبوہ روضہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس جمعراتیں یا چالیس دن متواتر ان کے روضہ شریفہ کا طواف کرے اس کی ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ فقیر (دارا شکوہ) نے بھی ان کے روضہ منورہ کی زیارت کی ہے۔"(150)

مفتی علی الدین رقمطراز ہیں۔

"ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہزار ہا مردم برائے زیارت ایشاں مع نذورات می روند' مرادات دلی را مستدعی می شوند۔"(151)

دارا شکوہ مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں لکھتا ہے۔ "قبر درمیان شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ۔" یعنی ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے مغرب کی جانب واقع ہے۔ (152)

اس جملے کا محمد وارث کامل نے یوں ترجمہ کیا ہے "مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔"(153)

لاہور کا نقشہ تبدیل ہو جانے کے سبب دارا شکوہ کی یہ تحریر مبہم ہو گئی ہے پھر ترجمہ کرنے والے نے غلطی کھائی تو آج سے قریباً" پندرہ سال قبل لاہور کے ایک ایسے مولوی صاحب نے جو صوفیہ کے مزارات پر حاضری بدعت و شرک سمجھتے تھے یہ اعلان داغ دیا کہ یہ مزار داتا صاحب کا نہیں ان کا مزار تو قلعہ لاہور میں ہے اس وقت مولوی صاحب موصوف کے اس بیان کے خلاف متعدد مضامین شائع ہوئے تھے۔ دارا شکوہ کی اس تحریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے۔

دارا شکوہ نے یہ کہا ہے کہ "قبر شہر لاہور' کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے" یہ کچھ عجیب سا بیان ہے اس لئے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نامی نے جو 1611ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا' اسی ترتیب سے اس مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے۔(154)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے۔ اور اسی سلطان نے حضرت کا مزار تعمیر کرایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے ساتھ جو دو قبریں ہیں۔ وہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ ابو سعید ہجویری کی ہیں۔(155) واللہ اعلم بالصواب

کچھ مترجم کے بارے میں

حضرت علامہ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خلف اکبر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری (رحمتہ اللہ علیہما) متنوع علوم و فنون کے ماہر اور بے مثل خطیب، طبیب اور قاری تھے۔ تحریک پاکستان پھر تعمیر پاکستان اور دستور اسلامی کے نفاذ کے سلسلے میں ان کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ جہاد کشمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ ان پر ایک ضخیم کتاب لکھی جائے اس وقت مولانا کے صاحبزادے مکرمی حکیم سید خلیل احمد قادری کی صرف ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ نے جس روز کشف المحجوب کا ترجمہ جس کا تاریخی نام "کلام المرغوب" ہے، مکمل
1370
کیا تو اسی رات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند مقام پر رونق افروز ہیں اور چاروں طرف بہت زیادہ روشنی ہے۔ لوگوں کی قطاریں بندھی ہوئی ہیں۔ حضرت داتا صاحب کچھ تقسیم فرما رہے ہیں اور لوگ لے لے کر ایک طرف ہوتے جا رہے ہیں اسی قطار میں علامہ ابوالحسنات بھی شامل ہیں تو جس وقت وہ داتا صاحب کے سامنے ہوئے تو حضرت نے مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے دائیں طرف بٹھا لیا۔ اس کے بعد علامہ ابوالحسنات بیدار ہو گئے۔

علامہ ابوالحسنات علیہ الرحمۃ نے یہ خواب اپنے صاحبزادے سید خلیل احمد قادری کو سنایا اور اس انعام پر بے حد مسرور تھے۔ چند سال بعد مولانا بیمار ہو گئے اور علالت نے طول کھینچا اور مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ انتقال سے آٹھ روز قبل رات کے آخری حصہ میں سید خلیل احمد صاحب کو آواز دی اور جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا میرے کاندھے دباؤ اور دعائیہ الفاظ کے بعد فرمایا مولانا غلام محمد ترنم علیہ الرحمۃ آج میانی کے قبرستان کے کسی کونے میں لیٹے ہوئے ہیں عنقریب ہم بھی اس کے کسی حصے میں لیٹے ہوئے ہوں گے۔ پھر فرمایا۔ "ابوالحسنات ابوالحسنات' کیا ہے، ابوالحسنات؟ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں، ہاں خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو حضرت داتا صاحب کے جوار میں آسودہ ہیں۔"

2 شعبان المعظم 1380ھ بروز جمعہ صبح کے وقت اپنے وظائف سے فارغ ہوئے اور یہ شعر زبان پر لائے۔

حافظ رند زندہ باش مرگ کجا و تو کجا
تو شدہ فنائے حمد، حمد بود بقائے تو

اس کے بعد یہ شعر کہا۔

کائنات عشق بس اتنی مریض غم کی تھی
ایک ہچکی میں طلسم آرزو باطل ہوا

اس کے بعد حزب البحر کا ورد شروع کر دیا اور سید خلیل احمد صاحب کو فرمایا کہ مجھے خوشبو لگا دو اور نئے کپڑے پہنا دو۔ جناب خلیل احمد نے عرض کیا، کیا بات ہے؟ فرمایا جمعہ پڑھنے جانا ہے اور پھر ذکر میں مشغول ہو گئے اور اسی حال میں ایک ہچکی آئی اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا امین الحسنات سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی خواہش کے مطابق میں نے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا تو بہ تصرف داتا صاحب قدس سرہ بلا دقت حضرت داتا صاحب کے احاطہ مزار میں مولانا کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی۔

مولانا کی وفات حسرت آیات پر راقم السطور نے چند تاریخی مادے نکالے تھے ان میں سے دو

(1) مشہور زمان مفسر قرآن

1380ھ

(2) خلیل المراتب سید ابو الحسنات

1380ھ

ان کی مرقد منور پر کندہ ہیں۔

لقد دخل الجنۃ مولانا

1380ھ

بھی ان کی تاریخ راقم ہی نے کہی تھی۔

امین الحسنات سید خلیل احمد قادری نے کشف المحجوب کے زیر نظر ترجمہ کا گراں قدر مسودہ رضوی کتب خانہ کو بغرض طباعت مرحمت فرمایا۔ مخدومی جناب مفتی اعجاز ولی خان رضوی مدظلہ العالی کی نگرانی میں طباعت کے مراحل طے ہوئے۔ تعلیمات گنج بخش قدس سرہ کا یہ سدا بہار گلدستہ رضوی کتب خانہ بارگاہ گنج بخش میں عرس 1393ھ کے مبارک موقع پر نذرانہ عقیدت کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ یہ حضرات سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

حضرت علامہ ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ جس طرح حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خوشنودی کا باعث ہوا اسی طرح اس عاصی پر معاصی کی بھی یہ نذر عقیدت (دیباچہ) ان کے حضور مقبول ہو اور ان کے غلاموں کے ساتھ محشور ہونا نصیب ہو۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

لاہور

4 صفر المظفر 1393ھ

محمد موسیٰ عفی عنہ

⚬ ⚬ ⚬

قطعہ تاریخ طباعت

نتیجہ فکر سید شریف احمد شرافت قادری نوشاہی مدظلہ

بحمد اللہ کتاب کشف محجوب
کہ رشد و معرفت زاں ہست مطلوب
ز تصنیف مقدس قطب عالم
کہ نامش گنج بخش پاک محبوب
بتوحید و تصوف لوح عرفاں
برائے سالکاں نیفے ست موہوب
مترجم شد دریں اردو زبانے
ز بو الحسنات احمد گشت مکتوب
چو افشائے رموزش شد بعالم
ہمہ اعدائے دیں گشتند مغلوب
باحوالش حکیم نیک موسیٰ
بتحقیق و تفکر ہست محسوب
شرافت جست از سال طباعت
شدہ مسموع "باب علم مرغوب"

13 ھ 93

فقیہ عصر حضرت مفتی اعجاز ولی خان رضوی نے تاریخ طباعت کے حسب ذیل مادے نکالے ہیں۔

مخزن برکات جلیل

1393ھ

فیض امام المرسلین

1393ھ

⚬ ⚬ ⚬

حواشی

1- اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار' تالیف محمد غوثی طبع آگرہ 1326ھ صفحہ 25

2- اس سلسلہ کی ایک کڑی "حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش" مولفہ پروفیسر شیخ عبدالرشید ہے جسے مرکزی اردو بورڈ لاہور نے شائع کیا

ہے۔

3- رسالہ ابدالیہ نمبر 1774، انڈیا آفس لائبریری لندن ضمناً" در کشف المحجوب۔

4- اس کے خطی نسخے بعض لائبریریوں میں موجود ہیں۔ مفتی غلام سرور نے داتا صاحب کے حالات کے سلسلے میں اس سے استفادہ کیا ہے۔

5- کتب خانہ آصفیہ نمبر 115

6- خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ 233

7- تاریخ جلیلہ طبع دوم صفحہ 204

8- بزرگان لاہور صفحہ 184

9- آریانا دائرۃ المعارف جلد اول طبع کابل صفحہ 947

10- سلسلۃ الذہب مشجر الاولیاء حصہ دوم صفحہ 22

11- سفینۃ الاولیاء (فارسی) طبع کانپور 1900ء بار دوم صفحہ 164

12- سفینۃ الاولیاء (فارسی) طبع کانپور 1900ء بار دوم صفحہ 165

13- مقالات دینی و علمی حصہ اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع 1970ء صفحہ 222

14- کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکلسن صفحہ 11 (دیباچہ)

15- مقالات دینی و علمی صفحہ 223

16- معاشری و علمی تاریخ طبع کراچی صفحہ 21

17- داتا گنج بخش صفحہ د

18- فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری مرتبہ ایتھے، 1774ء

19- دیباچہ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکلسن صفحہ 10

کشف المحجوب طبع تہران، صفحہ 210

20- دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ از نکلسن) صفحہ 10

21- ختل یا ختلان، بدخشاں کے مغرب میں دریائے جیحوں کے دائیں کنارے پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔

22- جبل لکام، سلسلہ کوہ لبنان کا وہ حصہ ہے جو انطاکیہ اور مصیصہ سے متصل ہے۔

23- کشف المحجوب طبع تہران، صفحہ 208

24- کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 109

25- کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 232

26- کتاب سلسلۃ الذہب مشجر الاولیاء از سید نور بخش، طبع لاہور 1972ء حصہ دوم صفحہ 22

27- کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 212

28- ایضاً" صفحہ 209

29- ایضاً" صفحہ 216

30- ایضاً" صفحہ 211

31- کشف المحجوب طبع سمرقند صفحہ 216

32- ثمرات القدس خطی (مملوکہ صاحبزادہ نصرت نوشاہی شرقپور شریف)

33- کشف المحجوب طبع سمرقند صفحہ 117

34- کشف المحجوب طبع سمرقند صفحہ 121

35- تصوف اسلام، طبع سوم صفحہ 47

36- کشف المحجوب طبع سمرقند صفحہ 427

37- دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ نکلسن) صفحہ 10

38- مقدمہ کشف المحجوب نسخہ مولوی محمد شفیع 1968ء صفحہ 3

39- بزم صوفیہ صفحہ 7

40- داتا گنج بخش مطبوعہ 1920ء صفحہ 13 - 14

41- کشف المحجوب طبع سمرقند صفحہ 366

42- مقدمہ کشف المحجوب از ژوکوفسکی طبع تہران صفحہ 50

43- کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 192

44- ایضاً" صفحہ 218

45- اس رسالہ پر سنہ اشاعت تحریر نہیں مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا بیان ہے کہ چھ ورق کا ایک رسالہ فقر نامہ مشہور بہ کشف الاسرار کے نام سے کشف المحجوب ہی پر مبنی کر کے شاید 1870ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا۔ (مقالات دینی و علمی حصہ اول صفحہ 228)

46- حضرت داتا صاحب کے مزار کی مرجعیت کے پیش نظر کئی اور مزاروں کے مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا کہ یہ داتا صاحب سے پہلے کے بزرگ ہیں اور داتا صاحب یہاں حاضری دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ سید احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیوں کے مزارات (قبور بی بیاں پاکدامن) کے مجاوروں نے دور آخر کے مولفوں سے یہ لکھوا دیا کہ یہ سید زادیاں کربلا کے حادثہ فاجعہ کے بعد لاہور آ گئی تھیں۔ اسی طرح حضرت پیر مکی کے مجاوروں نے عوام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ داتا صاحب کا فرمان ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے ان کے مزار پر حاضری دیں۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو حضرت پیر مکی کو حضرت داتا صاحب کا استاد کہنے سے بھی نہیں چوکتے وغیرہ وغیرہ

47- کشف الاسرار طبع لاہور صفحہ 4

48- کشف الاسرار طبع لاہور صفحہ 7
49- کشف الاسرار صفحہ 8
50- کشف الاسرار صفحہ 5
51- کشف الاسرار صفحہ 3
52- کشف الاسرار صفحہ 4
53- کشف الاسرار صفحہ 2
54- کشف المحجوب طبع سمرقند صفحہ 427
55- کشف الاسرار صفحہ 3
56- کشف المحجوب طبع سمرقند صفحہ 151
57- کشف الاسرار صفحہ 7
58- کشف المحجوب صفحہ 2
59- کشف الاسرار صفحہ 4
60- اگرچہ "کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف" (عربی) تالیف امام ابوبکر بخاری کلاباذی قدس سرہ (م 385ھ یا 390ھ) کی نفیس فارسی شرح بنام "شرح تعرف" تالیف امام ابراہیم بن اسماعیل مستملی بخاری قدس سرہ (م 434ھ) جو 1330ھ/1912ء میں پہلی بار لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ کشف المحجوب سے پہلے لکھی گئی تھی مگر یہ مستقل تصنیف نہیں بلکہ عربی متن (تعرف) کی فارسی شرح ہے۔
61- کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 4
62- کشف المحجوب طبع سمرقند، صفحہ 115
63- نظامی صاحب نے یہ فیشن کے طور پر لکھ دیا ہے ورنہ وہ جانتے ہیں کہ تصوف اور شریعت جدا جدا نہیں ہیں۔
64- تاریخ مشائخ چشت طبع دہلی، بار اول 1953ء صفحہ 98
65- ایضاً" صفحہ 99
66- ایضاً" صفحہ 102
67- درر نظامی کا اردو ترجمہ دہلی سے چھپ چکا ہے مگر اس وقت پیش نظر نہیں۔
68- بحوالہ تصوف اسلام از عبدالماجد دریا بادی طبع اعظم گڑھ، بار سوم صفحہ 52
69- تاریخ فیروز شاہی برنی سرسید ایڈیشن کلکتہ 1862ء صفحہ 346
70- گلزار (دیوان حاکم) مرتبہ نامی طبع لاہور 1946ء صفحہ 140
71- سفینۃ الاولیاء طبع کانپور، صفحہ 164
72- اقتباس الانوار (فارسی) مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور 1895ء صفحہ 29
73- خزینۃ الاصفیاء طبع لکھنؤ، جلد دوم صفحہ 232
74- کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کا اضافہ غلط ہے اس غلطی کا سبب آئندہ بیان ہو گا۔
75- مقدمہ تذکرۃ الاولیاء طبع تہران بار سوم، صفحہ 8
76- سبک شناسی یا تاریخ تطور نثر فارسی از شادروان محمد تقی بہار "ملک الشعرا" جلد دوم طبع تہران بار دوم، صفحہ 360
77- ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب مصححہ ژزوکوفسکی طبع تہران صفحہ 60
78- تذکرۃ الاولیاء طبع لاہور صفحہ 134 طبع تہران حصہ اول صفحہ 190
79- ایضاً" صفحہ 350 طبع تہران حصہ دوم صفحہ 58
80- سہ صدی مکتوبات از شیخ یحییٰ منیری، طبع لاہور 1319ھ حصہ اول صفحہ 367
81- لطائف اشرفی طبع دہلی 1298ھ جلد اول صفحہ 162، س 15
82- ایضاً" جلد دوم صفحہ 58، س 19
83- فصل الخطاب خطی، صفحہ 6 (مملوکہ حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ العالی، لاہور) یہ کتاب تاشقند سے طبع ہو چکی ہے لیکن یہاں کمیاب ہے۔
84- کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 206
85- نفحات الانس طبع لکھنؤ صفحہ 264
86- ایضاً" صفحہ 277
87- ایضاً" صفحہ 290
88- فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری نمبر 1774 (2)
89- مکتوبات حضرت خواجہ گیسو دراز مرتبہ مولانا رکن الدین ابو فتح علاء قریشی طبع حیدر آباد دکن 1362ھ صفحہ 80
90- عصر حاضر کی مشہور تصنیف جو ایران کے متعدد فضلا کی کاوش کا نتیجہ ہے۔
90 الف۔ طرائق الحقائق تالیف نائب الصدر حاجی میرزا معصوم بن رحمت علی شاہ قزوینی نعمت اللہی شیرازی متوفی 1344 ق، 2 جلد تہران (فہرست کتب ہای چاپی جلد اول از خان بابا مشار طبع تہران (کالم 1090)
91- ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 61
92- کشف المحجوب کے صفحات نمبر چاپ تہران سے دیئے گئے ہیں اور کشف سے مراد کشف المحجوب ہے۔

93- کشف سے مراد کشف المحجوب ہے۔
94- بہ تغییر قلیل از مقدمہ کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 60، 58
95- مقدمہ رسالہ قشیریہ مترجم اردو طبع راولپنڈی 1970ء صفحہ 39
96- ترجمہ مقدمہ کشف المحجوب روسی بفارسی طبع تہران صفحہ 57
97- تصوف اسلام از عبدالماجد دریا بادی طبع سوم صفحہ 54 - 53
98- سبک شناسی یا تاریخ تطور فارسی، صفحہ 187
99- ایضاً" صفحہ 197 - 187
100- فصل الخطاب خطی صفحہ 60 (مملوکہ حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری لاہور)
101- مقدمہ ژوکوفسکی کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 52
102- ایضاً" صفحہ 52
103- ایضاً" حاشیہ صفحہ 52
104- کشف الظنون (فلوگل ایڈیشن) نمبر 9058 جلد چہارم صفحہ 422
105- ایضاً" نمبر 9060
106- فصل الخطاب، قلمی، صفحہ 6
107- ایضاً" صفحہ 421
108- رسالہ میڈیول انڈیا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جلد 2 صفحہ 12 بحوالہ تاریخ مشائخ چشت صفحہ 99
109، 110- جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ، جلد 8، 1942ء مقالہ کشف المحجوب از ایل ایس ڈیوگن۔
111- تاریخ ملتان جلد اول، ملتان، 1971ء صفحہ 186 - 185
112- کشف المحجوب، طبع تہران صفحہ 314 - 313
113- ایضاً" صفحہ 337
114- ایضاً" صفحہ 399
115- ایضاً" صفحہ 522
116- ایضاً" صفحہ 531
117- ثمرات القدس خطی (مملوکہ صاحبزادہ نصرت نوشاہی، شرقپور شریف)
118- سفینۃ الاولیاء طبع کانپور صفحہ 164
119- ثمرات القدس قلمی
120- خلاصۃ التواریخ مترجم اردو از ڈاکٹر ناظر حسن زیدی۔ صفحہ 106
121- فوائد الفواد، فارسی طبع لاہور صفحہ 57
122- ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد ستمبر 1971ء مقالہ "سید علی ہجویری اور حسین زنجانی" از مخدومی ڈاکٹر پیر محمد حسن اور تاریخی مقالات طبع لاہور از پروفیسر محمد اسلم ملاحظہ ہوں۔
123- خزینۃ الاصفیاء جلد دوم، صفحہ 252
124- مآثر الکرام میں بھی لکھا ہے کہ سعد الدین حمویہ شیخ زنجانی کے مرید تھے۔ شیخ فخر الدین زنجانی پیر ارشاد شیخ سعد الدین حموی (صفحہ-7) شیخ حمویہ 650ھ میں فوت ہوئے۔ جملہ تذکروں میں ان کے پیر کا نام حضرت نجم الدین کبریٰ تحریر ہے۔ حضرت زنجانی سے بھی استفادہ کیا ہو گا۔
125- سیر العارفین قلمی از شیخ جمالی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری بحوالہ تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم، صفحہ 282
126- آئین اکبری جلد سوم از ابوالفضل سرسید ایڈیشن 1272ھ صفحہ 207
127- اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از محمد غوثی بسال 1022ھ طبع آگرہ صفحہ 6، 25
128- عمل صالح (شاہجہاں نامہ) طبع لاہور جلد اول صفحہ 50
129- سفینۃ الاولیاء طبع کانپور، صفحہ 93
130- تاریخ السلف طبع آگرہ 1344ھ صفحہ 8، 97
131- تاریخ لاہور از کنہیا لال طبع لاہور 1884ء صفحہ 91
132- تاریخ لاہور انگریزی بحوالہ سوانح داتا گنج بخش از محمد الدین فوق، صفحہ 27
133- تاریخ بیہقی مجلد اول طبع تہران صفحہ 4، 283
134- چار باغ پنجاب، فارسی، از گنیش داس وڈیرہ مرتبہ پروفیسر کرپال سنگھ شائع کردہ سکھ ہسٹری ڈیپارٹمنٹ خالصہ کالج امرتسر 1965ء صفحہ 279
135- مقالات دینی و علمی حصہ اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صفحہ 228
136- اہل تحقیق کے نزدیک ہجز لکھنا صحیح ہے۔ استاد سعید نفیسی نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے شعر میں پیر سنجر غلط چھپ گیا ہے اصل میں شعر یوں ہونا چاہیے "سید ہجویر، مخدوم امم' مرقد او پیر ہجزی را حرم۔ (ہلال فارسی، کراچی بحوالہ اذکار جمیل از حکیم محمد موسیٰ صفحہ 51)
137- مکتوبات مجدد الف ثانی اردو ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی طبع کراچی، دفتر اول حصہ اول صفحہ 238
138- تاریخ لاہور، از کنہیا لال، صفحہ 91

139- چار باغ پنجاب، طبع امرتسر، صفحہ 279

140- تحقیقات چشتی، طبع لاہور 1324ھ صفحہ 147

141- سفینۃ الاولیاء فارسی طبع کانپور، صفحہ 164

142- مقالات دینی و علمی از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع حصہ اول صفحہ 231

143- مقالات منتخبہ مجلّہ دانش کدہ خاور شناسی' دانش گاہ پنجاب مقالہ تاریخ وفات داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی از عبدالحی حبیبی۔ فاضل موصوف کا یہ مقالہ پہلی بار اورینٹل کالج میگزین شمارہ فروری 1960ء میں طبع ہوا تھا۔

144- مقالات منتخبہ، صفحہ 264

145- کشف المحجوب طبع تہران صفحہ 209

146- تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری مرتبہ منظور احسن عباسی 1963ء نمبر 6' 297' صفحہ 157

147- عبدالحئی حبیبی نے اس بحث کا اعادہ مقدمہ طبقات الصوفیہ میں بھی کیا ہے۔ اول اول میں نے ان کی یہ تحقیق اسی میں دیکھی تھی اور میں ان کی ثقاہت کے پیش نظر اس کا قائل ہو گیا تھا اور مقدمہ مکتوبات امام ربانی لکھتے وقت ان کا اتباع کیا تھا۔ مگر اب کشف المحجوب کے متعدد نسخے دیکھنے نے اس تحقیق جدید سے اعتماد اٹھ گیا۔

148- مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، صفحہ 8

149- مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، صفحہ 8

150- سفینۃ الاولیاء طبع کانپور، صفحہ 165

151- عبرت نامہ، طبع لاہور مجلد دوم صفحہ 64

152- سفینۃ الاولیاء طبع کانپور صفحہ 165

153- ایضاً" اردو ترجمہ از وارث کامل طبع لاہور، صفحہ 198

154- مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، صفحہ 7 - 6

155- تحقیقات چشتی، صفحہ 6' 145

لاہور کا ایک نامی مُصنّف

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

لاہور کے نہایت مخلص خادم اسلام اور ایک علمی گھرانے کے عظیم فرد جناب پیر دستگیر نامی ابن پیر حامد شاہ 23 جمادی الاخر 1300ھ بمطابق یکم مئی 1883ء کو منگل کے دن موضع "رتہ پیراں" ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ نامی صاحب کے والد پیر حامد شاہ تحصیل میں ملازم تھے۔ 1886ء میں ان کا تبادلہ لاہور ہو گیا تو آپ اہل و عیال کو یہیں لا کر محلہ چلہ بی بیاں میں رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والد صاحب قصور میں تبدیل ہو گئے۔ یہاں آپ 1894ء میں قصور گورنمنٹ سکول کی چوتھی جماعت کے طالب علم رہے۔ زمانہ قیام قصور میں آپ کے والد ماجد فوت ہو گئے اور آپ بارہ برس کی عمر میں یتیم ہو کر ایک سال موضع رتہ میں رہے۔

1895ء میں پھر لاہور چلے آئے اور یہاں اسلامیہ سکول شیرانوالہ گیٹ کی پانچویں جماعت میں داخل ہو گئے۔ یہیں سے 1903ء میں فرسٹ ڈویژن میں انٹرنس پاس کیا۔ میٹرک پاس

کرنے کے بعد چند ماہ ریل کے محکمہ میں ملازمت کی پھر ڈاک خانہ میں بھرتی ہو کر ٹیلیگرام کی ٹریننگ حاصل کرنے لگے۔ اسی اثناء میں ڈپٹی کمشنر لاہور نے انٹرنس پاس مسلمانوں کو ضلع کچہری کی ملازمت کے لئے طلب کیا تو آپ نے ضلع میں چھ ماہ بے تنخواہ امیدواری کی۔ یکم مئی 1905ء کو تحصیل لاہور میں مستقل ملازمت مل گئی مگر یہاں کا ماحول پسند نہ آیا اس لئے کسی اور جگہ کے لئے کوشاں رہے۔ 1906ء میں محکمہ تعلیم میں ملازمت مل گئی اور آپ آخر تک اسی سے منسلک رہے۔ اس محکمہ میں آپ مختلف کاموں پر مامور رہے۔ بالآخر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں تبادلہ ہو گیا اور یہاں اکاؤنٹینٹ رہ کر 1928ء میں ریٹائر ہوئے۔

نامی صاحب کو بچپن سے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات اور نسب وغیرہ معلوم کرنے کا ذوق تھا۔ اس پر آپ اپنے بزرگوں کے نادر مخطوطات کا مطالعہ کرنے لگے۔ اسی سلسلے میں آپ کو دیگر کتب تواریخ کا بھی گہرا مطالعہ کرنا پڑا اور ذوق مطالعہ اور شوق حصول علم روز بروز بڑھتا چلا گیا۔

آپ نے 1900ء میں اینگلو ورنیکلر کا امتحان پاس کیا ہی تھا کہ خاندانی شجرہ نویسی کا شوق پیدا ہو گیا۔ آپ کے ماموں پیر محمد اشرف عالم شاہ رئیس لاہور و جاگیردار "رتہ" کو اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ تمہیں کوئی بیرون برادری رشتہ کرنا ہے جو اس قدر مینا کاری چھانٹتے ہو۔ نامی صاحب اپنے شوق میں یہ رکاوٹ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور الگ بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ وہ راقم کو بتایا کرتے تھے کہ مجھے یہ رکاوٹ بار بار پیش آتی رہی۔ مگر آپ کو ایسی سچی لگن تھی کہ کوئی مشکل آپ کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکی اور آپ شجرہ نویسی اور بزرگوں کے حالات معلوم کرنے میں لگے رہے حتیٰ کہ کئی ضخیم دفتر مرتب کر لئے۔

آپ نے انہی قلمی رجسٹروں میں سے اخذ کر کے "شیرو شکر" اور "قند مکرر" جیسے اہم رسائل طبع کرائے پھر نسب نامہ رسول مقبول ﷺ شائع کرایا۔ اپنے خاندانی حالات و دیگر اہم تاریخی معلومات پر مشتمل کتاب بنام "تاریخ جلیلہ" 1937ء میں پہلی بار چھپوا کر اپنی برادری پر احسان عظیم کرنے کے علاوہ اردو کے تاریخی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ کیا۔ اس کے بعد آپ کھل کر تالیف و تصنیف کے میدان میں آ گئے۔ تمام زندگی لکھنے سے کام رہا۔ دفتر سے آ کر اسی میں مشغول ہو جاتے ریٹائر ہونے کے بعد تو اور بھی آپ کو اپنے دلی عزائم پورے کرنے کا موقع پورے طور پر میسر آ گیا۔

جناب نامی صاحب کے بزرگوں میں کئی اہل علم اور سخن ور گزرے ہیں مثلاً" پیر قلندر شاہ' پیر سکندر شاہ امداد' پیر مراد شاہ اور پیر فرح بخش فرحت وغیرہ۔ پیر وزیر علی شاہ جامی آپ کے برادر اکبر اور داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔

مخدومی نامی صاحب کو بھی شعر و ادب سے فطری لگاؤ تھا۔ کچھ عرصہ اساتذہ سے مشورہ کئے بغیر ہی طبع آزمائی کرتے رہے۔ 1907ء میں علامہ اصغر علی روحی کا اپنا کلام دکھانے لگے طبیعت رسا تھی بہت جلد اس دور سے نکل کر ماہرانہ نظم لکھنے لگے۔

شروع میں آپ نے غزلیں بھی کہیں مگر جلد ہی آپ کی طبیعت کا رخ بدل کر نعت' منقبت اور تاریخ گوئی کی طرف ہو گیا۔ سہرے بھی خوب لکھتے تھے۔ اردو اور فارسی میں لکھنے کی یکساں قدرت رکھتے تھے۔ تاریخ گوئی میں تو آپ کو کمال حاصل تھا۔ قریباً" 1906ء سے لے کر وفات سے چند روز پہلے تک آپ نے ہزاروں تاریخیں کہی ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو تاریخیں کہیں ہیں ان کو اگر یکجا جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

محترم پیر صاحب کو اپنے خاندانی حالات لکھتے ہوئے وراثت کے مسائل سمجھنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے

اس موضوع کی عربی اور انگریزی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا اور اس میں اس درجہ مہارت پیدا کر لی کہ آپ ماہر قانون وراثت تسلیم کئے گئے۔ اس موضوع پر آپ نے نہایت قابل قدر کتابیں بھی لکھیں جن کے نام یہ ہیں۔ اسلامی قانون وراثت "انیس الوارثین" بیٹے کا حصہ کلید تقسیم وراثت اور قرآنی قانون وراثت (پنجابی نظم میں) اس مشکل ترین علم کو آپ نے صرف اپنی ذاتی استعداد سے حاصل کیا اور اس میں ایسا کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے علمائے مشکل مسائل کو آپ سے حل کراتے تھے اور عدالتیں آپ کے فتویٰ بہت وقعت کی نظر سے دیکھتی اور تسلیم کرتی تھیں۔

مسلمانوں میں رسوم بد کی کثرت دیکھ کر مولانا نامی مرحوم کی طبیعت بہت کڑھتی تھی۔ اس کے انسداد کے لئے آپ نے بعض دوستوں کے تعاون سے 1914ء یا 1915ء میں دائرۃ الاصلاح کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کی وجہ سے اصلاح رسوم اور اصلاح اخلاق پر لٹریچر شائع ہو کر تقسیم ہوتا رہا۔ پھر اس ادارے کی طرف سے صحابہ کرام والا مقام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل اور اتحاد بین المسلمین کے موضوع پر رسائل طبع ہونے لگے۔ دائرۃ الاصلاح آج تک قریباً" نوے کتابیں اور رسالے مفت تقسیم کر چکا ہے۔ ان میں سے صرف چند ایک ہی دوسرے مولفین کے لکھے ہوئے تھے۔ باقی تمام کے تمام نامی صاحب کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ دائرہ کی طرف سے شائع ہونے والے اہم رسائل میں بعض کے نام یہ ہیں۔ اصلاح معاشرہ، اصلاح رسوم، شیر و شکر، قند مکرر، حضرت معاویہ، دعوت صلح، رسول اللہ کی چار صاحبزادیاں۔

مرحوم نامی صاحب نے جہاں اپنی تالیفات کے ذریعے اردو کے دامن کو بھرا۔ وہاں اپنے خاندان کے نادر مخطوطات کو طبع کرا کر اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جن کو آپ کے خاندان کے لوگ شائع کرنا فضول سمجھتے تھے۔ ان خاندانی مطبوعہ کتب کے نام حسب ذیل ہیں۔

دیوان قلندر شاہ (فارسی) اذکار قلندری (فارسی) فضاء قلندری (اردو، فارسی) تذکرہ قطبیہ (فارسی) تذکرہ حمیدیہ (فارسی) مثنوی مراد المحبین (اردو) گلزار (دیوان سلطان حمید الدین حاکم) شرائط سلوک نامہ مراد (اردو) وغیرہ وغیرہ۔

نامی صاحب مرحوم و مبرور کی اپنے بزرگوں سے عقیدت کا جذبہ دیکھ کر آپ کے ماموں پیر محمد اشرف عالم شاہ جاگیر دار و متولی درگاہ حضرت عبدالجلیل لاہوری۔ آپ کو اپنے بعد اوقاف جلیلہ کا متولی مقرر کرنے کی وصیت کر گئے تھے۔ چنانچہ نامی صاحب نے اس خدمت کو بخوبی سرانجام دیا۔ بزرگوں کے مزارات کی دیکھ بھال کے علاوہ مندرجہ بالا نادر کتابیں اس وقف کی آمدنی سے شائع کرائیں۔ اس کارنامے کے بدولت مخدومی نامی صاحب پاک و ہند کے تمام سجادہ نشینوں اور متولیوں سے ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ جناب پیر صاحب نے حسب ذیل کتابوں کو اردو کا جامہ بھی پہنایا۔

گلستان سعدی، بوستان سعدی، حکایات مثنوی مولانا روم (انتخاب از مثنوی) تذکریہ حمیدیہ (تذکار سلطان حاکم) سفینۃ الاولیاء محک الفقر (تالیف سلطان باہو) گنج اسرار (از بابا فرید) سیاحت کشمیر (توزک سے جہانگیر کی سیاحت کشمیر کے حالات)

آپ کی تالیفات اور تصنیفات 100 کے قریب ہیں صرف چند کتابوں کے نام ذیل میں درج کرتا ہوں۔

تاریخ مدینہ منورہ، تاریخ مکہ مکرمہ، تذکرہ انبیاء و آل محمد، تعلیم الاخلاق، تذکرہ شہیدان اسلام، زوال پرویز، حیدر کرار، سوانح غازی علم الدین شہید، حیات میاں میر، حیات گنج شکر، حیات مجدد الف ثانی، حیات اشرف وغیرہ۔ ان کے علاوہ حیات جامی، سعدی کی آپ بیتی اور بزرگان لاہور زیر طبع ہیں۔

مُقدّمہ

مکتوبات

امامِ ربّانی حضرت مجدّد الف ثانیؒ قدس سرہ

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہ السامی (متوفی 1034ء) کے مکتوبات شریف کتب تصوف میں نہایت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ نے ان کو مجددانہ شان اور مجتہدانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے اور ان میں بیان فرمودہ اسرار و معارف کو ملاحظہ کر کے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت شیخ اس فن میں درجہ امامت و مقام اجتہاد(1) پر فائز ہیں۔

مکتوبات قدسیہ میں زیادہ تعداد ایسے مکاتیب کی ہے جو مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت پر مشتمل ہیں اور بعض میں مصلحانہ اور مجددانہ انداز میں جادہ شریعت سے ہٹے ہوئے صوفیہ خام کی غلط روش اور ان کے ناپسندیدہ افعال پر تنقید کی گئی ہے۔ علمائے سو کی جاہ پسندی سے اسلام کو جو نقصان عظیم پہنچ رہا تھا' اس پر اظہار تاسف کیا گیا ہے۔ اکبر بادشاہ اور اس کے ملحد امراء کے کفریہ عقائد کی وجہ سے دین مبین پر جو مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں' ان کے دفعیہ کے لئے امراء علماء اور صوفیہ کو متوجہ کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے میل جول سے مسلمانوں میں جو قبیح رسوم رائج ہو گئی تھیں' ان سے اجتناب اور بدعت کو محو کر کے سنت کو زندہ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ غیر مقلد شیخ مبارک کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کے ملحدانہ خیالات اور ناپاک عزائم کے اثرات بد' روافض' خوارج' نواصب و دیگر فرق باطلہ کے برے عقائد کے مفاسد و مضار کے استیصال کی کوشش کی گئی ہے۔ تفضیلیہ کو اہل سنت و جماعت سے خارج بتایا گیا ہے۔ عقائد اہل سنت پر پختگی سے کاربند رہتے ہوئے حضرات اہل بیت' شیخین' ختنین اور جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت و احترام کا سبق دیا گیا ہے۔ غرض کہ سیکڑوں مسائل شریعت و طریقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ہر مکتوب کا لب لباب یہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ پر مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔ شریعت کو طریقت پر مقدم رکھا جائے جو طریقت مخالف شریعت ہے وہ الحاد و زندقہ ہے۔(2)

حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ والغفران کی تصانیف علوم و معارف کے مختلف مدارج ہیں اور مکتوبات شریف میں بھی یہ مدارج موجود ہیں جو مکاتیب تبلیغی اور دعوتی ہیں وہ عام فہم ہیں اور جو مسائل تصوف پر لکھے گئے ہیں ان میں سے بعض بہت زیادہ دقیق ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (3) کا تبصرہ نہایت بصیرت افروز ہے و ھو ہذا:

"واضح ہو کہ مبداء فیاض سے باطن شریف آنجناب پر جو کچھ معارف و اسرار مخصوصہ وارد ہوتے تھے' ان کی چند

قسمیں ہیں۔

⟸ ایک قسم ایسی ہے کہ آنجناب قدس سرہ کبھی ان کو زبان فیض ترجمان پر نہ لائے اور رمز و اشارہ سے بھی کبھی ظاہر نہ کیا۔ مثلاً" تاویل مقطعات و متشابہات قرآنی کہ آنجناب پر منکشف ہوئے تھے۔

⟸ دوسری قسم وہ ہے کہ ان کا اظہار صرف اپنے صاحبزادوں سے خاص طور پر فرمایا دوسرے اشخاص کو اس میں شریک نہیں فرمایا اور نہ ہی وہ معرض تحریر میں لائے گئے۔

⟸ تیسری قسم کے وہ معارف ہیں جن کو آپ نے ان مریدوں سے جو محرمان راز و کاملین اصحاب تھے، بیان کیا اور ان کے اظہار کے وقت خلوت خاص ہوتی تھی اور دروازے بند کر لئے جاتے تھے اور اگر اتفاقاً" کوئی اور شخص آ جاتا تو سکوت اختیار فرماتے اور روئے سخن بدل دیتے اور بقیہ اسرار کو اور کسی وقت بیان فرماتے تھے۔ یہ معارف حتی الامکان تحریر نہیں کئے جاتے تھے۔ مگر جب کوئی محرم راز التماس کرتا تو بہ لحاظ اجابت سوال ایسے طریقے سے تحریر فرماتے کہ ہر کوئی شخص اس کا ادراک نہ کر سکے۔

⟸ چوتھی قسم یہ ہے کہ التماس سائل یا بہ نیت افادہ طالبان عموماً" و شمولاً" تحریر کئے گئے۔

رسائل و مکاتیب دفاتر ثلثہ وافر البرکات ہی اسرار قسم چہارم پر مشتمل ہیں اور ہر معرفت دل کے بیماروں کے لئے شفا اور مہجوروں کے لئے وصال ہے۔(4)

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

نیز آپ کے رسائل "مبداء و معاد" اور "معارف لدنیہ" کہ آپ کے احوال و مقامات خاصہ کو متضمن ہیں اور رسالہ "مکاشفات غیبیہ" رسالہ "اثبات النبوت" رسالہ "آداب المریدین" "شرح رباعیات حضرات خواجہ" "تعلیقات عوارف" اور "رسالہ در رد شیعہ" وغیرہ بھی اسرار قسم چہارم میں سے ہیں۔

اس کے بعد قسم چہارم کی پر معارف تصانیف جن میں مکاتیب قدسیہ بھی شامل ہیں، کے علو شان اور ان کی جامعیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

بہ لحاظ مطالب کی باریکیوں اور عبارتوں کے دقائق اور اسرار کی تحقیق اور حالات و اشارات کی تدقیق کے، آنجناب قدس سرہ کے علو شان اور رفعت مکان و بلندی مراتب پر کرامت ساطعہ اور آیہ قاطعہ ہیں۔ کشف حقائق الٰہی میں جو کچھ باریکیاں اور نازک بیانیاں آنجناب قدس سرہ نے کی ہیں۔ اکابر علماء و مشائخ اس کے شیفتہ ہیں اور جو کچھ دقائق متعلق بہ حضرات خمس اور توحید وجودی و شہودی اور مشاہدہ و مکاشفہ اور ایقان و ایمان، غیب و بیان، اطوار سبعہ و ظہور انوار مختلفہ و تجلیات متکیفہ و غیر متکیفہ و جمع بین التشبیہ والتنزیہ و تنزیہ صرفہ اور خفا باقی اطلاق و محال تعینات و تجلی برقی و دوامی و معاملہ وراء تجلی سکر و صحو و علوم وراثت و غیر وراثت اور ولایت کی قسموں کی تحقیق یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیا و مقام نبوت و رسالت و صدیقیت و قربت و تدلی و تدنی و محبت و خلت اور درجات سبعہ متابعت و حد صباحت و ملاحت و جمع درمیان ہر دو اور سیر آفاقی و انفسی اور سیر ماوراء آفاق و انفس میں آنجناب نے بیان فرمائے ہیں وہ عقل مندوں پر ظاہر و ہویدا ہیں۔ صرف یہی علوم و معارف جو تحریر فرمائے گئے وہ علو مقال فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے مرتبہ اعجاز میں داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ ابنائے روزگار اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں اور جب خلوت میں زبان الہام

ترجمان سے بیان کرتے تھے تو اور ہی حال وارد ہوتا تھا۔ گویا مرقومات "قال" ہیں اور ملفوظات "حال" و بیان معرفت ہیں اور یہ القاء نسبت و اعطا نعمت ہیں۔(5)

شیخ بدر الدین کے بیان بالا کے مطابق خواجہ محمد ہاشم نے بھی مکتوبات کو قسم چہارم کے اسرار و معارف میں شمار کیا ہے۔(6) حقیقت یہ ہے ولایت کے بلند درجات "بقا باللہ" اور "ظہور من اللہ" پر فائز شخص جس کی پرواز ہمیشہ بلند رہتی ہو اور ہر آن اس پر حقائق الہیہ منکشف رہتے ہوں وہ اپنے مقام سے ارادۃً خواہ کتنا بھی نزول کر کے اسرار و رموز بیان کرے وہ پھر بھی علماء ظاہر اور ابتدائی مدارج کے صوفیہ کے فہم و ادراک سے بالا ہوں گے۔ اگرچہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکتوبات اسرار قسم چہارم میں سے ہیں لیکن ان میں بیشتر وہ مکاتیب بھی شامل ہیں جن میں تیسری قسم کے اسرار و معارف مندرج ہیں جیسا کہ تیسری قسم کے معارف کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مگر جب کوئی محرم راز التماس کرتا تو بہ لحاظ اجابت سوال ایسے طریقے سے تحریر فرماتے کہ ہر کوئی شخص اس کا ادراک نہ کر سکے۔"

اس قسم کے دقیق اور عسیر الفہم مکاتیب کے بارے میں حضرت شاہ احمد سعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1277ھ) فرماتے ہیں۔

"فہمیدن تدقیقات حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نہایت مشکل است کسیکہ در علوم ظاہر یہ ید طولانی داشتہ باشد و سلوک و مقامات مخصوصہ آنجناب ہم بوجہ لائق نمودہ' البتہ اورا مناسبتے بہ فہم آں معارف پیدا خواہد شد و الا فلا ـــــ این فقیر مکتوبات قدسی آیات ایشاں را از جناب شاہ صاحب قبلہ (شاہ غلام علی دہلوی متوفی 1240ھ) خواندہ و سال ہا در خدمت ایشاں حل مواضع مغلقہ آں نمودہ و شنیدہ و بعد وفات ایشاں تا ایں دم کہ قریب چہل سال شدہ گاہے درس و مطالعہ آں موقوف نہ داشتہ فی الجملہ قدرت در حل آں بدست آوردہ است از دیگراں چہ گوید۔"(7)

مکتوبات کی تعداد اور ترتیب و تدوین کی کیفیت

پہلا دفتر "در المعرفت" (1025) کے تاریخی نام سے موسوم ہے۔ اس میں 313 مکتوبات ہیں۔ اس دفتر کو خواجہ یار محمد جدید(8) بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے 1025ھ میں جمع کیا۔ مکتوب 113 میں حضرت شیخ مجدد کا ارشاد نقل ہے کہ اس دفتر کو اسی مکتوب پر ختم کریں اور 313 کے عدد کی رعایت کریں کیونکہ پیغمبران مرسل' صحابہ اہل بدر کی تعداد کے مطابق ہے اور دفتر دوم کے دیباچے میں تحریر ہے:

"چوں جلد اول مکتوبات بہ عدد سہ صد و سیزدہ مکتوب رسید حضرت ایشاں سلمہ اللہ تعالیٰ فرمودند کہ برہمیں عدد ختم کنند کہ موافق عدد پیغمبران مرسل است صلوات اللہ تعالیٰ علی نبینا و علیہم و نیز موافق عدد اہل بدر راست رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تبرکاً" و تیمناً" برآں عدد ختم نمودہ آمد۔"

مکتوب 313 میں جو خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ کے نام ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اس کے بعد صاحبزادہ محمد صادق علیہ رحمۃ (متوفی 1025ھ) فرزند اکبر حضرت مجدد قدس سرہ کے وہ تین عریضے جو انہوں نے حضرت مجدد کی خدمت عالیہ میں لکھے تھے وہ بھی شامل کر دیے جائیں تاکہ ان عرائض کے پڑھنے والے صاحب زادہ محمد صادق کے حق میں دعائے خیر کریں۔ حضرت کے ارشاد گرامی کے مطابق دفتر اول کے آخر میں یہ تین عریضے بھی شامل کر دیئے گئے۔

دوسرا دفتر جس کا تاریخی نام "نور الخلائق" (1028ھ) ہے اس میں اسماء حسنیٰ کے مطابق 99 مکتوبات ہیں۔ اس دفتر کے

جامع خواجہ عبدالحی ابن خواجہ چاکر حصاری ہیں۔ جناب مرتب دیباچہ دفتر دوم میں لکھتے ہیں کہ اس دفتر کی تدوین و ترتیب کا کام میں نے حضرت خواجہ محمد معصوم (متوفی 1079ھ) کے حکم سے کیا ہے۔ دفتر سوم کے دیباچے میں لکھا ہے۔

"چوں آں جلد بہ نودونہ مکتوب رسید کہ مطابق اسماء حسنیٰ است برہماں ختم شدہ رسالے (سال) کہ تاریخ آں از " نور الخلائق" ہویدا است"

تیسرا دفتر "معرفت الحقائق" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے جامع خواجہ محمد ہاشم کشمی برہانپوری رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت امام ربانی قدس سرہ ہیں۔ انہوں نے اس دفتر کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں رہ کر مدون کیا۔ اس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ مطابق عدد سور قرآنی 114 مکتوبات ہیں سال اتمام جلد ثالث لفظ ثالث (1031) سے برآمد کیا ہے مگر واقعتاً" اس دفتر میں 124 مکاتیب ہیں اور بعض نسخوں میں کم ہیں مطبع نو لکشور کے چھٹے ایڈیشن ہیں صرف 122 ہیں اور ایک میں 123-

اس دفتر کے مکتوب 115 کے حاشیہ میں حضرت مولانا نور احمد مرحوم محشی مکتوبات لکھتے ہیں۔ "بداں کہ در خطبہ ایں جلد مصرح ست کہ جملہ مکاتیب ایں جلد یک صد و چہاردہ اند مطابق عدد سور قرآنی' پس ایں نہ مکاتیب اخیرہ ایں جلد شاید بعد ازاں ۔بمعرض تسوید آمدہ باشد و ملحق شدہ فافہم واللہ اعلم" (9)

پھر مکتوب 124 کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے۔

"بداں کہ ایں مکتوب در بعضے نسخ خطیہ یافتہ شدہ فالحقناہ و جعلناہ خاتمۃ المکاتیب و حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نسبت بایں مکتوب فرمودہ اند کہ آں مکتوب داخل جلد ہائے مکتوبات قدسی آیات نہ شدہ"(10)

حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مکتوب 124 حقیقت کعبہ کے اسرار کے بیان میں ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مضمون کا ایک خط مرزا امان اللہ برہان پوری کے نام لکھا ہے۔ اس میں اپنے والد گرامی کے مذکورہ بالا مکتوب کا حوالہ دیتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے۔

"حضرت ایشان ما ____ قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس ۔ در مکتوبیکہ داخل سہ جلد مکتوبات نیست نوشتہ اند"(11)

حضرت مولانا نور احمد نے حضرت خواجہ کے اس ارشاد سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہی مکتوب خاتمۃ المکاتیب ہے جو شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ دفتر سوم کے جو 114 مکتوبات ہیں ان میں یہ شامل نہیں۔

دفتر سوم کے ساتھ ملحق ہونے والے مکاتیب کے بارے میں دفتر سوم کے جامع خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بہت واضح ہے۔ و ھو ھذا:

بعد از تمامے جلد ثالث و مہجوری(12) بندہ از آستان بعضے مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود بہ ظہور آمدہ بود و ہنوز بہ چہاردہ مکتوب نہ رسیدہ کہ آں ماہ چہاردہ آسمان قطبیت رو در نقاب مغرب تراب کشیدہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ الانور و نور مضجعہ المعطر بحرمۃ سید البشر والصلوٰۃ والسلام علیہ و علی آلہ واصحابہ احبائہ الی یوم المحشر ناچار آں مکتوب را داخل جلد ثالث نمودہ شد" (13)

خواجہ محمد ہاشم کے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں یہ سمجھنا چاہیے کہ تین مکتوب اور بھی ہیں جو مکتوبات کے اکثر خطی نسخوں میں شامل نہیں ہو سکے واللہ اعلم بالصواب۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس اہتمام کے ساتھ حضرت شیخ کی زندگی میں مکتوبات کے تین دفتروں کو محفوظ کیا گیا۔ بعد میں معرض تسوید میں آنے والے مکاتیب کو اس اہتمام کے ساتھ

جملہ خطی نسخوں کے آخر میں شامل نہیں کرایا جاسکا وگرنہ کسی نسخہ میں کم اور کسی میں زیادہ کا معاملہ نظر نہ آتا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب روضۃ القیومیہ خواجہ کمال الدین محمد احسان اللہ کے بیانات جو آئندہ اوراق پر نقل ہوں گے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خاتمۃ المکاتیب وہ مکتوب ہے جو امرتسر والے ایڈیشن اور پیش نظر ترجمہ میں نمبر 123 بنام نور محمد تہاری ہے مگر مولانا نور احمد نے مکتوب 124 کو جو انہیں بعد میں ملا خاتمۃ المکاتیب قرار دیا ہے۔ یہ تقدم و تاخر بے اہتمامی کی دلیل ہے۔

ہر سہ دفتر مکتوبات شریف کی کل تعداد 536 ہے۔ پہلے دفتر کے بیس مکتوبات وہ ہیں جو حضرت شیخ مجدد نے اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ (متوفی 1012ھ) کی خدمت میں ارسال کئے دو مکتوب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں۔ اور ان کے بیٹے مولانا نور الحق کے نام ایک طویل مکتوب ہے۔ ایک جہانگیر بادشاہ کے نام لکھا ہوا ہے۔ دو مکتوب کسی معتقد خاتون اور ایک ہردے رام ہندو کے نام ہے۔ جہانگیر کے دربار کے ممتاز امراء و اراکین کے نام بہت زیادہ خطوط ہیں جن میں سے خان خاناں، خان اعظم، خان جہاں، مرزا داراب خان، قلیچ خان، خواجہ جہان، لالہ بیگ اور سید فرید بخاری گورنر لاہور کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امراء میں سے سب سے زیادہ خطوط نواب سید فرید بخاری کے نام ہیں۔ بقیہ اپنے فرزندان گرامی قدر، مریدین، معتقدین، معاصر علماء اور مشائخ کو لکھے ہوئے ہیں۔

مکتوبات مختصر مضامین پر مشتمل بھی ہیں اور اکثر بے حد طویل مباحث کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ طویل مکتوبات رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضرت مجدد کے انداز تحریر اور زور بیان کا یہ عالم ہے کہ فیضان نسبت فاروقی کے دھارے بہ رہے ہیں۔ ہر ایک سطر سے عیاں ہوتا ہے کہ رگ فاروقی جنبش میں اور غیرت ایمانی جوش میں ہے۔

استدراک

جناب ملک حسن علی صاحب، بی اے جامعی نے لکھا ہے۔

"آخری مکتوب 123 جو نور محمد تھاری کے نام ہے۔ بعض مبصرین(14) اسے جعلی اور مصنوعی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس مضمون اور مکتوب کی بعض باتیں خلاف شرع اور اور خلاف مشرب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔" (تعلیمات مجددیہ صفحہ/48)

ملک صاحب جو علامہ ابن تیمیہ کی تعلیمات کے عاشق صادق ہیں، نے محض اپنے ذاتی خیالات و معتقدات کی بنا پر اس پر حقائق و معارف مکتوب کو جعلی اور خلاف شریعت لکھ دیا ہے۔ ملک صاحب کو یہ مکتوب اس لئے خلاف شریعت نظر آیا کہ اس میں مدارج ولایت بیان کرتے ہوئے حضرات ائمہ اثنا عشر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قطبیت کے درجہ خاص پر فائز تسلیم کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان حضرات کے بعد حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مقام و منصب عطا ہوا اور تاایں دم تمام واصلین و کاملین کو ان ہی کے ذریعے فیض پہنچتا ہے اور شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ جیلان قدس سرہ کے نائب مناب ہیں۔ یہ حقائق حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بیت

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابدا علی افق العلی لا تغرب

(ترجمہ: پہلوں کے آفتاب غروب ہو گئے اور ہمارا آفتاب انتہائی بلندیوں پر ہے اور کبھی غروب نہ ہو گا)

کی تشریح کرتے ہوئے بیان کئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ کے "نظریہ مخدومیت"(15) اور "توحید خالص" کے قائل شخص کو ایسی باتیں ضرور خلاف شرع نظر آئیں گی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کو جملہ سلاسل کے اولیاء اللہ اور علماء اہل سنت نے تسلیم کیا ہے۔ اور تمام مشائخ سلسلہ مجددیہ نے شیخ مجدد

قدس سرہ کے اس کلام کو دل و جان سے مانتا ہے۔ اور کسی نے بھی حضرت کے اس خط کو جعلی اور خلاف شریعت قرار نہیں دیا صاحب "روضتہ القیومیہ" اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ نے اس مکتوب کے ظہور میں آنے کا سبب بتایا ہے پہلے "روضتہ القیومیہ" کی تصریح ملاحظہ ہو۔

"ایام مرض (وفات) میں ایک روز آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج حضرت غوث الاعظم تشریف فرما ہو کر فرماتے ہیں کہ لوگ میرے اس شعر۔

افلت شموس الاولین و شمسنا

ابدا علی افق العلیٰ لا تغرب

کے معنوں کی بابت حیران ہیں۔ اگر آپ اس کا حال لکھیں تو آپ کو اس مرض سے صحت ہو جائے گی چونکہ حضرت قیوم اول رضی اللہ عنہ کو لقائے پروردگار کا شوق بہت تھا۔ اس لئے بہ کثرت شوق آپ آبدیدہ ہوئے۔ اور یہ دعا اللھم الرفیق الاعلیٰ بار بار پڑھتے اور فرماتے کہ طبیب کہہ دے کہ تم لاعلاج ہو تو میں بہت سا روپیہ راہ خدا میں صرف کروں۔ مرض موت میں آں حضرت نے قیوم ثانی معصوم زمانی کو وصیت فرمائی کہ مذکورہ بالا شعر کا حل ضرور لکھنا اور خود زبان مبارک سے اس کی تشریح کر دی۔ حضرت قیوم ثانی رضی اللہ عنہ نے آنجناب کی اس وصیت کو آپ کی عزاداری کے دنوں میں پورا کیا اور مکتوبات کی تیسری جلد میں داخل کر دیا چنانچہ اس جلد کے اخیر میں درج ہے جو مکتوب شیخ نور محمد تہاری کے نام ہے۔ اس کے بعد آنحضرت کو چند روز کے لئے صحت ظاہری نصیب ہوئی جو صحت میں بھی حاصل نہ تھی۔"(16)

اب حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے بیان پر غور کیا جائے' وھو ہذا:

"در ایام نقاہت مرض پیشین می فرمودند کہ من مستغرق کمالات اہل بیت رسولم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دراں ضعفہا با کمال استبشار بیان می فرمودند کہ مرا در باغ اہل بیت سر دادہ اندوہ و بہ عجائب و غرائب آں موطن مشرف می سازند و شطری ازاں در معرض اظہار نیز آور دند و بعضے خصائص و کمالات حضرت امیر را رحمہ اللہ تعالیٰ وجہہ کہ دیدہ فکر و وہم اندیشہ ازاں خیرہ و درراہ است مشروح ساختند و ہم چنیں کمالات حضرت فاطمہ الزہرا و حضرات حسنین را رضی اللہ عنہم بیان نمودند' علی ہذا القیاس کمالات سائر دو ازدہ ائمہ را فرمودند' بدیں تقریب کمالات و خصائص حضرات شیخین و حضرت ذی النورین را بیان نمودند و نسبت و منزلت ہر کدام ازیں خلفائے اربعہ و اہل بیت را باں سرور علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ الصلوۃ والسلام مشروح ساختند و بعضے از خدمات شائستہ خود را کہ بوقوع آمدہ نیز درمیان آوردند و قدرے از کمالات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی را ہم بیان کردند' چنانچہ در مرض اخیر این ذرہ حقیر را وصیت بہ نوشتن بعضے ازیں اسرار کہ قابل اظہار بود' نمودند۔ چنانچہ ایں فقیر بہ مقتضائے وصیت در ایام عزای آں حضرت بحسب فہم قاصر خویش با چشم گریاں و دل ریش موجہ روضہ منورہ نشستہ آں در ہائے ناسفتہ را در سلک نظم (یعنی ترتیب دادہ) کشید و داخل مکتوبات قدسی آیات آں حضرت گردانید۔ چنانچہ ختم مکتوبات بہ ہماں مرقومات مقرر گشت"(17)

مولف روضتہ القیومیہ کی صراحت اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ اس مکتوب شریف کے معارف حضرت امام ربانی قدس سرہ کے بیان فرمودہ ہیں اور خواجہ محمد معصوم نے حسب وصیت ان کو مرتب کر کے مکتوبات کے آخر میں شامل کر دیا تھا۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت کا یہ مکتوب بالکل آخری ہے۔ لہٰذا اسے سب سے آخر میں درج ہونا چاہیے اور حضرت شیخ قدس سرہ کا یہ کلام اس

وقت کا ہے جب کہ آپ مدارج علیا عین نقطہ عروج پر تھے۔ اس خط کو جو نور محمد تماری(18) کے نام لکھا گیا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے کبھی حضرت غوث اعظم کی مذکورہ صدر بیت کے معنی دریافت کئے ہوں گے۔ لہٰذا ان ہی کو مکتوب الیہ قرار دے دیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت نے کسی اور جگہ ان معارف کو بیان کیا ہے یا نہیں؟

"مکاشفات غیبیہ"(19) مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ خواجہ محمد ہاشم کشمی، جس کے شروع میں جامع نے لکھا ہے کہ "معارف آں اوراق از علوم سابقہ اند" ______ اس کے مکاشفہ 16 کے اندر مشروح ہے۔

باید دانست کہ واصلان ذات ازیں بزرگواران کہ بہ "افراد" ملقب اندنیز اقل قلیل اند و اکابر صحابہ و ائمہ اثنا عشر از اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بایں دولت فائض اند و از اکابر اولیاء قطب غوث الثقلین قطب ربانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی است قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس بایں دولت ممتاز اند و دریں مقام شان خاص دارند کہ اولیاء دیگر ازاں خصوصیت قلیل النصیب اند ہمیں امتیاز فضلے باعث علو شان ایشاں شدہ است۔ فرمودہ اند قدمی ھذہ علی رقبة کل ولی اللہ ______ اگرچہ دیگراں راہم فضائل و کرامات بسیار است اما قرب ایشاں بآں خصوصیت از ہمہ زیادہ تر است، در عروج بآں کیفیت کسے بہ ایشاں نمی رسد، با اصحاب و ائمہ اثنا عشر دریں باب مشارک اند۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم(20)

حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ کے اس مکاشفہ کے نقل کئے جانے کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم اس مسئلے میں چند اور بزرگوں کے حوالے اور آراء نقل کی جاتی ہیں۔ تاکہ ثابت ہو جائے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نامور خلیفہ اور بانی سلسلہ آدمیہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1053ھ) نے اپنی تصنیف "خلاصة المعارف" میں وہی کچھ لکھا ہے جو ان کے مرشد نے ارشاد فرمایا ہے۔(21)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1176ھ) نے "المقالة الوضیہ فی النصیحہ والوصیہ" میں اپنے مشاہدے کو اسی طرح بیان کیا ہے اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1225ھ) نے حضرت شاہ صاحب کے کلام کی تائید و تشریح اس طرح کی ہے۔

"آں چہ حضرت شیخ در قطبیت ائمہ اثنا عشر نوشتہ ایں مضمون را حضرت امام ربانی قطب صمدانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ در شرح بیت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نوشتہ ایں ست بیت:

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابدا علی افق العلی لا تغرب

و فقیر آں را در "شمشیر برہنہ" (تصنیف قاضی صاحب) نوشتہ (22)

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم پیشوا شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1240ھ) نے حضرت شیخ مجدد کے اس مکتوب کا خلاصہ شیخ مجدد کے حوالے سے بیان کیا ہے۔(23)

عارف باللہ شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی شکار پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1195ھ) کے مکاتیب میں متوب ہفتم، ہشتم و چہل و نہم اسی مسئلے پر ہیں اور ہر مکتوب ایک رسالے کی حیثیت رکھتا ہے۔(24)

حاجی فضل اللہ نقشبندی قندھاری قدس سرہ الباری (متوفی 1238ھ) نے اپنی تالیف عمدة المقامات (فارسی) میں حضرت شیخ مجدد کے زیر بحث مکتوب کی عبارت نقل کر کے اس مسئلے کو موکد کیا ہے۔(25)

اس مسئلے پر نقشبندی صوفیہ کی متعدد تحریریں اس وقت میرے پیش نظر ہیں جن کے حوالے طوالت کا باعث ہوں گے لہٰذا ذیل میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے ارشادات نقل کر دینے کافی سمجھتا ہوں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1195ھ) فرماتے ہیں۔ "صوفیہ اہل سنت بر قطبیت دو ازدہ امام صلوۃ اللہ علیہم متفق اند" (26)

یہ ملحوظ رہے کہ جس طرح اہل رفض نے حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے حالات اور تعلیمات کو اپنی کتابوں میں بالکل غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے ائمہ اثنا عشر رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کو تبدیل کر دیا ہوا ہے اور لا تعداد من گھڑت روایتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہوئی ہیں مگر اہل سنت و جماعت ان کے دعویٰ حب اہل بیت اور ان کی وضعی روایات کے پس منظر سے پورے طور پر واقف ہونے کی بنا پر ان پر کان نہیں دھرتے اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولاد علی رضی اللہ عنہم کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ صوفیہ کے عقائد پر تاریخ اثر انداز نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے مشاہدات و مکاشفات کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور حصول فیوض اور وصول مقام قرب ان کے مد نظر رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1239ھ) کا محدثانہ و صوفیانہ ارشاد ملاحظہ ہو۔ "نیز ائمہ مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا ہمہ مقتدایان و پیشوایان اہل سنت بودہ اند کہ علماء ایشاں مثل زہری و امام ابو حنیفہ و امام مالک تلمذ از آنجناب کردہ اند و صوفیہ آں وقت مثل معروف کرخی وغیرہ از آنجناب فیض اندوختہ و مشائخ طریقت سلسلہ آنحضرت را سلسلۃ الذہب نامیدہ و محدثین اہل سنت زاں بزرگواراں در ہر فن خصوصاً در تفسیر و سلوک دفتر، دفتر احادیث روایت کردہ" (27)

مندرجہ بالا ارشادات اولیاء و علماء جملہ اہل سنت کا عقیدہ ہیں۔ البتہ نواصب کے لئے ضرور خلاف شریعت ہیں۔

مکتوبات کی مقبولیت

فارسی زبان میں تصوف کی سب سے پہلی مستند کتاب حضرت شیخ علی ہجویری معروف بر داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی قریب (28) بہ 490ھ) کی "کشف المحجوب" ہے اور اس کو جو مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کے 535 سال بعد منصہ شہود پر جلوہ گر ہونے والی کتاب مجموعہ مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ کو وہی مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی۔ اول الذکر تصنیف منیف پاک و ہند کے اولین مبلغ و داعی اسلام پر وارد شدہ رموز و اسرار طریقت و حقیقت و معرفت کا بیش بہا گنجینہ ہے تو ثانی الذکر یہاں کے مجدد اسلام کے بیان فرمودہ حقائق شریعت و طریقت کا بہترین مجموعہ اور دقائق و غوامض حقیقت و معرفت کا نہایت اعلیٰ خزینہ ہے۔ پاک و ہند ماوراء النہر اور دیار عرب کے علماء و فضلا اور اصفیا و عرفا نے اسے مرشد طریق قرار دیا۔ قریباً" پونے تین سو سال تک طالبان حق اس کے خطی نسخوں سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے اور دل دادگان تصوف و معرفت اور سالکان ہویت بحتہ اپنی عمر عزیز کے قیمتی اوقات اس کی نقول لینے میں صرف کرتے رہے چنانچہ اس کے خطی نسخے بہت جلد عالم اسلام میں پھیل گئے تھے۔

مطابع وجود میں آ گئے تو مکتوبات قدسیہ کو متعدد مطابع نے طبع کر کے شائع کیا اور سب سے بہتر طریق پر حضرت مولانا الحاج نور احمد نقشبندی مجددی امرتسری علیہ الرحمہ (متوفی 1348ھ) مرید و مجاز شیخ العرفا حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی

قدس سرہ (متوفی 1341ھ) نے نہایت تصحیح اور بلیغ تحشیہ کے ساتھ نو حصوں میں منقسم کر کے 1327ھ تا 1334ھ میں امرتسر سے طبع و شائع کیا۔ حق یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دے کر حضرت امام ربانی سے اپنی سچی عقیدت اور روحانی تعلق کا حق ادا کر دیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔(29)

مکاتیب کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر عربی میں اس کے ترجمے ہوئے کتب خانہ اوقاف بغداد شریف میں دو عربی ترجموں کے خطی نسخے موجود ہیں:۔

1- تعریب المکتوبات الصوفیہ۔ لاحمد النقشبندی الفاروقی 9772=14x21 س مولفہ الشیخ یونس النقشبندی۔

مجلد ابتداء:

الحمد للہ رب العلمین ..... و بعد فیقول اسیر الذنوب سمی صاحب الحوت ..... طالما کنت اطلب مجلدات رسائل غوث المحققین ..... احمد النقشبندی ..... و لما ظفرت و بعد مدۃ .....(30)

2- مکاتیب الشیخ احمد النقشبندی 4752-28x18 س۔

انشاء ھا الشیخ احمد النقشبندی الاحراری۔

رسائل بعث بھا الی بعض الصوفیہ۔ اولھا مکتوب فی بیان احوال تناسب اسم الظاھر والظھور قسم خاص من التوحید و بیان عروجات وقعت ..... کتبہ الی مرشد الکبیر ..... الشیخ محمد بن الباقی النقشبندی الاحراری(31)

3- تیسرا ترجمہ علامہ محمد مراد مکی کا ہے۔ اس ترجمے کی مقبولیت اور اس کے اثرات پر علامہ مناظر احسن گیلانی صاحب کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

"سلسلہ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق و شام عرب خصوصاً ترکی ممالک میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور ہے۔ نیز آپ کے "مکاتیب طیبہ" خود براہ راست ان ممالک میں بکثرت پڑھے گئے اور پڑھے جاتے ہیں جہاں کے باشندے فارسی زبان سمجھتے ہیں اور جو اس زبان سے ناواقف ہیں۔ ان تک آپ کے مکتوبات عربی اور اردو زبانوں میں پہنچائے گئے۔ غالباً" روس کے رہنے والے ملا مراد جو مہاجر ہو کر بالاخر مکہ مکرمہ میں رہ پڑے تھے انہوں نے مکاتیب کا ترجمہ عربی میں کیا اور مصری ٹائپ میں چھپ کر سارے عرب ممالک میں پھیل گیا۔ یہ خدا داد بات تھی کہ اس کے بعد حدیث و تفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایسی معتدبہ کتابیں مل سکتی ہیں جن میں مکتوبات کے مضامین نقل کئے گئے ہیں خصوصاً" عصر جدید کی مشہور تفسیر" روح المعانی" جو سلطان عبدالحمید خان مرحوم خلیفہ ٹرکی کے عہد میں لکھی گئی اس میں علامہ شہاب محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا اس کا التزام کر رکھا ہے کہ جہاں بھی ذکر کا موقع میسر آئے وہاں قال المجدد الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات اور جدید تعبیرات کو پیش کرتے ہیں اور بڑے افتخار و ناز سے پیش کرتے ہیں اہم مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔"(32)

پھر اردو تراجم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اردو ترجمہ پیش کرنے کی ایک کوشش مولوی محمد حسین ابن مولوی قادر بخش ساکن احمد آباد ضلع جہلم نے کی۔ اس ترجمے کا پہلا حصہ الطاف رحمانی ترجمہ اردو مکتوبات امام ربانی کے نام سے مولوی امام الدین تاجر کتب راولپنڈی نے 1314ھ میں طبع کیا جو صرف پہلے بیس مکتوبات کا ترجمہ ہے اس کے اگلے حصے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔

مولوی عبدالرحیم نائب مدیر اخبار وکیل امرتسر نے مکتوبات کے ترجمے کا کام شروع کیا تھا پہلا حصہ خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے نام لکھے گئے مکتوبات کو چھوڑ کر آگے کے 17

مکتوبات کے ترجمہ اور تشریحی حواشی پر مشتمل تھا جو روز بازار اسٹیم پریس امرتسر میں 1330ھ میں طبع ہوا مگر یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ گنجینہ انوار رحمانی اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی کے نام سے ابتدائی چالیس مکتوبات کا ترجمہ اسلامی دکان کشمیری بازار لاہور نے 1330ھ میں چھاپا تھا۔ مگر یہ کام بھی یہیں رک گیا۔ مکمل مکتوبات شریف کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت مولانا عالم دین نقشبندی مجددی کے حصے میں آئی۔ ان کے مترجمہ مکتوبات اللہ والے کی قومی دکان لاہور سے دوبارہ شائع ہو کر نایاب ہو چکے ہیں۔

کئی حضرات نے مکتوبات قدسیہ کے فارسی اردو انتخابات اور خلاصے شائع کیے۔ اس انداز کا سب سے اچھا کام شاہ ہدایت علی نقشبندی مجددی مرحوم (متوفی 1370ھ) کا ہے۔ انہوں نے "در لاثانی" کے نام سے مکمل مکتوبات کی اردو تلخیص کی جسے "اعلیٰ کتاب خانہ" کراچی نے انتخابات مکتوبات کے نام سے 1961ء میں دوبارہ شائع کیا۔ غرض کہ علماء اور صوفیہ نے مکتوبات پر بہت زیادہ کام کیا ہے۔

مکتوبات کی ایک غیر مطبوعہ فارسی شرح "ضیاء المقدمات فی توضیح المکتوبات" در دو جلد از مولوی ضیاء الدین اچکزئی (متوفی شصت سال قبل) شارح کے فرزند مولوی محمد ساکن قصبہ نوزاد ضلع قندھار کے پاس محفوظ ہے۔(33) مولانا شمس الدین(34) رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1387ھ) تاجر کتب نادرہ لاہور کے ذاتی کتب خانے میں دو ایسی کتابیں میں نے دیکھی تھیں جن میں مکتوبات قدسی آیات کی روایات کی تخریج کی گئی ہے۔ ان میں دو میں سے ایک کا نام "تشئید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات امام ربانی" حافظے میں محفوظ رہ گیا ہے۔

بایں ہمہ ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ مجدد کے کشوف اور متشابہہ کلام پر اعتراضات کے سلسلے میں خاص طور پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر نقشبندی بزرگوں نے اگرچہ بہت کچھ لکھا ہے مگر تحقیق سے زیادہ عقیدت سے کام لیا گیا ہے۔(35) عزیزی محمد اقبال مجددی سلمہ اللہ مکتوب الیہم حضرات کے حالات زندگی جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کہ وہ جلد از جلد اپنی اس تحقیقی کتاب کو منظر عام پر لا سکیں ان کی یہ پیشکش خاصے کی چیز ہو گی ان شاء اللہ ______ حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی فراخدلی سے اپنی بعض ابتدائی تحقیقات سے رجوع فرمایا ہے۔ مثلاً دفتر اول حصہ سوم کے مکتوب 209 میں مبداء و معاد کی ایک عبارت سے رجوع کا اعلان کیا ہے۔(36) اسی طرح اور مکاتیب میں بھی بعض کشفی تحقیقات سے رجوع فرمایا ہے۔ ان رجوع نمودہ عبارات کی نشاندہی کی ضرورت ہے۔ اور بعض کشفی مشاہدات آخر عمر میں ابتدائی مشاہدات سے قدرے مختلف یا واضح ہو گئے ہیں اس پر بھی کام ہونا ضروری ہے اور یہ تبدیلی خیالات ان کے مدارج عالیہ میں ہر دم عروج و ترقی کی بنا پر ہے۔

اردو ترجمے کی ضرورت

حضرت مولانا نور احمد مرحوم کے محشی مکتوبات کی اشاعت ثانی سے عربی اور فارسی کے ماہرین کے ذوق کی تسکین کا سامان تو ہو گیا ہے۔ مگر اردو ترجمے کی نایابی کی بنا پر فارسی سے ناواقف لوگ حضرت امام ربانی کے فیوض و برکات علمیہ اور معارف لدنیہ سے بہرہ یاب ہونے سے محروم ہیں۔

اکبری دور کی پیدا کردہ بد اعتقادیوں اور بد اعمالیوں اور ہمارے زمانے کے دینی اور اعتقادی فتنوں میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس زمانے کے "لصوص دین"(37) اکبری دور کے "لصوص دین" کے زلہ ربا اور خوشہ چین ہیں۔ اس وقت اگر تارک تقلید ملا مبارک اور اس کے ملحد و

زندیق بیٹے ابوالفضل اور فیضی دین اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں مصروف تھے تو آج ان کے شاگردان رشید دین کے نام پر دین میں تحریفات کرنے میں کوشاں ہیں۔ مسٹر غلام احمد پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور کانگریسی ملاؤں کے ممدوح و مربی مسٹر مسعود سابق ناظم محکمہ اوقاف کی مکروہ تحریروں اور کاروائیوں سے اہل حق کے دل مجروح ہیں اور اسی قبیل کے نصوص دین کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو چکا ہے۔ شیخ محمد اکرام جو سرسید کے مکتبہ فکر سے متعلق ہیں نے بھی اپنی کتابوں کے ذریعے اہل حق کو بدنام کرنے کی پوری پوری سعی کی ہے۔

گر بگویم شرح ایں بیحد شود(38)

مکتوبات قدسی آیات میں ہر دور اور ہر ملک کے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لئے تعلیمات و ہدایات موجود ہیں۔ جس دور میں یہ لکھے گئے تھے وہ چونکہ ہمارے دور سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ اس لئے ان میں خاص طور پر ہمارے لئے فوز و فلاح کی تعلیم موجود ہے۔ اس بے دینی و الحاد کے دور میں جب کہ بد اعتقاد لوگ گمراہ کن لٹریچر بہ کثرت پھیلا چکے اور پھیلا رہے ہیں۔ مجدد اعظم کی تحریریں بلا شبہ تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔

مقام صد شکر ہے کہ ہمارے فاضل دوست حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی زید علمہ و مجدہ نے فارسی سے ناواقف لوگوں کو حضرت شیخ مجدد کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے مکمل مکتوبات شریف کا ترجمہ کرنے کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔

فاضل مترجم نے حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1372ھ) ساکن حضرت کیلیانوالہ خلیفہ ارشد شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1348ھ) سے روحانی فیض پایا ہے۔ ظاہری علوم کے بھی ماہر ہیں۔ دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس رہ چکے ہیں۔ چھ سات سال سے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں صدر مدرس کے منصب پر فائز ہیں۔ اولیاء کرام کی ان پر خصوصی توجہ ہے۔ کئی برس تک مسجد شاہ محمد غوث قادری لاہوری قدس سرہ میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد مبارک میں امامت و خطابت کے فرائض باحسن وجوہ انجام دے رہے ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ سے انہیں والہانہ عقیدت ہے۔ تعلیمات صوفیہ علیہ بالخصوص افادات مجددیہ کی اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں۔ مولانا نور احمد کے محشیٰ مکتوبات دوبارہ ان ہی کی تحریک و مساعی سے زیور طباعت سے آراستہ ہوئے ہیں۔ انہوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے ان کی کاپیاں اور پروف پڑھے اور پلیٹیں بھی دیکھیں۔ حضرت امام غزالی قدس سرہ کی تصانیف بدایۃ الھدایہ اور منہاج العابدین کے انہوں نے ترجمے کئے ہیں جو طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا قابل ذکر ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ جناب ملک حسن علی صاحب جامعی کی کتاب "تعلیمات مجددیہ" کے جواب میں "مسلک امام ربانی" لکھی جو بے حد مقبول ہوئی۔ دو ہزار کا ایڈیشن چند مہینوں میں ختم ہو گیا۔ اب یہ کتاب دوبارہ مع اضافات کے آ رہی ہے۔(39)

جناب فاضل مترجم کی علمی کاوشوں اور روحانی نسبتوں کے ذکر کی ضرورت یوں محسوس کی گئی کہ قارئین کرام کو اطمینان ہو جائے کہ مترجم حضرت امام ربانی اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے قوی نسبت رکھنے کی وجہ سے کلام مجدد کو سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ ایسی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لئے علم اور نسبت دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ جناب مترجم ان دونوں نعمتوں سے سرفراز ہیں۔

اس عظیم و قیم کتاب کی طباعت کے لئے بھی کسی بہت

اچھے ادارے کی ضرورت تھی۔ بہ فضل ایزدی یہ مسئلہ بھی از خود حل ہو گیا۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی جو بہترین کتابوں کو خوبصورتی اور نفاست سے چھاپنے میں گوئے سبقت لے گئی ہے، کے مالک محترم حکیم محمد تقی صاحب اشرفی اس کو بہ صد ذوق و شوق چھاپ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جناب مترجم کی یہ کوشش مقبولیت دوام کا درجہ حاصل کرے اور قارئین کو عمل کی توفیق ملے۔ جناب ناشر بھی جزائے خیر سے نوازے جائیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

یہاں عزیزی محمد اقبال مجددی سلمہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ آں عزیز نے کئی نایاب کتابیں اپنے کتب خانے سے لا کر مجھے دیں۔ اور بعض حوالے تلاش کرنے میں میری مدد کی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

حواشی

1- مسائل تصوف میں۔

2- حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں کی اہمیت و عظمت، تب ہی پورے طور پر واضح ہو سکتی ہے جب کہ اکبری دور کے ملحدانہ عقائد اور ماحول سے کماحقہ واقفیت حاصل کر لی جائے اس موضوع پر محب محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب استاذ شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی کی تحقیقی کتاب "دین الٰہی اور اس کا پس منظر" جو حال ہی میں دہلی اور لاہور سے شائع ہوئی ہے کا مطالعہ ازحد ضروری ہے۔ فاضل مولف نے اس دور کے متجد دین بالخصوص شیخ محمد اکرام کے مجدد صاحب پر اعتراضات کے شافی جوابات دے دیے ہیں۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے یہ کتاب لکھ کر تاریخ اور دین اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ جزاہ اللہ۔ 12

3- شیخ بدر الدین سرہندی خلیفہ حضرت شیخ مجدد کے حالات کے لئے (1) حضرت القدس دفتر دوم اور روضۃ القیوم ملاحظہ ہو۔

4- حضرات القدس مترجم اردو و دفتر دوم صفحہ 108-

5- حضرات القدس مترجم اردو و دفتر دوم صفحہ 109-

6- زبدۃ المقامات فارسی مطبوعہ نو لکشور صفحہ 124-

7- مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ مولفہ شاہ محمد مظہر مجددی مطبوعہ 1282ھ در اکمل المطابع دہلی صفحہ 136-

8- ان کے نام کے ساتھ "جدید" اس لئے لکھتے ہیں کہ ان کے ہم نام ایک اور بزرگ ان سے قبل حضرت شیخ کے مرید ہو چکے تھے۔ فرق و امتیاز کی خاطر مرید سابق کو قدیم اور ان کو جدید لکھتے ہیں۔ طالقان ایران کے ایک شہر کا نام ہے۔

9- دفتر سوم (معرفتہ الحقائق) حصہ نہم مکتوب 115- صفحہ 104 طبع امرتسر۔

10- دفتر سوم (معرفتہ الحقائق) حصہ نہم مکتوب 124- صفحہ 146 طبع امرتسر۔

11- مکتوبات خواجہ محمد معصوم مطبوعہ 1887ء در مطبع نظامی کانپور مکتوب 24- صفحہ 41

12- دفتر سوم کی تکمیل کے بعد یہ سرہند سے چلے گئے تھے۔

13- زبدۃ المقامات مطبوعہ نو لکشور لکھنؤ۔ صفحہ 241

14- راقم نے ملک صاحب کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ان مبصرین کے نام بتایئے جنہوں نے اس مکتوب کو جعلی اور خلاف شریعت قرار دیا ہے؟ ملک صاحب نے جواب میں لکھا کہ مولانا کریم بخش صاحب پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور نے اپنی کتاب تعلیمات امام اہلسنت میں یہ تحقیق پیش کی ہے۔____ ایک مولوی کریم بخش "مبصرین" ہو گئے یا للعجب!

15- شیخ ابن تیمیہ حرانی کے "نظریہ مخدومیت" پر علامہ مناظر احسن گیلانی نے خوب تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "مقالات احسانی" مطبوعہ کراچی۔ اس نظریہ کے تحت حضرت شیخ مجدد کے اکثر وہ نظریات جن کی بنیاد کشف و مشاہدے پر ہے، غلط ٹھہرتے ہیں۔ اور ان کی کرامات و خوارق عادات جو ان کے خلفاء نے بیان کی ہیں وہ بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہیں اور دیگر تحقیقات بھی علامہ کی نکھری ہوئی توحید کے معیار پر ہرگز پوری نہیں اترتیں۔ چنانچہ علامہ مسعود عالم ندوی نے جرات رندانہ سے کام لیتے ہوئے صاف لکھا ہے:

"تصوف و سلوک و تزکیہ کے بارے میں عاجز نے مطالعہ کے بعد اور انشراح صدر کے ساتھ ایک مسلک اختیار کیا ہے۔ اپنی طبیعت و مزاج کے لحاظ سے صرف امام ابن تیمیہ (ف 728ھ) کی نکھری ہوئی توحید دل کو لگتی ہے اور تو اور ابن قیم (751ھ) کے ہاں بھی کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ (دیباچہ مکاتیب سید سلیمان ندوی بنام مسعود عالم ندوی مطبوعہ لاہور صفحہ 14) حق یہ ہے کہ مسعود عالم ندوی صاحب نے جملہ مقلدان ابن تیمیہ کے ضمیر کی ترجمانی کر دی ہے اور جب یہ معیار قائم کر لیا گیا ہے تو حضرت مجدد کا نام کیوں لیا جاتا ہے؟

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

16- روضۃ القیومیہ

17- مکتوبات خواجہ محمد معصوم مکتوب 193 صفحہ 377 (مطبوعہ نظامی کانپور)

18- شیخ نور محمد کے حالات روضۃ القیومیہ میں بایں الفاظ مرقوم ہیں۔" آپ آنحضرت ﷺ کے خلیفہ ہیں، سلوک باطنی حاصل کر کے خلافت پائی۔ تیسری جلد کا آخری مکتوب آپ کے نام لکھا گیا ہے جس میں مرض موت کے وقت حضرت غوث الثقلین ؓ کے شعر کی جو شرح بیان فرمائی، مندرج ہے" (صفحہ/339) بعض مکتوبات میں آپ کے نام کے ساتھ تہاری لکھا ہے مگر روضۃ القیومیہ مترجم اور بعض دوسری کتابوں میں بہاری تحریر ہے۔ بہاری صحیح معلوم ہوتا ہے۔

19- سب کتابوں میں مکاشفات غیبیہ نام لکھا ہے۔ مگر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کا خیال ہے "عینیہ" صحیح ہے۔

20- مکاشفات غیبیہ (عینیہ) شائع کردہ ادارہ مجددیہ کراچی۔ صفحہ 40

21- خلاصۃ المعارف بحوالہ مکتوبات شاہ فقیر اللہ نقشبندی شکار پوری (صفحہ 205) ____ خلاصۃ المعارف ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ اس کے مخطوطات بھی کم یاب ہیں۔ اس کی پہلی قسم (جلد) میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے جس کے 164 اوراق ہیں۔ محولہ بالا مضمون دوسری قسم (جلد) میں مسطور ہے جیسا کہ پہلی قسم کے ورق 132 پر لکھا ہے۔ "بیان ایں چہار ولایت در باب دوم در فصل دوم در قول ثانی از قسم ثانی ایں کتاب واضح و مفصل شدہ است۔"

خلاصۃ المعارف کا ایک قلمی نسخہ ذخیرہ شیرانی دانش گاہ پنجاب نمبر 3412 ف 407 میں بھی موجود ہے مگر میں یہ نسخہ اس وقت دیکھ نہیں سکا۔

22- مجموعہ وصایا اربعہ مرتبہ محترم پروفیسر محمد ایوب قادری ایم اے شائع کردہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد صفحہ 49-65

23- در المعارف فارسی (ملفوظات شاہ غلام علی) مرتبہ شاہ رؤف احمد شائع کردہ مکتبہ اسلامیہ گجرات ضلع مظفر گڑھ۔ صفحہ 231- اور شاہ صاحب نے اسی مکتوب کا خلاصہ رسائل سبع سیارہ میں اپنے قلم سے نقل کیا ہے۔

24- مکتوبات شاہ فقیر اللہ مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

25- عمدۃ المقامات شائع کردہ خانقاہ مجددیہ ٹنڈو سائیں داد (حیدر آباد) مطبوعہ 1355ھ صفحہ 140

26- مقامات مظہری مولفہ شاہ غلام علی دہلوی۔ مطبوعہ مطبع احمد دہلی 1269ھ صفحہ 127

27- تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ مطبع حسن دہلی 1271ھ صفحہ 481

28- حضرت داتا گنج بخش کا سال وصال عام طور پر 465ھ مشہور ہے لیکن کشف المحجوب کی عبارتیں اس کے خلاف شہادتیں پیش کرتی ہیں۔ اس مسئلے میں عبدالحی حبیبی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ طبقات صوفیہ امالی خواجہ عبداللہ انصاری مطبوعہ افغانستان۔

29- مولانا نور احمد کے مصحح و محشی یہ مکتوبات 1964ء میں دوبارہ نور کمپنی انار کلی لاہور نے چھاپ دیئے ہیں ان کے شروع میں مولانا کے حالات زندگی و خدمات علمی کا اجمالی تعارف۔ میرا لکھا ہوا موجود ہے میں نے مولانا کے حالات پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جو آں مرحوم کے فرزند مولانا محمد سلیمان کی عدم توجہ کی بنا پر حلیہ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی۔

30- الکشاف عن مخطوطات خزائن الاوقاف صفحہ 136- تالیف محمد اسعد طلس مطبع العانی بغداد 1372ھ/1953ء منشورات مدیریہ الاوقاف العامہ ببغداد

31- ایضاً" صفحہ 148، 149-

32- مضمون "ہزارہ دوم یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" مشمولہ تذکرہ مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی مطبوعہ کتب خانہ الفرقان لکھنؤ 1959ء صفحہ 28

33- مکتوب حاجی عبدالغنی قندھاری بنام راقم الحروف۔

34- مولانا شمس الدین نور اللہ مرقدہ کو حضرت شیخ مجدد قدس سرہ کی تعلیمات سے عشق تھا۔ انہوں نے تصوف اور بالخصوص سلسلہ مجددیہ

کی نادر و نایاب کتابوں کو بڑے شوق سے جمع کیا تھا۔ اگر مولانا اس وقت زندہ ہوتے تو میں ان کے کتب خانے سے کماحقہ فائدہ اٹھاتا۔ وکم حسرات فی بطون المقابر۔

35- چند مکتوبات کی بعض عبارتوں پر اعتراضات کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو ناکافی سمجھ کر براہ راست معترضین کی کتب کو دیکھنے کی کوشش کی۔ معارج الولایت (قلمی) مخزونہ دانش گاہ پنجاب نسخہ ذخیرہ آذر ورق 586 ب' بعد میں معاندانہ اور گستاخانہ انداز میں جو کچھ جمع کیا گیا ہے' وہ دیکھا اور فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ کے ذریعے سید محمد برزنجی اور ابو علی حسن بن علی عجمی مکی کے رسائل کے بے ہودہ مضامین سے آگاہی حاصل کی تو اندازہ ہوا کہ اس موضوع پر سیکڑوں صفحات لکھنے کی ضرورت ہے اور یہ مقدمہ ان مباحث کی طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ توفیق ایزدی شامل حال رہی تو اس موضوع پر پھر کبھی لکھا جائے گا۔ اس موقع پر برزنجی کی تحریرات کی حقیقت واضح کرنے کے لئے فہرست مذکور میں درج ملخص رسالہ کی ایک عبارت نقل کی جاتی ہے۔

"در سال یک ہزار و نودو سہ ہجری در شہر جمادی الاخر از ہندوستان ..... خیالات شیخ احمد سرہندی بطور استفتاء در دیا عرب رسید کہ او دعوئی رسالت کردہ است" (فہرست مشروع بعض کتب نفسیہ قلمیہ حصہ دوم مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی۔ مطبوعہ دار المطابع سرکار عالی حیدر آباد 1375ھ صفحہ 363' 364)

نوٹ: یہ فہرست فارسی میں لکھی گئی ہے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ برزنجی کے رسالے کا رد علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے "الکلام المنجی فی ایراد البرزنجی" کے نام سے لکھا تھا۔ برزنجی نے ایک نہیں دس رسالے لکھے تھے اور یہ علامہ کی وفات کے بعد لکھے گئے۔ برزنجی کے آخری دو رسائل 1093ھ میں معرض تسوید میں آئے اور علامہ 1067ھ میں وفات پا چکے تھے۔

حضرت شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ مجدد سے عارضی طور پر کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے جو جلد ہی رفع ہو گئے اس پر بھی مفصل گفتگو کی ضرورت ہے اس لئے کہ بعد متجددین شیخ عبدالحق کے عقیدت مند نہ ہونے کے باوجود اس مخلصانہ اور برادرانہ "اختلاف" کو "خلاف" بنا کر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ شیخ اور مجدد صاحب ہم عقیدہ اور پیر بھائی تھے۔ اس مقام پر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے حیات شیخ عبدالحق میں شیخ کا وہ رسالہ جس میں مجدد صاحب پر تنقید کی گئی ہے۔ معارج الولایت سے لے کر شامل کیا ہے اس کا متن مخدوش ہے۔ محققین کو شیخ عبدالحق کا وہ رسالہ تلاش کرنا چاہیے جو اغلاط سے پاک ہو۔

36- رجوع کی قوت صرف عظیم انسانوں میں ہوتی ہے۔ چھوٹے آدمی رجوع کو کسر شان سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ مجدد کا رجوع کرنا جہانگیر سے ٹکر لینے سے زیادہ ہمت کا کام ہے۔

37- لصوص "لص" کی جمع ہے۔ جس کے معنی ڈاکو اور چور کے ہیں۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں ____ طالب علمان بے باک (آزاد خیال علماء) از ہر فرقہ کہ باشند لصوص دین اند' اجتناب از صحبت ایں ہانیز از ضروریات دین است (دفتر اول مکتوب 212) بد دینوں سے اجتناب کرنے والوں کو تنگ نظر کہنے والے حضرت شیخ مجدد کے اس ارشاد پر غور کریں۔

38- ان ہی لوگوں میں سے ایک پروفیسر محمد حبیب ہیں جو ہندوستان میں ان کی نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

39- ملک صاحب مسلکاً غیر مقلد ہیں انہوں نے مجدد صاحب کے نام پر علامہ ابن تیمیہ کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے "تعلیمات مجددیہ" لکھی ہے۔

⚬ ⚬ ⚬ ⚬ ⚬

نگران اعلیٰ ماہنامہ "مہر و ماہ" سردار علی احمد خان کی شہرہ آفاق تصنیفات "ملہمات" (احوال و آثار حضرت قطب جمال الدین ہانسوی) رسالہ صاحبیہ (مع انگریزی ترجمہ) پر

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے تاثرات

1- ملہمات (تعارف)

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر سے دور کی نسبت غلامی اس دنیا کی سروریوں پر غایت درجہ فضیلت رکھتی ہے اور ان سے اقرب نسبت رکھنے والوں پر لاتعداد تاج شاہی ان کے قدموں کی خاک بننے کے آرزو مند رہے ہیں۔ اور بڑے بڑے بادشاہ ان کے در کی حاضری کو فخر و مباہات قرار دیتے رہے ہیں۔

حضرت خواجہ قطب جمال الدین احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کمال سب سے بڑی فضیلت اور سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ شیخ بحر و بر حضرت گنج شکر کے محبوب اور اجل خلفاء کرام میں سے ہیں۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی سے سلسلہ نظامیہ حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری سے سلسلہ صابریہ اور حضرت شیخ قطب جمال ہانسوی سے سلسلہ جمالیہ جاری ہوا۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

ان سلاسل روحانی کے بزرگوں سے کروڑوں طالبان حق فیض یاب ہو کر مدارج علیا پر فائز ہوئے اور ہنوز سلسلہ فیض جاری و ساری ہے۔ حضرت خواجہ قطب جمال ہانسوی حضرت خواجہ گنج شکر کا جمال ہیں۔ اس جمال گنج شکر نے جہاں اپنی روحانی توجہات سے لاتعداد تشنگان علوم، معرفت کی تشنگی کو دور کیا اور ہزاروں کو منزل مقصود پر پہنچایا۔ وہاں بعد میں آنے والے صوفیہ صافیہ کی رہنمائی کے لئے "ملہمات" کے نام سے عربی میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ یہ رسالہ فیض قبالہ نقل در نقل ہوا۔ اہل دل حضرات کے کتب خانوں کی زینت بنتا رہا یہ رسالہ پہلی بار 1889ء میں فارسی اور اردو ترجمہ کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہوا تھا جو قلیل عرصہ میں "النادر کالمعدوم" کے مصداق ہو گیا۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے کچھ عرصہ بعد بیرسٹر عبدالشکور السلام صاحب (اولاد حضرت خواجہ قطب جمال) کی کاوش سے رسالہ "ملہمات" دوسری بار منظر عام پر آیا اور اب تیسری بار دودمان جمالیہ کے معارف پرور اور علم نواز فرد جناب جسٹس عبدالشکور السلام اور ہمارے فاضل محترم سردار علی احمد خان کی مساعی سے مع انگریزی ترجمہ اور حالات بابرکات حضرت قطب جمال اور تذکرہ خلفاء آں حضرت اور دیگر کئی اضافوں کے ساتھ منصہ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔

انگلش ترجمہ اور حالات حضرت مصنف علیہ الرحمۃ جناب فاضل محترم سردار علی احمد خان کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔

سردار صاحب مدظلہ مختلف زبانوں کے ماہر ہیں اور ان کی انگریزی کو تو حلقہ ادباء میں بہت زیادہ سراہا جاتا ہے۔ جناب سردار صاحب کا علمی و ادبی ذوق نہایت شستہ ہے۔ موصوف انگریزی اور اردو زبانوں میں کتابیں تصنیف کرنے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ اور معلومات افزا مضامین و مقالات بھی لکھتے رہتے ہیں مگر میرے نزدیک ان کی زندگی کا حسین ترین پہلو یہ ہے کہ شیخ الاولیاء حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق صادق ہیں۔ روزانہ کی حاضری ان کا معمول ہے۔ آپ تمام سلاسل کے صوفیہ کرام کا تہ دل سے احترام کرتے ہیں اور ان کے مزارات سے کسب فیض ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ سردار علی احمد خان کے علمی کارناموں کا تعارف اس مختصر تحریر کے ذریعہ نہیں کرایا جا سکتا ان کی چند ایک تصانیف کے اسماء یہ ہیں۔

1- سفرنامہ حج (اردو)

2- نقشبندیہ (انگریزی)

3- شہزادی جہاں آراء بیگم کے رسالہ صاحبیہ کا انگریزی ترجمہ بمعہ حالات زندگی

4- حضرت برہان الدین غریب نواز علیہ الرحمۃ کے ملفوظات کا انگریزی ترجمہ

5- نغمہ بلبل (سروجینی نائیڈو کی نظموں کا منظوم اردو ترجمہ)

6- برصغیر کے دلستان مصوری (اردو)

سردار صاحب کا شعری ذوق بھی بڑا بلند ہے۔ آپ اردو' انگریزی اور فارسی میں لکھتے ہیں ان کے کلام کا غالب حصہ نعت و منقبت پر مشتمل ہے۔ "ملمعات" کا پیش نظر ایڈیشن انجمن فلاح و بہبود زائرین پاکستان لاہور کی طرف سے طبع و شائع ہوا ہے۔ انجمن کے جملہ اراکین ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ جناب جسٹس عبدالشکور السلام نے کتاب کا پیش لفظ تحریر کر کے حق فرزندی ادا کیا ہے۔

جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الخیر

2- رسالہ صاحبیہ

"رسالہ صاحبیہ" شہزادی جہاں آراء بیگم کی نادر تصنیف ہے جس میں موصوفہ نے اپنے مرشد ارشد حضرت ملا شاہ بدخشی علیہ الرحمۃ مرید و خلیفہ حضرت میاں میر فاروقی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و کرامات کا تذکرہ کیا ہے نیز حضرت ملا شاہ بدخشی قدس سرہ کے بعض خاص مریدوں اور خادموں کا ذکر بھی کیا ہے ضمناً" حضرت خواجہ غریب نواز سید معین الدین چشتی اجمیری کا بھی ذکر شریف رسالہ ہذا میں آیا ہے۔

اصل کتاب فارسی زبان میں ہے جس کا انگریزی ترجمہ فاضل محترم سردار علی احمد خان صاحب مدظلہ نے کیا ہے نیز شہزادی جہاں آراء بیگم کے سوانحی حالات پر بھی انگریزی میں ایک جامع نوٹ لکھا ہے۔

مجلّہ کا اردو ترجمہ استاد تاریخ جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب نے کیا تھا۔ اصل فارسی متن انگریزی اور اردو تراجم کو یکجا کر کے محترم سردار علی احمد خان صاحب نے زیور طبع سے آراستہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں شہزادی جہاں آراء بیگم کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی بعض تحریروں کے فوٹو (عکس) بھی زینت کتاب ہیں۔

جہاں آراء بیگم شاہان مغلیہ کے خانوادہ عالی کی حسن ظاہری و باطنی سے مالا مال شہزادی تھیں اور بے حد عبادت گزار اور خدا ترس خاتون تھیں۔ ان کی ایک بڑی سعادت یہ ہے کہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں محو خواب ابدی ہیں۔

مکرمی جناب سردار علی احمد خان زید علمہ اس عظیم اور مفید کاوش اور پھر اس کی اشاعت پر بزرگان دین کے نیاز مندوں کی دعاؤں کے مستحق قرار پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ (آمین ثم آمین)

اخبارِ غم

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نور اللہ مرقدہٗ کے انتقالِ پُرملال پر مختلف مؤقر جرائد کی طرف سے تعزیتی اِطلاعات و اِجلاس

ہر آنکہ زاد بناچار بائیدش نوشید
زجامِ دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے

لاہور (پ ر) پاکستان کے مشہور محقق، دانشور، ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور کے مدیرِ مسول اور مرکزی مجلس رضا پاکستان کے بانی الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری طویل علالت کے بعد 17 نومبر 1999ء بروز بدھ دوپہر 12:30 بجے انتقال کر گئے۔ وہ امرتسر کے معروف طبیب حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کے صاحبزادے تھے۔ 60 سال قبل امرتسر سے لاہور آ گئے تھے۔ گوالمنڈی میں لاکھوں مریضوں کو مستفید کر چکے ہیں۔ حکیم صاحب نے کئی ہزار کتب جن میں قلمی نسخہ جات بھی شامل ہیں، پنجاب یونیورسٹی لاہور کو اپنے ذخیرہ کتب سے ودیعت کی ہیں۔ حکیم صاحب کئی کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں۔

مرکزی مجلس رضا کے تحت کئی لاکھ کتب شائع کیں اور دینی حلقوں میں تقسیم کی جاتی رہیں۔ ان کے انتقال سے دینی علمی و ادبی اور طب و حکمت کے حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ برسوں پر نہ ہو سکے گا۔ ان کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی بروز جمعہ بعد از نمازِ جمعہ ان کی رہائش گاہ 106 سراج پارک شادباغ لاہور میں ادا کی جائے گی۔

گزشتہ رات دربار حضرت میاں میر قبرستان میں ان کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ بیوی بیٹی دو نواسے اور احباب کا وسیع حلقہ سوگواروں میں چھوڑا ہے۔ یاد رہے کہ ان کی اولاد میں

صرف ایک ہی بیٹی ہے جو کہ بیوہ ہو چکی ہے۔

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور

جمعرات 18 نومبر 1999ء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے

لاہور (پ ر) محقق اور دانشور حکیم محمد موسیٰ امرتسری طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی 19 نومبر بعد از نماز جمعہ ان کی رہائش گاہ سراج پارک شادباغ لاہور میں ادا کی جائے گی۔

روزنامہ "جنگ" لاہور

جمعرات 18 نومبر 1999ء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے

لاہور (پ ر) پاکستان کے مشہور محقق، دانشور، ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور کے مدیر مسول اور مرکزی مجلس رضا پاکستان کے بانی الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری طویل علالت کے بعد گزشتہ روز انتقال کر گئے۔ آپ امرتسر کے معروف طبیب حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کے صاحبزادے تھے۔

حکیم صاحب نے کئی ہزار کتب جن میں قلمی نسخہ جات بھی شامل ہیں، پنجاب یونیورسٹی لاہور کو اپنے ذخیرہ کتب سے ودیعت کی ہیں۔ جو کہ ہماری آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

روزنامہ "پاکستان" لاہور

جمعرات 18 نومبر 1999ء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے

لاہور (پ ر) پاکستان کے مشہور محقق، دانشور، ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور کے مدیر مسول اور مرکزی مجلس رضا پاکستان کے بانی و صدر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کل دوپہر 12:30 بجے انتقال کر گئے۔ آپ امرتسر کے معروف طبیب حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کے صاحبزادے تھے۔ حکیم صاحب نے کئی ہزار کتب پنجاب یونیورسٹی لاہور کو اپنے ذخیرہ کتب سے ودیعت کی ہیں۔ جو کہ ہماری آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

روزنامہ "دن" لاہور

مورخہ 19 نومبر 1999ء

مُحقّقِ عصر، عالمِ بے بدل

الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے وصال پر

تعزیتی پیغامات — قراردادِ تعزیت

محقق عصر، عالم بے بدل
الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے وصال پر
مکتوبات اور تعزیتی پیغامات

19 اکتوبر بروز جمعہ المبارک بعد از نماز جمعہ جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ختم قل شریف کا انعقاد ہوا جس میں پاکستان بھر سے آئے ہوئے تحریک پاکستان کے سرگرم کارکنان، اکابرین ملت، مشائخ عظام، علمائے کرام، نامور اسکالر، نعت گو شعراء و ادباء کے علاوہ علمی و ادبی اور دینی و ملی حلقوں کے وفود نے شرکت فرما کو اپنے اس عظیم محسن حکیم اہلسنّت محقق دوراں حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے علاوہ اکابرین اہلسنّت کے ان رقت آمیز جذبات و احساسات کے انمول موتی جو انمٹ نقوش کی صورت میں انہوں نے اوراق تاریخ پر بکھیرے ان میں سے چند تعزیتی پیغامات اور مکتوبات ہدیہ قارئین کرام ہیں جنہیں پڑھ کر اس عہد ساز شخصیت کے کی سیرت و کردار کے گوشوں کے کئی پہلو آپ کے سامنے نمایاں ہوں گے۔

(ادارہ)

خانوادہ سادات کے چشم و چراغ
الحاج حضرت پیر سید محمد حسن شاہ گیلانی قادری نوری زیدہ مجدہ
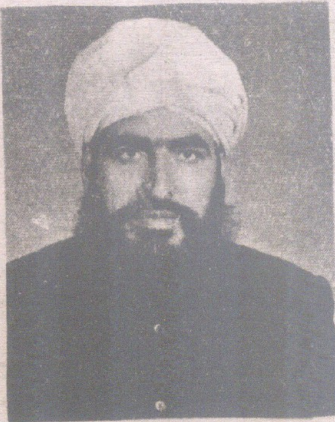
سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ نوریہ چک سادہ شریف (گجرات) کا مدینہ منورہ سے مکتوب گرامی

میں بذریعہ مکتوب آپ احباب کو یہ بات لکھنا انتہائی ضروری سمجھتا ہوں کہ مدینہ منورہ میں حاضری دینے کے بعد

یہاں کے علماء کرام اور مشائخ عظام کی معیت میں جناب حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی رحلت پر برائے ایصال ثواب مسجد نبوی میں باقاعدہ قرآن خوانی کی گئی ہے اور مرحوم کی دینی و ملی خدمات کو خراج عقیدت بھی پیش کیا گیا ہے۔

حکیم صاحب کے لئے خصوصی تعزیت کا سلسلہ مزید جاری ہے۔ دعا ہے کہ رب لم یزل حضرت حکیم صاحب کو اپنے محبوب پاک ﷺ کے صدقے جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے (آمین ثم آمین) بجاہ سید المرسلین۔

ڈاکٹر سفیر اختر

ایڈیٹر "نقطہ نظر" اسلام آباد

حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جو پیدا ہوا ہے اسے اس مرحلے سے گزرنا ہے تاہم اچھے ہیں وہ لوگ جو کوئی ایسا کام کر کے اس مرحلے کے گزرتے ہیں جو آنے والوں کے لئے فیض رسانی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حکیم صاحب نے زندگی کے بڑے حصے میں کتابوں سے تعلق رکھا، کتابیں جمع کیں۔ اہل ضرورت کو مہیا کیں اور آخر اپنا ذخیرہ جیتے جی پنجاب یونیورسٹی کو دے گئے۔ ان کی کتاب دوستی اور کتاب شناسی ہمیشہ زندہ رہے گی۔

حکیم صاحب کی یاد میں ایک ریفرنس ایسا ہونا چاہیے اور یہ کام ان کے احباب لاہور ہی سے کر سکتے ہیں اگر ایسا کوئی اہتمام ہوا تو حکیم صاحب کے جملہ فیض یافتگان سے اس موقع پر ملاقات ہو گی۔

حکیم صاحب کے لواحقین اور احباب کے ساتھ میری جانب سے تعزیت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے آمین۔

ڈاکٹر ساجدہ اے علوی

پروفیسر تاریخ پاک و ہند

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز

میک گل یونیورسٹی - مانٹریال (کینیڈا)

❁ غالباً 1988ء کی گرمیاں تھیں جب میں اٹھارہویں صدی کے علماء و صوفیاء پر تحقیق کے سلسلے میں مانٹریال (کینیڈا) سے لاہور آئی ہوئی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (اورینٹل سیکشن) میں زیادہ وقت گزرتا جہاں جناب سید جمیل احمد شاہ (رضوی) صاحب نے مجھے حکیم صاحب سے غائبانہ متعارف کرایا اور بتایا کہ نقشبندی مجددی سلسلے کے تحقیقی مواد اور دیگر معلومات کے حصول کے لئے میرا حکیم صاحب سے ملنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ ایک صبح میں 55 ریلوے روڈ پر حکیم صاحب کے مطب گئی جہاں میری ملاقات ایک عالم ایک صوفی ایک درویش منش انسان دوست اور انتہائی مشفق ہستی کے ساتھ ہوئی۔ یہ ملاقات ایک گہرے علمی و قلبی تعلق کا باعث بنی جو گیارہ برس تک برقرار رہا۔

جب بھی لاہور آتی ان کے مطب جانا' ان کے ساتھ اپنے تحقیقی مسائل پر تبادلہ خیالات نئی مطبوعات اور پاکستان کے حالات پر بات چیت کرنا میرے معمول کا حصہ ہوتا۔ کینیڈا سے بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب بھی کسی تحقیقی مواد کی ضرورت ہوتی تو حکیم صاحب خندہ پیشانی اور مستعدی سے مجھے مانٹریال یا ٹورانٹو بھجوا دیتے۔ امسال (1999ء) 7 دسمبر کی صبح میں مانٹریال سے لاہور پہنچی اور آتے ہی حسب معمول میں نے اپنے عزیزوں سے حکیم صاحب کے مطب جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو مجھے حکیم صاحب کی رحلت کی افسوس ناک خبر ملی' بہت صدمہ ہوا' ان سے نہ مل سکنے کی وجہ سے میرا یہ سفر ادھورا لگتا ہے۔ ایک تشنگی سی ہے' بے شک علم و

دانش کی ایک شمع بجھ گئی ہے۔ ان صوفیانہ مشرب عالم کی رحلت سے لاہور میں دینی و علمی حلقوں کی رونق ماند پڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس خیال سے تقویت پہنچی ہے کہ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں ان سے ملی اور ان سے مستفیض ہوئی اور ان کے ساتھ ملاقاتوں کی خوبصورت یادیں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد رمضان مرزا

آج سے تقریباً" تیس سال پہلے کا ذکر ہے۔ راقم گورنمنٹ کالج لاہور میں زوالوجی پڑھاتا تھا۔ سالانہ امتحان کے موقع پر ایم ایس سی زوالوجی کے طلباء مختلف حیوانات خاص طور پر مچھلیاں فارملین میں محفوظ شیشے کے مرتبانوں میں شعبہ زوالوجی کے میوزیم کے لئے جمع کراتے تھے۔ میں ان دونوں میوزیم کی گیلری میں بیٹھتا تھا۔ چنانچہ یہ حیوانات میری تحویل میں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ شوکیس کے شیشے کا شیلف ٹوٹ گیا اور حیوانات کے مرتبان نیچے گر گئے اور اکثر ٹوٹ گئے جس کی وجہ سے فارملین گیلری بہہ گئی۔ میں نے کوشش کی کہ شیشے کے مرتبان نیچے نہ گریں تاکہ میوزیم کے نچلے حصے میں جو بڑے بڑے شوکیس ہیں انہیں نقصان نہ پہنچے۔ اس کوشش میں فارملین کے بخارات میرے پھیپھڑوں میں کافی تعداد میں سانس کے ذریعے داخل ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے زور زور سے چھینکیں آتی تھیں اور ناک بہتی رہتی تھی۔ کالج کے ڈاکٹر صاحب نے ٹیکے وغیرہ لگائے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ میں ان دونوں محمدی پارک راجگڑھ لاہور میں قیام رکھتا تھا۔ میرے دوست جناب مولوی محمد لطیف ثار صاحب نے یہ کیفیت دیکھی تو مجھے جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی خدمت میں لے آئے۔ حکیم صاحب نے جوشاندہ کے تین پڑے مجھے دیئے اور ساتھ کچھ معجون بھی دی۔ یہ تین دن کی دوا تھی۔ تین دن میں حکیم صاحب کی ہدایات کے مطابق دعا استعمال کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے شفا عطا فرمائی۔ جناب حکیم صاحب سے یہ میرا تعارف تھا جو نیاز مندی میں بدل گیا۔

جناب حکیم صاحب کی محفل میں مختلف طبائع کے حضرات سے تعارف ہوا۔ ان میں خاص طور پر جناب پیر طریقت جناب شرافت نوشاہی صاحب اور جناب میاں حکیم صاحب سے خلوص اور عقیدت کا تعلق قائم ہو گیا۔ جناب شرافت صاحب جب بھی لاہور تشریف لاتے تو ایک دو راتیں جناب محمد لطیف ثار صاحب کے ہاں ضرور گزارتے اور وہاں عشاء کے بعد دیر تک محفل جمتی۔ یہ محفل علمی، ادبی اور روحانی ہر طرح کی ہوتی تھی وہاں دوستوں سے ملاقات ہوتی۔ جناب شرافت نوشاہی صاحب ان دنوں اپنی بے مثال تاریخ "شریف التواریخ" مکمل کر رہے تھے۔ جس میں جناب حکیم موسیٰ صاحب، محمد لطیف ثار صاحب اور محمد دین کلیم صاحب علمی اور مادی تعاون فرما رہے تھے۔ ان حضرات کی سعی و تعاون سے "شریف التواریخ" کئی جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

جناب حکیم موسیٰ صاحب کی محفل میں جب بھی حاضر ہوئے کسی نہ کسی ہستی سے ملاقات ہوتی میں ہمیشہ دوائی حکیم صاحب سے لیتا تھا اور دعا کے لئے درخواست کرتا تھا۔ حکیم صاحب کی دوا اور دعا میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی تھی۔ میں ان کی کرامت سمجھتا ہوں کہ چند دنوں میں ایسے ایسے مرض ٹھیک ہو جاتے تھے جن کو معالج حضرات ناقابل شفا سمجھتے تھے۔ میرا تعلق ایک عقیدت مند کا تھا اور یہ تعلق باقاعدہ قائم رہا۔

1980ء میں میں راجگڑھ سے علامہ اقبال ٹاؤن منتقل ہو گیا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میری حاضری میں تعطل

پیدا ہو گیا۔ اس کے باوجود جب بھی حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے کمال شفقت کا برتاؤ کیا۔ ان کی وفات سے ہم ایک شفیق و مربی ہستی سے محروم ہو گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جناب حکیم صاحب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے مرتبے بلند فرمائے، آمین ثم آمین۔

عمران نقوی

روزنامہ نوائے وقت لاہور

* محقق عصر نامور دانشور حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی وفات عالم اسلام کے لئے ایک عظیم المیہ اور سانحہ ہے۔

موت العالم موت العالم

حکیم صاحب کی طبی، علمی و ادبی اور دینی خدمات نصف صدی پر محیط ہیں۔ ان کے محققانہ انداز فکر سے برصغیر کے اکثر و بیشتر دانشوروں نے استفادہ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو گیارہ ہزار کتب کا نایاب ذخیرہ عطیہ میں دینا ان کا ایک تاریخی و ملی کارنامہ ہے جس سے آنے والی نسلیں مستفید و مستفیض ہو سکیں گی۔

رب لم یزل سے دعا ہے کہ وہ حکیم صاحب کو اپنے قرب رحمت میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند و بالا فرمائے۔ آمین

الحاج حکیم محمد حامد نور

نبیرہ فخر الاطباء

مدیر مسول "مہر و ماہ" حضرت علامہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پرملال پر انتہائی افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم اہلسنت نے بڑی حکمت سے اہلسنت کی تربیت کی وہ بلند پایہ محقق و ناقد تھے بہت بڑے عالم تھے حضرت علامہ محمد عالم آسی کے افکار کے امین تھے امام اہلسنت علامہ امام احمد رضا خان بریلوی کی تعلیمات کو عام کرنا ان ہی کا کام تھا کسی اور کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

گزشتہ 40 برس سے "مہر و ماہ" سے وابستگی ان کی علمی بلند پایہ حیثیت عیاں ہے۔ آپ سے طویل رفاقت ہی اس پر بین ثبوت ہے وہ ایک حاذق طبیب ہی نہیں بلکہ علوم کی تمام اصناف میں حاذق تھے۔

ادارہ "مہر و ماہ" کے تمام رفقائے کار کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس ولی کامل کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے اور ان کے مشن کو جاری ساری رکھ سکیں۔

(سید محمد فاروق شاہ القادری - خانپور)

گرامی قدر جناب میاں سلیم حماد صاحب زید شرفکم!

سلام مسنون ____ مزاج گرامی

آپ یقین جانئے، گزشتہ ایک ماہ سے میری طبیعت بے حد اداس، بے چین اور بے کلی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ لاہور کی کشش بھی برابر ہو رہی تھی۔ میں آپ سے "حلفاً" کہہ سکتا ہوں ایک دو دنوں میں آپ کو اور حکیم صاحب کو خط لکھنے والا تھا کہ یہ خبر بجلی بن کر حواس پر گری۔ حکیم صاحب ایسے لوگ اب کہاں ملیں گے اور یہ بانجھ دور کیسے پیدا کر گیا۔

اندر بھی زمیں کے روشنی ہو
مٹی میں چراغ رکھ دیا ہے

زمانے کو کسی کے مرنے جینے سے کیا غرض مگر ہمارے دلوں کی بستیاں اجڑ گئیں۔ تیس بتیس سال سے رام گلی اور ریلوے روڈ سے محبتوں اور چاہتوں کے جو رشتے قائم تھے وہ ختم ہو گئے۔ ریلوے روڈ ہی نہیں ان کی موت پر علم و فضل، درویشی و سادگی، مجلس رضا کے فورم سے چھپنے والی لاکھوں کتابیں، اور ہم ایسے ہزاروں ان کے محب اداس و سوگوار ہیں۔

و ماکان قیس هلکه هلک واحد
و لکنه بنیان قوم تهدما

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، آپ ان محفلوں، مجلسوں کی یادگار ہیں جن کی بساط لپیٹی جا چکی ہے اور اس کے چراغ بجھا دیئے گئے ہیں۔

میرے لئے ذاتی طور پر قبلہ والد صاحب مولانا ابراہیم علی چشتی اور پیر عبدالرحیم شہید چونڈی شریف کے بعد یہ سب سے بڑا صدمہ ہے کئی دنوں سے اپنے آپ کو جھوٹی طفل تسلیوں کے باوجود آنسو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

کون کس سے تعزیت کرے اصل تعزیت کے مستحق آپ، ہم اور ان کے تمام نیاز مند ہیں۔ میرا قلم چل نہیں رہا کہ دماغ پر کافی اثر ہے۔

فدا صاحب اور فاروقی صاحب کے ساتھ میری طرف سے تعزیت کریں اور بیدل کے یہ اشعار ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔

مگو گزشته رفیقاں زدل فراموشند
کدام ناله که در پرده اش نمی جوشند
چراغ انجمن حیرت نظر بودند
کنوں به پرده دل دانهائے خاموشند
نرفته اندازیں بزم تا سخن باقی ست
ز دیده حریفاں هنوز در گوشند

پیر زادہ سید محمد عثمان شاہ نوری
چیئرمین نوری فاؤنڈیشن (پاکستان)

معروف دانشور حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال صرف اہلسنت ہی نہیں عالم اسلام کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ آپ نے اپنا کتب خانہ جو کہ ہزاروں کتب پر مشتمل ہے۔ عوام کے افادہ کے لئے پنجاب پبلک لائبریری کے سپرد کر دیا جو کہ قوم کا بڑا عظیم اثاثہ ہے۔ ایسے سپوت روز روز جنم نہیں لیتے۔ ”یوم رضا“ کا مسلسل انعقاد اور مرکزی مجلس رضا آپ کی عظیم یادگار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم آپ کے اثاثہ کی حفاظت کریں۔

سید عارف محمود
مہجور رضوی (گجرات)
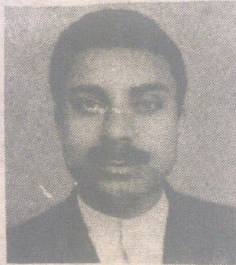
دنیائے اسلام کی عظیم المرتبت علمی و دینی اور روحانی شخصیت محقق عصر حضرت الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے ہمارے سروں سے ایک ایسا

سائبان اتر گیا ہے کہ جس کا سایہ ہم ملک کے کسی بھی کونہ میں موجود اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔ حکیم صاحب قبلہ کا انتقال پر ملال ایک ایسا ملی و مسلکی سانحہ ہے جس کے اثرات کا ازالہ ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں۔ ہم اس موقع پر خود کو بے دست و پا، بے آسرا محسوس کر رہے ہیں۔

ابو العاصم

محمد سلیم حماد

صاحب فقر و غنا حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں اور نہ ہی کوئی فرد واحد آپ کی صفات کو احاطہ تحریر میں لا سکتا ہے۔ بندہ آپ کے فیضان سے مستفیض ہے اور دنیا میں بے شمار محققین علماء و مشائخ بھی آپ کی دینی، علمی، طبی اور تحقیقی کاوشوں کے معترف ہیں۔

حکیم صاحب مرحوم فیض یافتگان حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں سے ایک منفرد اور ممتاز شخصیت تھے اور حضرت سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے معنوی سجادہ نشین تھے۔ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا علم و فضل اور روحانی فیض حکیم صاحب مرحوم کے وسیلے سے جاری و ساری تھا۔

کھنڈر جسموں، اندھے ذہنوں کو اصلاح و فلاح اور جلا بخشنا آپ کا معمول تھا اور اہل علم خصوصاً محققین کو درست راستے پر ڈالنا ان کی تحقیقی پیاس بجھانا اور ان پر آپ کی نوازشات بے پایاں تھیں۔

آپ ہم سے جدا ہو گئے اور ہمیں یتیم کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کا مشن جاری و ساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سید جمیل احمد رضوی (چیف لائبریرین)

گرامی قدر! ابو الطاہر فدا حسین فدا صاحب

السلام علیکم!

قبلہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا انتقال 17 نومبر 1999ء کو ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کی اچانک وفات سے علمی، ادبی اور تحقیقی دنیا میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کا پر ہونا بہت مشکل ہے۔ ان کی شخصیت ایک ایسے شجر سایہ دار کی مانند تھی جس کے سائے میں عالم، ادیب، شاعر، پروفیسر اور طالب علم پناہ ڈھونڈتے تھے۔ وہ علم و ادب کے ہر متلاشی کو بلا امتیاز اپنے علمی سرمائے سے نوازتے تھے۔ ان کے ہاں نہ صرف جسمانی عوارض کا علاج کیا جاتا تھا بلکہ علمی پیاس بجھانے والے بھی کثیر تعداد میں ان کے مطب میں حاضر ہوتے تھے۔ زمانے کے مصائب و آلام سے ستائے اور گھبرائے ہوئے لوگ جب ان کی صحبت میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھتے تھے تو ان کو طمانیت اور سکون قلب کی نعمت حاصل ہوتی تھی۔ ان کی شخصیت ایسے مرکز و محور کی حیثیت رکھتی تھی جس کے گرد لوگ نیاز مندی اور ارادت کے ساتھ پروانہ وار چکر لگاتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مزاج کے اعتبار سے "مستور الحال" درویش تھے جن کو نمود و نمائش سے کوئی تعلق نہ تھا۔

کتاب کے ساتھ محبت ان کا طرہ امتیاز تھے۔ اس کی مفت تقسیم ان کا شعار تھا۔ کتاب اپنے سینے میں علم کے نور کو محفوظ رکھتی ہے۔ حکیم صاحب کتاب کی خوشبو کو عام کرتے

رہے۔ اس طرح وہ علم کی روشنی پھیلاتے رہے تاکہ جہالت کا اندھیرا دور ہو جائے۔ انہوں نے گیارہ ہزار کتب پر مشتمل اپنا ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو بطور عطیہ عنایت کر دیا۔ اس طرح انہوں نے ایک ایسی روشن مثال قائم کی جو دوسروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ چنانچہ ان کے عطیہ کتب کے بعد کئی اور شخصی ذخائر بھی لائبریری میں وصول ہوئے۔ اس طرح حکیم صاحب نے اپنی زندگی بھر کا قیمتی اثاثہ قوم کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ اب یہ ذخیرہ کتب لائبریری میں کثرت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ علم و تحقیق کے میدان میں کام کرنے والے اس سے مستفید ہوتے ہیں اور اس طرح علوم شرقیہ و اسلامیہ میں تحقیق کا عمل آگے بڑھ رہا ہے۔

اگرچہ حکیم صاحب مرحوم کا پیشہ طبابت تھا لیکن اس کو آپ نے انسانی خدمت کا وسیلہ بنایا ہوا تھا۔ ان کے احباب اور نیاز مند جانتے ہیں کہ انہوں نے طبابت کو کبھی مالی منفعت کا ذریعہ نہ بنایا۔ مرحوم انسانی تکریم اور احترام آدمی کے تصور کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ مختلف مسالک اور مکاتب فکر رکھنے والے لوگ آپ کے پاس آتے تھے ان کی مجلس سے مستفید ہوتے تھے اور ان کی فراخدلی اور انسان شناسی کے قائل ہو جاتے تھے۔ بیرون ملک سے آنے والے غیر ملکی بھی آپ کے مطب میں حاضری دیتے تھے اور دامن مراد بھر کر لوٹتے تھے۔ حکیم صاحب (اعلیٰ اللہ مقامہ) کی شخصیت ملت کا مشترکہ قیمتی سرمایہ تھی۔ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ حکیم صاحب کی وفات سے قومی اور ملی نقصان ہوا ہے۔ موت العالِم موت العالَم۔ حکیم صاحب کی شخصیت ملت میں ایک "دیدہ ور" کی حیثیت رکھتی تھی۔ بقول علامہ اقبال ایسا "دیدہ ور" چمن میں بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔

عصرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

دعا ہے کہ خداوند عالم جنت الفردوس میں حکیم صاحب مرحوم کے درجات کو بلند کرے اور ان کے پسماندگان، نیاز مندوں اور احباب کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

مشفق خواجہ - کراچی

* حکیم محمد موسیٰ کے انتقال کی خبر سنی، بے حد افسوس ہوا۔ ایسے صاحب فضل و کمال کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا بہت بڑا سانحہ ہے۔ میری بدقسمتی کہ ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی وہ ان چنیدہ افراد میں سے تھے کہ جس سے بھی ذکر ہوا تعریف ہی سنی وہ صحیح معنوں میں مقبول خلائق تھے۔ حق مغفرت کرے کہ ان کی جگہ لینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

عارف نوشاہی

محترم فدا صاحب! سلام مسنون۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی اچانک رحلت کی خبر گہرے دلی افسوس کے ساتھ سنی گئی۔ ان کا فقدان جہاں ہم سب کے لئے ایک انفرادی صدمہ ہے وہاں اجتماعی طور پر بھی ایک ضایعہ علمی ہے۔ یہ تعزیتی پیغام اسی احساس کے تحت ارسال کر رہا ہوں۔

مرحوم کے انسانی خصائل اور علمی فضائل ایک دوسرے پر غالب تھے۔ انہوں نے جو عمدہ انسانی اور علمی مثالیں چھوڑی ہیں وہ ہماری تہذیبی زندگی اور روایت کا بہترین حصہ ہیں۔ ہمارے عہد کے کتنے ہی نوجوان مصنفین اور محققین جو ایک دفعہ حکیم صاحب سے مل چکے ہیں ان کی علمی نشوونما اور تربیت و ترقی میں یقیناً حکیم صاہب کی رہنمائی، دستگیری اور حوصلہ افزائی کار فرما رہی ہے۔

خداوند تعالیٰ ان کے درجات بلند سے بلند فرمائے اور ان کی روح لطیف کو خدا کی طرف سے انعام یافتہ بندوں کی ارواح کے ساتھ آسودہ رکھے۔ آمین

حکیم محمد افتخار حسین اظہر چشتی

* حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ایک بہت بڑا علمی سانحہ ہے۔ حضرت کا وجود مسعود اہل علم و دانش کے لئے مینارِ نور تھا۔ وہ اپنے بعد جو خلا چھوڑ گئے ہیں۔ وہ شاید کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔

میں گزشتہ ماہ 3 نومبر 1999ء کو حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کے مطب پر حاضر ہوا تھا۔ یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ کافی دیر تک ان کی خدمت میں رہا۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی پھر میں واپس آ گیا۔ مورخہ 18 نومبر 1999ء کو ان کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔ یہ ان کا میرے نام آخری خط تھا جس میں انہوں نے اپنے برادر زادے حکیم محمد حامد نور صاحب جو بورے والا رہتے ہیں' کے بارے میں لکھا کہ آپ ان سے رابطہ رکھیں اور میرے لئے اور ان کے لئے دعا کیا کریں۔

اب بس ان کی یادیں باقی رہ گئی ہیں۔ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے انتہائی دلی صدمہ ہوا۔ میں جب بھی لاہور جاتا ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا۔ یہ سب باتیں اب خواب سی بن کر رہ گئی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت حکیم صاحب پر بیشمار رحمتیں نازل فرمائے' ان کی قبر کو اپنے نور رحمت سے منور فرمائے۔ آمین ثم آمین

محمد طارق جمیل (صدر)

علامہ اقبال ویلفیئر سوسائٹی

* آج کے اس نفسا نفسی کے دور میں جب ہر شخص کاروبار زندگی میں ہمہ تن مصروف ہے' مال و دولت کے حصول کے لئے لوگ دن رات تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی کچھ ایسے انسان اب بھی موجود ہیں جو اپنے اپنے شعبہ میں بے لوث اور بغیر کسی لالچ کے صرف اور صرف انسانیت کی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھ کر میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔ اس قسم کے انسانوں میں ایک نام حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا بھی ہے جنہوں نے کسی ایک شعبے میں نہیں بلکہ مختلف شعبوں میں اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا۔ عاشق رسول' ادیب' مبصر' دانشور' علم و حکمت کا روشن ستارہ' حسن و اخلاق کا پیکر' عجز و انکساری کا مظہر' درد مند اور شفیق مسیحا ـــــ یہ سب خوبیاں ایک انسان میں بدرجہ اتم موجود ہوں تو صرف ایک نام حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہی سامنے آتا ہے۔

عصر حاضر کی یہ عظیم شخصیت اب اس دنیا میں موجود نہیں لیکن ان کی یادیں اور کارنامے رہتی دنیا تک موجود رہیں گے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت و مسلک کے پرچار کے لئے مجلس رضا قائم کی اور اس کے تحت بہت سارے دینی اور فلاحی پروگرام عملی طور پر منعقد کئے۔ لیکن حکیم صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے تقریباً گیارہ ہزار کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لئے وقف کر دیں جو ان کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی وفات سے عالم تصوف' عالم اسلام' عالم حکمت' عالم علم و ادب اور عالم صحافت میں جو بہت بڑا خلا پیدا ہوا ہے وہ شاید کبھی پورا نہ ہو سکے۔

موت اس کی زمانہ کرے جس کا افسوس
یوں تو پیدا ہوئے ہیں سبھی مرنے کیلئے

دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

قرار داد تعزیت

پنجاب یونیورسٹی لائبریری سٹاف کا ایک اجلاس 18 نومبر 1999ء کو لائبریری کے سٹاف روم میں منعقد ہوا جس میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے فاتحہ خوانی کی گئی اور درج ذیل قرار داد تعزیت منظور کی۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے سٹاف کا یہ اجلاس حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی وفات پر گہرے دکھ کا اظہار کرتا ہے۔ ان کی علمی' ادبی اور تحقیقی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ لائبریری کے لئے مرحوم کے گیارہ ہزار کتب پر مشتمل ذخیرہ کتب کے عطیہ کو تحسین و توصیف کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کو ایک قابل تقلید روشن مثال قرار دیتا ہے۔ اجلاس کے شرکاء دعاگو ہیں کہ خداوند عالم بہشت بریں میں مرحوم کے درجات کو بلند کرے اور ان کے پسماندگان' نیاز مندوں اور احباب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

سید جمیل احمد رضوی

(چیف لائبریری)

شرقپور میں ایک تعزیتی اجلاس

مورخہ 28 نومبر 1999ء اتوار کو دارالمبلغین حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ شرقپور شریف میں حضرت شیخ المشائخ الحاج میاں جمیل احمد شرقپوری مجددی نقشبندی سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت شیر ربانی حضرت ثانی لاثانی علیہما الرحمہ کی صدارت میں خصوصی اجلاس برائے ایصال ثواب الحاج حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمتہ منعقد ہوا۔ جس میں متعدد علمائے کرام اور دارالمبلغین حضرت میاں صاحب کے طلباء' مدرسین' حفاظ و قراء کثیر تعداد میں موجود تھے۔ لاہور سے خصوصی طور پر اس محفل ایصال ثواب کے لئے پیر زادہ اقبال احمد فاروقی' جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا صاحب' (مدیر "مہر و ماہ") حضرت مولانا محمد عالم مختار حق' جناب مکرم ابن فدا خضر محمود خضر اور جناب ماسٹر محمد انور قمر شرقپوری مدعو تھے۔ اسٹیج کے فرائض جناب مولانا محمد منشا تابش قصوری نے سرانجام دیئے۔ ہر ایک مقرر نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ کی دینی' ملی' ادبی' تحقیقی تاریخی خدمات کو خراج محبت پیش کیا۔ آخر میں صاحب صدر حضرت شیخ المشائخ الحاج میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ نے بڑے عمدہ پیرائے میں حکیم اہلسنت سے اپنے دیرینہ تعلقات کے حوالے سے بیان ارشاد فرمایا کہ میرا ان سے باضابطہ طور پر 1965ء میں تعلق قائم ہوا جب کہ میں نے ماہنامہ نور اسلام کا شیر ربانی نمبر دکھایا تو مرحوم نے خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا یہ شمارہ قابل قدر ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر بھی ایک ضخیم نمبر نکالیں۔ چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں ان کی قلمی معاونت سے تین سو صفحات پر مشتمل نہایت اعلیٰ معیار پر نور اسلام کا امام اعظم نمبر نکالا جسے اہل علم و قلم نے خوب پسند کیا اور پھر کراچی اور لاہور سے یہی نمبر تذکرہ امام اعظم کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔ اسی طرح اولیائے نقشبندیہ نمبر اور حضرت مجدد الف ثانی نمبر جو علی الترتیب پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل بائیس صد صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی اشاعت میں بھی اہل قلم سے حکیم صاحب مرحوم نے مضامین لکھوا کر نور اسلام کی تعمیر و ترقی میں خوب حصہ لیا۔ بہرحال حکیم صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ مجلس رضا کے بانی اور صدر رہے۔ ان کی دعوت پر یوم رضا کے متعدد اجلاس کی صدارت کا مجھے موقع ملا۔ آج اپنے دیرینہ رفیق کار کی یاد میں جلسہ منعقد کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان کو کروٹ کروٹ جنت رحمت فرمائے۔ ان کے جملہ متعلقین و وابستگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا

فرمائے۔

اجلاس کے آخر میں دعائے مغفرت کی گئی اور حاضرین میں تبرک تقسیم کیا گیا۔

ایوان درود و سلام کے زیر اہتمام

محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ کی یاد میں

ایک شام

12 رمضان المبارک 1420ھ مطابق 21 دسمبر 1999ء بروز منگل جامع مسجد عکس گنبد خضرا اپر مال لاہور میں ایک تاریخی شام کا انعقاد ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کی سعادت قاری محمود احمد قادری (دعوت اسلامی) نے حاصل کی۔

سید محمد رضا زیدی نے حکیم صاحب کی پسندیدہ نعت پیش کی۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض پاکستان کے نامور نعت گو شاعر راجا رشید محمود نے سرانجام دیئے۔

اس پر وقار تقریب میں ڈاکٹر انجم رحمانی (ڈائریکٹر عجائب گھر) سید سبط الحسن ضیغم، محمد اکرام چغتائی (ڈائریکٹر اردو سائنس بورڈ لاہور) سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی اور ڈاکٹر پروفیسر محمد قمر علی زیدی نے حکیم صاحب کی عہد ساز شخصیت پر پر مغز مقالات پیش کئے اور حکیم صاحب کی علمی و ادبی دینی و ملی کاوشوں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

بزرگ شاعر، ادیب اور صحافی ابوالطاہر فدا حسین فدا نے تاریخی قطعہ کی صورت میں حکیم صاحب کو منظوم خراج تحسین پیش کیا۔

تقریب کے اختتام پر حکیم صاحب کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور افطار و طعام کا بھی اہتمام کیا گیا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

انجمن غلامان اولیاء اللہ کے زیر اہتمام

تعزیتی اجلاس

کوٹ ادو (نامہ نگار) انجمن غلامان اولیاء اللہ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ کے زیر اہتمام بمقام جامع مسجد قاضی والی وارڈ نمبر 3 میں حضرت حکیم محمد موسیٰ چشتی نظامی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پرملال کے سلسلہ میں ایک تعزیتی اجلاس ہوا جس میں حضرت علامہ عبدالمجید منتظر (ایم اے، ایل ایل بی) خطیب جامع مسجد حنیفہ نظامیہ عزیزیہ، حضرت علامہ حافظ غلام مرتضیٰ خطیب جامع مسجد قاضی والی، جناب فرید عباس صاحب خلیفہ مجاز حضرت خواجہ محمد کامل صاحب چشتی نظامی، عابد محمود صاحب سابق چیف انسٹرکٹر کوٹ ادو کمرشل کالج کے علاوہ دیگر اراکین نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں حضرت حکیم موسیٰ کے وصال پر گہرے دکھ کا اظہار کیا گیا اور ان کی روح پرفتوح کے لئے فاتحہ خوانی کی گئی۔

روزنامہ "چٹان" لاہور

جمعۃ المبارک 10 دسمبر 1999ء

تعزیتی قرار داد

میاں اخلاق احمد اکیڈمی

مورخہ 21 نومبر بروز اتوار بوقت بعد از نماز مغرب بمقام رہائش گاہ حافظ محمد یونس صاحب ایک تعزیتی اجلاس ہوا جس میں میاں اخلاق احمد اکیڈمی شادباغ لاہور کے تمام ارکان نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں اکیڈمی ہذا کے سرپرست اعلیٰ حضرت حکیم محمد موسیٰ چشتی نظامی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ملال پر گہرے رنج و الم کا اظہار کیا گیا جس میں حضرت حکیم موصوف مرحوم و مغفور کی دینی علمی اور طبی خدمات کو سراہا گیا اور ان کے ایصال ثواب کے لئے ختم خواجگان قصیدہ بردہ شریف پڑھا گیا اور فاتحہ خوانی کی گئی۔

مشاہیر کی آراء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی ہمہ جہت شخصیت پر مشاہیر کا خراج تحسین

سید شریف احمد شرافت نوشاہی
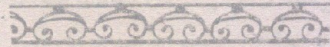
حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے 1388ھ/1968ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور قائم کی۔ اب اس ادارے کا صدر بھی ہوں۔ پیر غلام دستگیر نامی مرحوم و مغفور کے قائم کردہ "دائرۃ الاصلاح" کے اشاعتی کام میں نامی صاحب کا معاون رہا۔ افسوس کہ پیر نامی صاحب کی وفات کے بعد یہ اصلاحی ادارہ جاری نہ رہ سکا۔

(مسودہ حکیم محمد موسیٰ)

حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری میرے (شرافت کے) خاص کرم فرما۔ اور خواص احباب میں سے ہیں اور ہر لحاظ سے میرے خیر خواہ ہیں۔ میں جب لاہور جاتا ہوں تو روزانہ ان کے مطب پر حاضر ہوا کرتا ہوں۔ ان کا مطب عالموں، فاضلوں، مورخوں، مصنفوں، محققوں، ادیبوں، شاعروں، فلاسفروں اور پروفیسروں وغیرہ کا مرکز ہے۔ پاکستان کے تمام بڑے شہروں، کراچی، حیدر آباد، مٹھی، بہاولپور، ملتان، فیصل آباد، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، پشاور وغیرہ کے اکابر اہل قلم حضرات حکیم صاحب کے پاس آتے رہتے ہیں اور ان سے مستفید ہوا کرتے ہیں بلکہ دوسرے ممالک، ہندوستان، افغانستان اور ایران اور عرب کے عمائد بھی تشریف فرما ہوتے رہتے ہیں۔ حکیم صاحب کی ذات محسن ملت ہے۔ ہر ایک اہل علم کی بے لوث علمی مدد کرتے ہیں۔ خود بذات گرامی پختہ اہل سنت و جماعت ہیں مکتبہ فکر کے ہمنوا ہیں مگر ان کے پاس دیوبندی، اہلحدیث، خارجی، شیعہ اور مرزائی مذاہب کے لوگ بھی آتے رہتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حکیم صاحب طریقتاً" چشتی نظامی ہیں اور وظائف چشتیہ کے پورے پورے عامل ہیں مگر صوفیا کے دوسرے سلاسل قادریہ، نوشاہیہ، فاضلیہ، وارثیہ، صابریہ، سہروردیہ، جلالیہ، نقشبندیہ اور مجددیہ کے سالکین بھی ان کے پاس آتے رہتے ہیں۔ ان کا مطب ہر طرح کے اہل فضل و کمال کا مرجع ہے۔ حکیم صاحب کو بزرگان دین سے بڑی عقیدت ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کی جامع مسجد میں جمعہ ادا کیا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ساہن پال شریف میں حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر بھی حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب فراخ مشرب، وسیع النظر، کریم الاخلاق، سخی جواد ہیں۔ ان کے مطب پر دوپہر کے وقت جتنے اشخاص موجود ہوں سب کو فراخدلی سے کھانا کھلاتے ہیں۔ مجلس رضا کی طرف سے اکثر رسائل و کتابیں چھپواتے ہیں اور اہل علم حضرات میں مفت تقسیم کرتے ہیں اور غیر ممالک میں بھی بھیجتے ہیں ان کا وسیع کتب خانہ ہے جس میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں محفوظ ہیں میں نے کئی بار ملاحظہ کیا ہے۔

مجھ کو سینکڑوں کی تعداد میں علمی کتابیں تحفہ میں دی ہیں میری کتابوں اذکار نوشاہیہ انتخاب گنج شریف کے پیش لفظ لکھے

اور میری کتابوں سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کی اشاعت میں کوشش اور معاونت کرتے ہیں اللہ کریم فراسمہ ان کو دونوں جہان کی برکات و سعادات سے نوازے' آمین۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ نوشاہیہ "شریف التواریخ" سے اقتباس)

مجاہد ملت مولانا

محمد عبد الستار خان نیازی

جناب حکیم حضرت محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری امانت و دیانت اور تقویٰ و طہارت میں ایک مثالی درجہ رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد وحید زمان و مکان میں مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ تھا۔ سیکڑوں قلمکار ان کے دامن سے وابستہ ہو کر میدان تحریر میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی خوشبو بکھیر رہے ہیں کیونکہ یہی اصل زندگی اور حاصل حیات ہے۔

علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم الادیان اور علم الابدان۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر دو مراحل میں درجہ کمال عطا کیا تھا۔ ریلوے روڈ پر ان کا مطب غریب اور مسکین لوگوں کے لئے طبی امداد اور قیمتی مشوروں کا مرکز تھا۔ علم الادیان میں ان کے علمی تصرفات یہ ہیں کہ شریعت اور طریقت کی روحانیت پر ایک کے قلب میں مرتکز کر دیں اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے جذبہ سے اپنے وابستہ لوگوں کو سرشار کیا۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مجدد ماتہ سابقہ و حاضرہ شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور تعلیمات کو برکہ و مہ تک پہنچانے کے لئے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور انہی کی مساعی جمیلہ سے مرکزی مجلس رضا کا تبلیغی سلسلہ شروع ہوا اور آج نہ صرف پاک و ہند بلکہ UK اور دوسرے مغربی ممالک میں جاری و ساری ہے۔ حکیم صاحب مرحوم متواضع اور منکسر المزاج مرد مومن تھے ان کا خلوص اور محبت ہر شخص کو گرویدہ بنا لیتا تھا۔ خاکسار راقم الحروف کے مشفق و مہربان دوست تھے ملک و ملت کے لئے ان کی موت ناقابل تلافی نقصان ہے۔ عشق رسول ؐ نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے اور بقول حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کا فیض ____

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش حق نے جس کو دیئے ہیں انداز خسروانہ

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خصوصی قرب عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں مقام بلند عطا کرے اور ان کے اعزا و اقرباء اور متعلقین و متوسلین کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے' آمین۔

پروفیسر محمد اسلم

صدر شعبہ پنجاب یونیورسٹی

سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کشف المحجوب جسے اہل طریقت نے مرشد کامل تسلیم کیا ہے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ جلیل القدر کتاب فارسی زبان میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ اس کے انگریزی اور بہت سے اردو تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں لیکن زیر نظر کتاب کی

خصوصیت یہ ہے کہ اس پر ایک صاحب دل بزرگ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے 64 صفحات کا فاضلانہ مقدمہ لکھ کر اس کتاب کی قدر و قیمت میں معتد بہ اضافہ کر دیا ہے۔ حکیم صاحب نے جس کاوش سے مقدمہ لکھا ہے اس کا صحیح اندازہ تو اسے پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ فارسی اور اردو میں صاحب کشف المحجوب پر جتنا مواد ملتا ہے وہ سب حکیم صاحب نے کھنگال ڈالا ہے۔ انہوں نے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں کے بیانات کا تاریخ نویسی کے اصولوں کے مطابق تجزیہ کرتے ہوئے بڑے بڑے فضلا کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اس ضمن میں انہوں نے محمد وارث کامل، پروفیسر شیخ عبدالرشید، پروفیسر محمد حبیب، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، عبدالماجد دریا بادی، پروفیسر ژوکوفسکی اور عبدالحئی حبیبی قندھاری کے بعض بیانات پر محققانہ انداز سے تنقید کی ہے۔

یوں تو بازار میں کشف المحجوب کے متعدد تراجم دستیاب ہیں لیکن حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اس عظیم کتاب پر ایک طویل اور سیر حاصل مقدمہ لکھ کر اس کی اہمیت بڑھا دی ہے مجھے یہاں غالب کی طرفداری مقصود نہیں لیکن اتنا ضروری کہوں گا کہ کشف المحجوب کے مطالعہ کے لئے اس مقدمہ کا مطالعہ لابد ہو گیا ہے۔

بشیر حسین ناظم

اسلام آباد

مجھے حکیم اہلسنت کے ساتھ ایک عرصہ تک نیاز مندانہ رفاقت رہی ہے۔ میری چند یادیں مسطور ہیں حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں تحریک فروغ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں انفرادی و اجتماعی کوششیں ہوتی رہی ہیں لیکن اس تحریک کو مستقل بنیادوں پر بام عروج تک پہنچانے کے لئے حکیم اہلسنت، محسن ملت، محقق بے مثال، مدقق فقید المثال، نقاد اعظم، مبصر ذو علم، عالم بے بدل، ادیب عصر، طبیب دوراں، دانشور عالی قدر، جناب محمد حکیم موسیٰ چشتی نظامی امرتسری مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے نامور فرمایا جہاں تک میری بصیرت، میرا ساتھ دیتی ہے میں اس کے جلو میں چل کر یہ بات کہہ کر بہت شاد کام وشادمان ہو کہ اعلیٰ حضرت کی تحریک "فروغ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" اور رد عقاد ملاحدہ و اباطل کا بیڑا حکیم صاحب نے اٹھا لیا تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء جناب حکیم محمد موسیٰ مدظلہ اس عالم ناسوت میں آنے کے تیس سال بعد اس تحریک دلکشا کو انفرادی طور پر آگے بڑھاتے رہے آخر اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے انہیں توفیق دی کہ وہ اس تحریک کو اجتماعی طور پر آفاقی و عالمگیر بنائیں، چنانچہ انہوں نے 1968ء میں چند احباب کے مشورہ سے جہاد بالسیف، جہاد بالنفس اور جہاد بالقلم کے لئے "مرکزی مجلس رضا" کی تاسیس رکھی۔ آپ نے نہایت بے سروسامانی اور نامساعد حالات میں مسلک حقہ اعلیٰ حضرت تجدید و ترویج کے لئے مربوط و مبسوط مساعی کا اہتمام کیا۔ جناب کے گرد درجنوں دیوانگان سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم جمع ہو گئے اور فی سبیل اللہ وفی سبیل المصطفیٰ اپنے اپنے فرائض سنبھال لئے اس وقت سب سے اچھی اور سستی سواری جو ایک غریب آدمی کو میسر تھی دراجہ یعنی سائیکل تھی حکیم صاحب خود بھی شاد باغ سے اپنے مطب تک اسی سواری پر آیا جایا کرتے تھے کتابچے اور پمفلٹ اسی سواری پر دور دراز علاقوں میں تقسیم کئے جاتے محافل و مجالس کے اشتہارات بھی اسی سواری کے مالکان لگایا کرتے تھے، راقم الحروف کے برادر نسبتی جناب محترم محمد سلیم صاحب جو ماشاء

اللہ آج کل مسلم کمرشل بنک گوجرانوالہ کے سینئر مینجر ہیں اور اپنے خاندان میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے، زیرک، فطین اور ذہین فرد ہیں اپنے سائیکل پر لئی اور اشتہار رکھ کر ایک ساتھی کی معیت میں دور دور تک مار کرتے اور دیواروں کو ان اشتہارات سے مزین کرتے جن میں ان مقررین و نعت خوان حضرات کے نام ہوتے جو عشق مصطفیٰ ﷺ کی تابشوں سے سامعین کے دلوں کو منور کرتے اور ان کے سینوں میں جذبہ حب و مودت رسول زندہ کرتے ان حضرات کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب مدظلہ ملت اسلامیہ خاص کر اہلسنت کا سرمایہ ہیں وہ بلاشبہ ایک ادارہ ہیں اور ان کی یمن و برکت سے فروغ عشق مصطفیٰ ﷺ کے لئے ادارے معرض وجود میں آ چکے ہیں۔ آپ مدینہ منورہ میں جائیں وہاں اسی تحریک کی ضیائیں نور فشاں ہیں۔ کویت میں جائیں لوگوں کے دل حکیم صاحب کی جلائی ہوئی شمعوں کی روشنی سے مستنیر نظر آتے ہیں۔ ترکی میں میلاد مصطفیٰ ﷺ کے چرچے ہیں اور پاکستان کا گوشہ گوشہ مرکزی مجلس رضا کے فیوض و برکات سے مستفید ہے۔

حکیم صاحب علم و فضل کی کہکشاں اور عوارف و معارف کی انجمن ہیں گل مودت ہیں، درد محبت ہیں، طیب الفت ہیں، ناز بوئے کرامت ہیں، خوشبوئے ارادت ہیں، شمیم ازہار عنایت ہیں، نسیم بہار فتوت ہیں، چمن دل آرائی اور اقبال کا لالۂ صحرائی۔ محافظین و نگہداران مسلک کے محسن، غیرت و حمیت کے محصن، نئی نسل کے اخلاق و تہذیب کو تمکین بخشنے والے اور عشق و محبت، مودت اور الفت کی تکوین کرنے والے ہیں۔ غرض وہ ہر ارادت کیش کی مدرسی معلمی اور آموزشی میں اس عالم شیخوخت میں بھی مستعد و کمربستہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکیم صاحب قبلہ معاشرے میں نور علم، نور تقویٰ، نور ورع، نور عشق و محبت اور نور مکارم اخلاق پھیلانے کے لئے مضطرب اور ملتہب رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آج ان کی توقیر و تجلیل فقط پاکستان میں ہی نہیں بلکہ جہاں جہاں "تحریک فروغ عشق مصطفےٰ ﷺ" ہے وہاں وہاں حکیم صاحب کی خدمت گزاری کی داستانیں ہیں۔ حکیم صاحب کا خمیر عشق رسول ﷺ کی ضیاؤں سے اٹھا ہے وہ طمانیت کے خزینے، دولت قناعت کی ہمیانی، جبل صبر و شکر، پیکر عمل، رنگ تصنع سے پاک اور عاشق سید لولاک ہیں۔

اس مست قلندر کی خدمت میں مشرق و مغرب کے علماء، دانشور اور نقاد محقق حضرات کسب فیض اور استعلام مراجع کے لئے آتے ہیں ستر سال کی عمر میں حافظہ ماشاء اللہ اس قدر عمدہ ہے کہ حوالوں کی سطور تو کیا حرفوں اور لفظوں تک صحیح بتاتے ہیں۔

جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب مدظلہ نے تجدید مسلک اعلیٰ حضرت کے لئے اور اسے خواص و عوام میں مقبول بنانے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا رکھی ہے انہیں اپنی علالت و نجوری میں بھی اس نیک کام کی دھن رہتی ہے علاوہ ازیں انہوں نے جو مہتمم بالشان علمی کارنامے سرانجام دیئے ہیں وہ بلاشبہ طالبان تحقیق کے لئے منارہ نور ہیں۔ آپ نے جو تبصرے، تقاریظ، پیش لفظ اور آراء لکھی ہیں وہ تکنیکی لحاظ سے آپ کے تبحر علمی کا بین ثبوت ہیں۔ میرے علم کے مطابق حکیم صاحب کے لکھے ہوئے تبصروں کی تعداد نوے سے زیادہ ہے جو ملک کے وقیع ماہنامے "فیض الاسلام" میں 1940ء سے لے کر آج تک چھپ چکے ہیں۔ پیش لفظ، تقاریظ و آراء کی تعداد 1962ء سے لے کر الیٰ یومنا ہذا اسی سے زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں اعلیٰ قسم کے مقالات و مضامین کی تعداد بہتر کے قریب ہے۔ تصانیف میں اذکار جمیل، ذکر مغفور، تذکرہ مشاہیر امرتسر، مولانا غلام محمد ترنم اور سوانح مولانا نور احمد

پسروری امرتسری شامل ہیں۔ اگر حکیم صاحب قبلہ کے خطوط و ملفوظات کو مذکورہ بالا تصانیف میں شامل کر لیا جائے تو ان صفحات کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق ہزار صفحات سے تجاوز کر جاتی ہے۔ ان کی یہ کاوشیں ہمیں انہیں سلطان کشور ملک و قلم کہنے کی تحریک دیتی ہیں۔

شیخ الادب ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب

حکیم محمد موسیٰ صاحب کے والد بزرگوار حکیم فقیر محمد چشتی مرحوم و مغفور ہمارے محلے ہی مطب کیا کرتے تھے ان کا اچھا خاصا مطب تھا مریضوں کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا تھا اور حکیم صاحب خندہ پیشانی سے ہر مریض کی طرف توجہ دیتے تھے یہ ان دنوں کی بات ہے جب حکیم محمد موسیٰ صاحب کم سن تھے بڑے ہوئے تو میرے استاد مکرم مولانا محمد عالم آسی النظامی مرحوم و مغفور سے حکیم صاحب اور ان کے بھائیوں نے علم پڑھا اس سے حکیم صاحب سے میرا تعلق اور بڑھ گیا حکیم صاحب نے اپنے والد ہی کی زندگی میں مطب میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے بھائی طبیب تھے۔ پاکستان بننے پر لاہور آگئے حکیم صاحب کو صغر سنی ہی سے علم و ہنر اور انشاپردازی کا شوق تھا لاہور آجانے کے بعد یہ شوق بڑھ گیا چنانچہ انہوں نے اپنی تحریرات سے قوم و ملت کی خدمت کی۔

حکیم صاحب کی پرورش خالص سنی ماحول میں ہوئی اور انہیں اساتذہ بھی ایسے ملے جو ان کے سنی خیالات کو اور مضبوط کر دے اس طرح انہیں اپنی جماعت کے ساتھ گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا۔ حکیم صاحب کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ دیگر فرق باطلہ کے اندر تنظیم ہے ان کا باہمی ربط ہے اگر نہیں ہے تو اہلسنت میں۔ اس فکر اور جذبے کے ماتحت انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ عزم کر لیا کہ اہل سنت کے عقائد اور تعلیمات کی ترویج و تشہیر کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جائے جس سے اگر پوری جماعت میں پوری طرح روح نہ پھونکی جا سکے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ یہ جماعت زندہ کہلانے کے قابل ہو سکے اس سے ان کی قوت ایمانی اور جماعتی جذبہ کا پتا چلتا ہے چنانچہ انہوں نے اس غرض سے "مجلس رضا" قائم کی آپ سب جانتے ہیں جماعتوں کا قائم کرنا آسان ہوتا ہے مگر اسے مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر کھڑا کرنا مشکل کام ہوتا ہے حکیم صاحب کے دل میں خلوص تھا ساتھ دینے والے کی کمی تھی مگر انہوں نے ان سب باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے عزم اور مشن کو جاری رکھا۔ انہون نے نا صرف قلم سے اہل سنت کی تعلیمات کی اشاعت کی بلکہ اپنے مقدور کے مطابق مالی طور پر بھی اس کی اعانت کی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ادارہ اب مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔

سید ریاست علی قادری

1968ء سے "مرکزی مجلس رضا" لاہور نے امام احمد رضا کے تعارف ہی کی مہم چلائی اور چودہ برس کے اندر اندر یہ خالص علمی تحریک پاکستانی سرحدوں سے نکل کر بھارت اور بنگلہ دیش جا پہنچی اور دوسرے بلاد اسلامیہ اور بلاد مغرب میں پھیلتی گئی اس مہم کے روح رواں محسن اہل علم حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہیں جن کے اخلاص اور پیہم جدوجہد نے امام احمد رضا کی شخصیت سے دبیز پردے ہٹائے اور سارے عالم کو ان کی حسین صورت دکھائی۔

مرکزی مجلس رضا کی عملی تحریک اور فعال قیادت نے اہل علم کو امام احمد رضا سے روشناس کرایا اور پھر نا صرف

پاکستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی "یوم رضا" منانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے جو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری (کراچی)

سراپا خلوص و کرم مخدوم و محترم جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کی ذات برصغیر پاک و ہند کے علمی و ادبی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے حکیم صاحب کا مولد ومنشاء امرتسر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ لاہور میں سکونت پذیر ہوئے' عربی و فارسی السنہ و علوم کی باقاعدہ تحصیل کی ہے طب ان کا خاندانی پیشہ ہے۔ حکیم صاحب نہایت وسیع اخلاق' مہمان نواز' علم ادب کے شیدائی' معارف۔ پرور' پرانی قدروں کے محافظ' مجموعہ اخلاق و ادب ہیں۔

ان کا مطب طبی مرکز سے زیادہ علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز ہے حکیم صاحب ایک نہایت ہی قیمتی کتب خانے کے مالک ہیں اور صاحب تصنیف ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

محسن ملت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی اہل سنت کی آبرو اور اہل سنت کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ آپ کا اہم علمی اور اعتقادی کارنامہ مرکزی مجلس رضا' لاہور کا قیام ہے جس کی وجہ سے پاک و ہند کی علمی فضائیں امام احمد رضا کے ذکر و اذکار سے گونجنے لگیں تاریکیاں چھٹنے لگیں۔ روشنیاں پھیلنے لگیں۔ امام احمد رضا کے یوم منائے جانے لگے۔۔ مجالس مذاکرہ شروع ہونے لگیں۔ عالمی اور علاقائی سطح پر مقالہ نگاری کے مقابلے ہونے لگے۔ مجلس رضا کی شاخیں ملک و بیرون ملک پھیلنے لگیں۔ نئے نئے علمی ادارے اور مکتبے قائم ہونے لگے۔ اہلسنت کی کتابیں اس طرح مارکیٹ میں آنے لگیں بقول ماہر تعلیم سید الطاف علی بریلوی مرحوم جیسے بارش ہو رہی ہو۔ بلا شبہ حکیم صاحب ابر بہار بن کر اہل سنت کی فضاؤں پر چھا گئے اور اہل سنت میں حیرت انگیز بیداری پیدا کی۔۔ کوئی داد دے یا نا دے وہ ہر داد و تحسین سے بے نیاز ہیں۔ ان کا عظیم کام ہی بجائے خود اللہ کا بڑا انعام ہے۔

1970ء تک راقم کو لکھتے ہوئے چودہ سال ہو چکے تھے۔ راقم کے تحقیقی مضامین پاک و ہند کے علمی جرائد میں شائع ہو رہے تھے لیکن سنہ مذکورہ میں محترم حکیم صاحب مدظلہ' اور مکرمی مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری (لاہور) نے راقم کو امام احمد رضا کی طرف متوجہ کیا۔ یہ توجہ راقم کی علمی زندگی میں ایک موڑ ثابت ہوئی۔ آج سولہ برس ہوگئے راقم کا مرکزی موضوع تحقیق امام احمد رضا ہی ہے۔ سچ ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق۔ قبلہ حکیم صاحب کی ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی سے پاک و ہند بلکہ دوسرے ممالک بھی جگمگانے لگے۔ یہ روشنی بڑھتی ہی جاتی ہے دشمن بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنا نور پھیلا کر ہی رہے گا۔

عبدالحکیم شرف قادری

حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی محسن اہلسنت ہیں۔ بے شک ان کی ہستی مغتنمات زمانہ میں سے ہے۔

آج سے بیس سال پہلے کی طرف نظر دوڑائیں آپ کو قلم و قرطاس سے تعلق رکھنے والا کوئی صاحب علم دور دور تک دکھائی نہیں دے گا۔ عجیب جمود اور تعطل کا عالم طاری تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ اہلسنت و جماعت کو اپنے ماضی سے

دلچسپی ہے اور نہ ہی مستقبل کی فکر ہے ایسے میں حکیم اہل سنت دام ظلہ نے مجلس رضا کی داغ بیل ڈالی، مجلس کی بنیاد کیا رکھی کہ لکھنے اور پڑھنے والوں کو ایک بہترین پلیٹ فارم مہیا کر دیا، میں یہ بات کہنے میں باک محسوس نہیں کرتا کہ آج آپ کو سنی لٹریچر کی جو بہار نظر آ رہی ہے اور آپ اہلسنّت کی ایک کھیپ مصروف جدوجہد دیکھ رہے ہیں یہ حکیم صاحب قبلہ کے خون پسینے کی کمائی کا نتیجہ ہے، انہوں نے اپنی جماعت کو لکھنے اور پڑھنے کا شعور بخشا قلم و قرطاس کی اہمیت کا احساس دلایا اور ایک ایسی تحریک عطا کی ہے کہ اس کے اثرات اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دن بدن بڑھتے ہی جائیں گے۔

دین و مسلک کے لئے انہوں نے جو عظیم قربانی دی ہے آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے انہوں نے اپنا سرمایہ، کاروبار، عمر عزیز اور صحت تک دین کے لئے قربان کر دی، حکیم صاحب خود صاحب طرز ادیب، مایہ ناز محقق، بے مثال مورخ، باوقار نقاد اور معلومات کا انسائیکلوپیڈیا ہیں، کشف المحجوب، مکتوبات امام ربانی، الطاف اقدس، تذکرہ اکابر اہلسنت وغیرہ کتب پر ان کے گراں قدر مقدمے تحقیق اور جستجو کے شاہکار ہیں جن پر اہل علم نے انہیں بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مجلس رضا کی طرف سے علمی تحقیق اور متین لٹریچر پیش کر کے انہوں نے فکر و نظر کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آج ایک دنیا ان کی خدمات کو تحسین اور ستائش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

موجودہ قدر ناشناس بلکہ حوصلہ شکن ماحول میں حکیم صاحب کی ذات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ علم و قلم کی آبرو کی لاج جس طرح انہوں نے رکھی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے مجھے وہ مخلص قلم کار نہیں بھولتا جو معاوضے کی طلب کئے بغیر مسلسل لکھے جا رہا تھا گردش زمانہ دیکھئے وہ قرضوں کے بوجھ تلے بری طرح دب گیا اور قرض خواہوں کے تقاضوں نے اس کا ناک میں دم کر دیا، اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس نے حکیم صاحب کو درد بھرا خط لکھا اور اس میں یہاں تک لکھا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ خودکشی کر لوں۔ حکیم صاحب نے کچھ اپنے پاس سے اور کچھ اپنے مخلصین کے تعاون سے سیکڑوں روپے جمع کر کے اسے بھجوا دیئے اور اس طرح ایک قیمتی قلم کو موت کی وادی میں جانے سے بچالیا۔

اخلاص کا یہ عالم ہے کہ سیکڑوں روپے اپنی گرہ سے مجلس رضا پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ مجلس کی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری وفات پر مجلس رضا کے فنڈ سے کچھ خرچ نہ کیا جائے بلکہ اگر تجہیز و تکفین کے لئے ضرورت پڑے تو میری کتابیں فروخت کر کے کام چلایا جائے، غرض یہ کہ قومی فنڈ سے اپنی ذات کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی طرح بالکل الگ تھلگ رکھا اور ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔

جناب ظہیر الدین قادری - کانپور

رفیع الدرجت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری دامت فیوضہم سے لاہور ہیں شرف نیاز حاصل ہوا حکیم صاحب بلامبالغہ ملت و سنت کے معمار اعظم ہیں لاہور میں سیکڑوں کتب خانے سنی ادارے حکیم صاحب کے مرہون منت ہیں۔ ممتاز علمائے اہل سنت کی ہزاروں تصانیف حکیم صاحب ہی کی کوشش و کاوش کا ثمرہ ہیں۔ لاہور ہی نہیں بلکہ پورے پاکستان میں ملت و سیت کے اتحاد و تنظیم کے قائد و علمبردار حکیم صاحب ہی ہیں۔

حکیم صاحب کی بے لوث خدمات دینیہ کے سبھی

سترف ہیں۔ "استقامت" کے تعلق سے انتہائی جذباتی انداز سے حکیم صاحب نے مجھے گلے لگا لیا اور کثیر دعاؤں سے نوازا نیز نقد عطیہ "استقامت" کو مرحمت کیا اور قیمتی مشورے بھی دیئے، مختلف حالات و معاملات پر تبادلہ خیال بھی ہوا۔

جناب حکیم محمد خلیل احمد قادری (علی گڑھ)

جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب مد ظلہم العالی اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو بے نقاب کرنے والے اور جہان کو ان کی عظمت کی طرف چشم حیرت کے ساتھ موڑنے والے ہیں، دنیائے سنیت پر ان کا ایسا احسان ہے جس کی جزا دینے تصور سے ہم سب اپنی عاجزی اور مجبوری کے احساس پر شرمندہ ہیں۔ انہیں کی ذات ہے جس نے کمال تدبر، فکر، حسن تدبیر و عمل اور مسلسل بیکراں جدوجہد اور والہانہ کارناموں، عزم و استقامت کی جو مثال قائم کی ہے وہی ان کی حیات مبارکہ کے دوام و ثبات کی ضامن ہے۔

پروفیسر سرفراز سید زیدی - لاہور
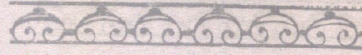
راقم الحروم نے 30 دسمبر 1999ء حضرت پیر سائیں (حکیم صاحب قبلہ) کے مزار مبارک پر آپ کے قدموں میں بیٹھ کر چند تاثرات تحریر کئے ہیں جو کہ "تقریباً" آپ کا وقت وصال بھی ہے۔ آپ کے مزار پاک پر تازہ پھولوں کا ڈھیر ہے۔ پھول اپنی خوشبو کے ساتھ درود پاک کا ورد کرتے ہوئے نازاں ہیں کہ ہم اس مرد قلندر کے مزار پر آ کر امر ہو گئے ہیں۔ شہد کی مکھیاں بھی درود پاک پڑھتے ہوئے حضرت کے لنگر سے اپنا حصہ وصول کر رہی ہیں اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ پھول مجھے غلام محمد صاحب اوقاف والوں نے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار سے بڑے خلوص سے عطا فرمائے ہیں۔

قبلہ پیر سائیں کا حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاص تھا۔ آپ کے والد محترم حضرت حکیم فقیر محمد چشتی، آپ کی والدہ مکرمہ اور دیگر اہل خانہ کے مزارات احاطہ قبرستان حضرت میاں میر قادری "مقابر چشتیاں" میں واقع ہیں۔ اس نسبت سے بھی آپ نے تقریباً" 40 سال دربار حضرت میاں میر قادری پر حاضری دی اور ملحقہ قبرستان جو کہ تقریباً 3 کنال پر مشتمل ہے، کی نگہداشت کا ذمہ نہایت احسن طریقہ سے سرانجام دیا۔

حضرت میاں میر قادری سے آپ کی عقیدت و ارادت کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مورخ لاہور میاں محمد دین کلیم مرحوم سے آپ نے سوانح حضرت میاں میر قادری اپنے ذخیرہ سے قیمتی اور نادر کتب کے حوالہ جات مہیا کر کے لکھوائے جو کہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔

پروفیسر محمد صدیق - لاہور

حکیم صاحب قبلہ اکثر پنجابی زبان میں علمی اور ادبی مسائل پر گفتگو کرتے تھے، زبان و لہجہ کی بات نہیں، در حقیقت جس استدلال، جذبے اور خلوص سے الجھی ہوئی گتھی سلجھاتے تھے وہ ان ہی کا حصہ تھا، ان کا انداز بیان مختصر اور مدلل ہوتا تھا، ان سے گفتگو کرتے ہوئے ان کی سادہ طبعی، صاف گوئی، بے باکی اور ایسے کھرے پن کا احساس ہوتا تھا جو جدید زمانہ کی پہچان نہیں، کیونکہ عصر جدید تو نشوونما کا دلدادہ ہے، کردار، روایت اور سیرت کا اب کیا کام۔

آپ کتابوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ کتاب چاہے کسی موضوع، مضمون، زبان، مسلک اور مذہب کی کیوں

نہ ہو' کتاب ہونے کی حیثیت سے وہ قابل عزت و احترام ہے۔ کتاب کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو بے توقیر نہیں کرنا چاہیے۔

محترم حکیم صاحب طبعاً" نسیم سحر تھے' میں نے ان کو کبھی باد سموم کے روپ میں نہیں دیکھا' علم و ادب کی محفل برپا رہتی تھی' ساتھ ساتھ دکھی انسانیت کی خدمت سے بھی غافل نہ رہتے۔ کیا مجال جو کبھی شکایت زمانہ یا شکوہ دوراں کا ذکر ہو۔ قناعت اور توکل کی ایسی عمدہ مثال خال خال ملتی ہے۔

خدائے بزرگ و برتر انہیں جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے' ان کی ذات اس قحط الرجال کی کڑی دھوپ میں ایک چھتنار درخت کی ٹھنڈی چھاؤں کی مانند تھی۔ وہ رہنمائے مشفق کی تمام خوبیوں سے مزین تھے۔

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی ذات اہل علم حضرات کے لئے باعث افتخار تھی۔ ہماری تہذیب میں علم و فضل والے جن خانوادوں کا ذکر اہمیت رکھتا ہے ان میں ایک مشہور و معروف حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا حکیموں کا خاندان قابل ذکر ہے۔

آپ صاحب دل اور صاحب نظر ہونے کے ساتھ ساتھ اہل قلم بھی تھے۔ آپ نے علم شریعت و طریقت پر متعدد مقالات سپرد قلم کئے جن کے مطالعہ سے عوام و خواص روحانی فیوضات سے مستفیض ہو رہے ہیں اور اہل سلاسل ان کی تخلیقات سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔ آپ ایسے متلاشین حق میں سے نہیں تھے جو دنیا کو چھوڑ کر پہاڑ کے کسی گوشے میں چھپ جائے بلکہ وہ اس عقیدہ کے قائل تھے۔

بزرگے دیدم اندر کی سارے
قناعت کردہ از دنیا بغارے

حکیم صاحب قبلہ نے مضمون نگاری میں وہ طرز جدید پیدا کیا جس کی مثال نہیں ملتی ان کا حلقہ احباب جو سو فیصد خواندہ ہے وہ آپ کو روحانی و دنیاوی پیشوا سمجھتے ہیں ان کا موضوع سخن زیادہ تر تاریخ اسلام یا اہل سلاسل کی طریقت پر ہوتا ہے۔

حکیم صاحب ہر اہل قلم کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی فرماتے تھے۔ وہ خود بھی خوب سے خوب کی تلاش میں رہتے تھے۔ وقت کو ضائع کرنا ان کے خیال میں بہت بڑا گناہ تھا۔ ہر اپنے ملنے والے کو تلقین کرتے تھے کہ آگے بڑھو تاکہ آنے والی نسلیں تمہارے کارناموں کو یاد رکھیں۔ بقول شاعر؎

اٹھو بھی! دیر کیا ہے؟
یہ نقش پا ہے وہ قافلہ ہے

میں جب بھی ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کوئی نہ کوئی کتابچہ رسالہ یا کتاب جو کہ مذہبی تاریخی یا تاریخ اسلام کے موضوع پر ہوتی ضرور عنایت فرماتے میں نے کبھی بھی ان کے عزائم میں تبدیلی نہیں دیکھی وہ جو کچھ کہتے تھے ببانگ دہل کر جاتے تھے۔

ع نقش وہ چھوڑا جسے زمانہ بھلا نہ سکے

پروفیسر صاحبزادہ وحید سبحانی قادری

حضرت حکیم صاحب قبلہ فیضان کرم کا رواں دواں سرچشمہ تھے۔ وہ علم و عرفان کا روشن مینار' جود و سخا کے پیکر' توحید و رسالت کے علمبردار' شمع حق کے مظہر' دینی و روحانی علوم کے مرکز و محور' بے مثال محقق اور عارف ربانی تھے۔ متدین حضرات کو ان سے والہانہ ارادت تھی۔

27 ستمبر 1999ء کو آپ کے مطب پر زیارت کے لئے حاضر ہوا ملکی حالات ناگفتہ بہ تھے عرض کیا کہ حضرت! نواز

شریف برادران نظریہ پاکستان اور بقائے پاکستان کے سخت خلاف ہو گئے ہیں۔ پاکستان کی بقا کو اس حکومت سے سخت خطرہ لاحق ہے کیونکہ امریکہ، بھارت اور یورپی ممالک کے ساتھ ان کے تعلقات معنی خیز ہیں۔ میں نے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے کہا کہ حضرت یہ حکومت میرے اندازے کے مطابق 30 اکتوبر کو ختم ہو جائے گی لیکن اس وقت تک تو کافی دیر ہو چکی ہو گی۔ آپ بھی ارشاد فرمائیں۔

حکیم صاحب قبلہ نے تھوڑا سا تامل فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ وحید سبحانی صاحب آپ قادری سلسلہ کے عظیم فرزند ہیں۔ یاد رکھیں موجودہ حکومت 15 اکتوبر 1999ء تک ختم ہو جائے گی۔ کوئی بھی سیاسی پارٹی اس کرپٹ حکومت کو نہ اتارے گی بلکہ افواج پاکستان اس حکومت کو ختم کرے گی۔

راقم نے حکیم صاحب کی یہ پیش گوئی اپنے چند بااعتماد دوستوں کو بتائی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ پاکستان پر ضرور رحم کرے گا۔ کیونکہ وقت کے ولی کے منہ سے نکلی ہوئی بات ہمیشہ پوری ہوتے ہوئے ہم نے دیکھی ہے اور پھر دنیا نے دیکھا کہ 12 اکتوبر 1999ء کو ولی کے منہ سے نکلی ہوئی بات تقدیر الٰہی بن کر تاریخ کا حصہ بن گئی۔

محترم حکیم صاحب عشق مصطفیٰ ﷺ سے سرشار تھے رب ذوالجلال نے انہیں امر کر دیا۔ علماء و مشائخ آپ کے ہاں علمی و روحانی پیاس بجھانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

میری تحریر و تقریر آپ کے مقام کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔

مرکزی مجلسِ رضا کی ابتدائی کارکردگی پر ایک نظر

برِصغیر پاک و ہند کے علمی و ادبی تعلیمی اداروں سے اقتباس

ابو سلمان شاہجہان پوری

(مجلہ "علم و آگہی" کراچی۔ مطبوعہ ۱۹۷۵ء)

مولانا احمد رضا خان بریلوی ہندوستان کے علمائے اہل سنت میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمت میں بسر کر دی تھی۔ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت، رشد و ہدایت، تبلیغ و دعوت اسلام اور تصنیف و تالیف ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ وہ بیک وقت دین کے متبحر عالم، اردو کے بلند پایہ ادیب، نعت گوئی میں منفرد حیثیت کے شاعر، مفسر، محدث اور فقیہہ تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے مختلف علوم و فنون اسلامی میں سینکڑوں کتابیں یادگار چھوڑیں .... ان کی وفات کے بعد ایک مدت تک کوئی ایسی علمی تحریک پیدا نہیں ہو سکی جو حضرت موصوف کے آثار علمی کے تحفظ و اشاعت اور ان پر تحقیق و تصنیف کو اپنا مقصد بناتی لیکن ہر کام کے لئے قدرت کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کام کی سعادت بھی روز اول سے کسی خوش نصیب کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ مجلس رضا کے قیام کے لئے 1968ء کا سال مقدر تھا اور اس کام کی سعادت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ....

دل میں مجلس کے قیام و انتظام کا داعیہ پیدا کر دیا اور مجلس نے خدا کے بھروسے پر علمی خدمات سرانجام دینا شروع

کردیں۔ مجلس کے سیکرٹری ظہور الدین خان ہیں۔

اس وقت تک تقریباً ایک درجن کتابیں مجلس کی جانب سے شائع ہو چکی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجلس کو یہ توفیق دی ہے کہ اہل علم تک یہ کتابیں مفت پہنچائے اس کی چھ کتابیں راقم السطور کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ فاضل بریلوی کا فقہی مقام (مولانا غلام رسول سعیدی) مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری (ملک شیر محمد خان اعوان)۔ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (پروفیسر محمد مسعود احمد) مولانائے بریلوی کے ترجمہ قرآن کے اوصاف و محاسن کے بیان میں "محاسن کنز الایمان" (ملک شیر محمد خان اعوان) اور اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر (سید نور محمد قادری) مجلس نے اپنی کوشش کو صرف مولانا احمد رضا خان پر تصنیف و تالیف تک محدود نہیں رکھا، بلکہ حضرت مرحوم کے سلسلے کے دوسرے بزرگوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سراج احمد مکھن بیلوی ثم خانپوری کے حالات میں "سوانح سراج الفقہا" (مولوی محمد عبدالحکیم شرف قادری) بھی ہے۔
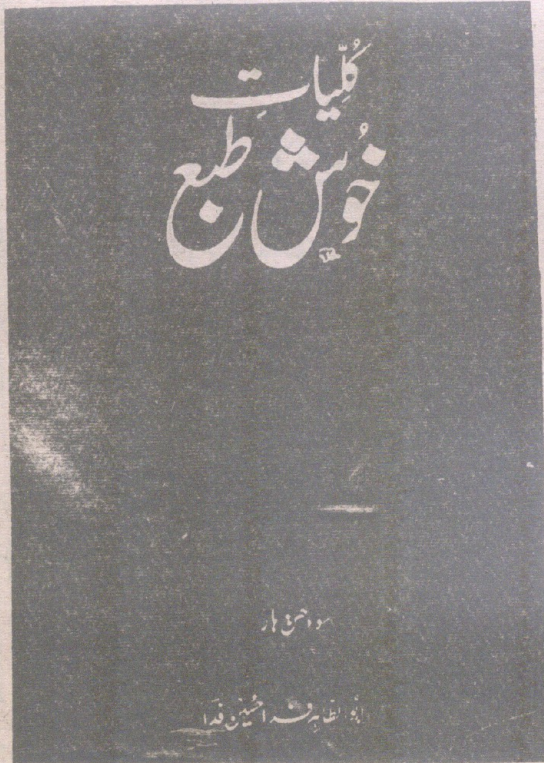
خراجِ عقیدت

شعرا کرام
حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ
کے حضور منظوم

بے چین رجپوری (بدایونی)

آہ مرگ حکیم محمد موسیٰ امرتسری
ناگاہ اس دار فنا سے ملک بقا رحلت کی

کیا خوب تھے امرتسری حکیم محمد موسیٰ
خدمات دین تھا روز و شب شعار دل و جاں جن کا
مرحوم تھے اسلاف کا نمونہ بہ اعمال و صفا
کیا خوب تھی مرحوم متقی کی تجلی و ضیا
تھے محترم فاضل علوم دین صفا کے مخزن
دیتی تھی جن کی قربت سعود کنول دل کے کھلا
دیکھتے تھے کج خلقی اگر کسی سے وہ مرد مومن
ہوتے تھے از بس نرم گفتگو سے نصیحت فرما
اس بزم میں ہوتا تھا رنگ و رقص بہار جنت
جس بزم میں بھی ہوتے تھے جلوہ بار محمد موسیٰ
کیا خوب تھی مرحوم پیر مرد کی دید و بینش
کیا خوب تھی کحل البصر جبین منور کی ضیا
ہرگز نہ تھی مرحوم کو متاع جہاں سے رغبت
تھا صاف سینہ پر ضیا بہ کدورت تحریص و ہوا
رضوان رب العالمین مدام رہا پیش نظر
اللہ کی مرضی کے مطابق کیا ہر کام سدا
حب شہ کونین کی مدام رہی سرشاری
الحمد للہ یہ شان و حال محمد موسیٰ
واحسرتا ان کے تفقدات سے محرومی ہوئی
ملتا تھا جن سے طالبان خیر کو روحانی غنا
بے چین کی ہے یہ دعا بہ درگہ ملطف رحمان
در صحن جنت شاد باد محمد موسیٰ

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

سردار علی احمد خان

طبیب بے مثال و عالم دیں
کہ در آفاق مقبول جہاں گشت
دوستاں را ملال و حسرت و غم
ازیں دار فنا سوئے جناں رفت
علی احمد پئے تاریخ گفتہ
مداح شاہ ذی شاں از جہاں رفت

14ھ20

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطعۂ تاریخِ وصال

محققِ عصر معروف دانشور الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی علیہ رحمۃ اللہ

رحلت: ۸ شعبان المعظم سنہ ۱۴۲۰ھ، مطابق ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۹۹ء بروز چہار شنبہ

غمِ مقرّب والا

۱۴۲۰ھ

چل بسا بزمِ رضا کا بانی و صدر آج آہ — حضرت موسیٰ فدائے سیدِ خیر الامم!

مضطرب اس پر اعزّہ و احبّا ہوں نہ کیوں — ناگہاں سر پہ ہے جن کے گر پڑا کوہِ اَلم

حضرتِ "سلطانِ ہند" سے تھا تجھے سب کچھ عطا — اور ملا "غوثِ جلی" سے ورثۂ جود و کرم

دوست دشمن سے وضعداری رہی تیری مدام — خدمتِ انسانیت کا تجھ سے تھا ایسا بھرم

صرف کر دی زندگی تو نے پہ اظہارِ حق — ہر نفس اسمِ محمد ﷺ سے تھا مملو دم بدم

منکرینِ شرع و دیں خائف رہے تجھ سے سدا — تھا پئے اعدائے حق تو بُرّشِ تیغِ دو دم

بہرِ استقبال پہنچے خلد میں حور و ملک — عاشقِ ختمِ رُسُل! اے زائرِ بیتِ حرم

ہر "دیارِ غیر" میں چرچا تیری سیرت کا ہے — ہیں ترے عزم و عمل کے معترف عرب و عجم

والہ و شیدائے ختم المرسلیںؐ نورِ ازل — ہو لحد پہ تیری نازل ابرِ بارانِ کرم

بندۂ احمد رضا کا سالِ رحلت اے فدا

"منبعِ فیضِ عمیم! محمد موسیٰ" کر رقم

۱۴۲۰ھ

نتیجۂ فکر:-

ابو الطاہر فدا حسین فدا

وفات نامہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بہ مناسبت ارتحال جان سوز حکیم اہلسنّت و جماعت، عارف عرفان و معرفت و طبیب جان و دل حضرت مرحوم مغفور مبرور الحاج محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ ولادت در امرتسر (ہندوستان) وفات در لاہور شہر عرفان و ادب و سرزمین زندہ دلان۔

سرودہ: دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا)

حکیم جان و دل ازانی جھان رفت
محب و مہربان عاشقان رفت

دلم نالاں و دیدہ گشتہ گریان
چرا آن عارف شیرین زبان رفت

دریغا از جھان بی وفایی!
کہ از جورش طبیب مردمان رفت

سراسر کوچہ ھای شہر لاہور
غمین گشتہ کہ آن صدق العیان رفت

طبیب جسم و جان جملہ مردم
طبابت را پدر، روح روان رفت

محمد موسیٰ، آن مرد خرد مند
چرا اینسان سوی دار الجنان رفت

ھمہ آثار او گویای اسلام
حکیم اہل سنت گل فشان رفت

کتاب و دفتر و طب و طبابت
خزان شد، چون بہار جاودان رفت

سخن ھایش دعای جان و دل بود
دعا گوی تمام عارفان رفت

ھمارہ یاد او بودم شب و روز
پیام آمد کہ ناگہ از میان رفت

بگوپید ای عزیزان و بزرگان
چرا آن سالک پاک آستان رفت

چمن زار ادب پژمردہ گشتہ
کز آنجا بلبل افسردہ جان رفت

سر آمد روزگار طب و حکمت
حکیم گلشن زندہ دلان رفت

عزیز و محسن یاران یک دل
سفیر عشق ما از گلستان رفت

جمال معرفت تاریک و تیرہ
کہ آن ماہ حقیقت ناگھان رفت

رفیق جملہ اہل ذوق و عرفان
امین و عارف و عرش آشیان رفت

بیایید ای محبان و ادیبان
شفیق نوجوانان، راز دان رفت

محمد موسیٰ از امرتسر آمد
بہ خاک پاک لاہورش نھان رفت

محمد موسیٰ از امرتسر عشق
بہ لاہور آمد و شکر فشان رفت

رفیق و یار او مرحوم عرشی
محمد با حسین خورشید سان رفت
شریف احمد' شرافت یار او بود
ساحن پال شریف اور امکان رفت
حمہ یاران عشاق طریقت
مثال بوی خوش از بوستان رفت
گلستان محبت بی ثمر شد
تو گومی از گلستان' باغبان رفت
بنالید ای حمہ یاران عرفان
امر طب و عرفان نغمہ خوان رفت
چو از دنیا برفت آن عاشق حق
حروف ابجد اینگونہ بیان رفت
بود تاریخ شمسی فوت مرحوم
"برای خدمت سبحان" دوان رفت
1378ھ ش
چو از تاریخ ہجری باز پرسی
ھمان "عالی تبار خاندان" رفت
1420ھ ق
"گزشت" تاریخ فوت آمد رہاتف
1420ھ ق
بہ قرآن خدا رطب اللسان رفت
بہ میلادی بخوان تاریخ فوتش
یکی "مرغوب مجذوب" از جہان رفت
1999ء

دعا و رحمت حق بر مزارش
ھمان درویش پاکستان جان رفت
چہ سازم ای اخد ای پاک و یکتا
مرا نور دل و تاب و توان رفت
چہ گویم باحمہ یاران یک دل
شفا بخش و طبیب صوفیان رفت
"رھا" ھم می رود افغان و خیزان
کہ آن مرد خدا' حق بر زبان رفت

مفتی ضیاء الدین ضیاء (مفتی کشمیر)

تجلی بہ موسیٰ چو بر طور شد
جہانے کزاں نور مسرور شد
کہ پر تو فگن ید بیضاء مثال
زد ستش شفاء بسکہ ما فور شد
بہ نباض بینی گرو بردہ است
ہمیگونہ در دہر مسطور شد
بہ امراض کہنہ بسے کہنہ مشق
بہ لبہائے مخلوق مذکور شد
چنیں طنطنہ شد بہرمرز بوم
کزیں ملک تا شاہ فغفور شد
کہ از تجرباتش ضیاء آگہ است
کہ دیرینہ زو علتے دور شد
زدست شفا ایں چنیں تیز ہوش
بہ پیش جہاں جملہ معذور شد
بہ صفحات تاریخ ایں شکریہ
بنردش بحمد اللہ منظور شد

آفتاب علم و حکمت

بشیر حسین ناظم

اے نقیب مسلک عشق و ادب مرد حکیم
حب احمد سے فروزاں ہے تیرا قلب سلیم
تو شبستان محبت، کوشک علم و حکم
تو نگار شہر عرفاں واقف سر کلیم
تو مودت کا نشاں ہے پیکر ایثار ہے
تو سراپا حسن ہے گلہائے ایقاں کی شمیم
تو امام احمد رضا کی عظمتوں کا پاسباں
تو جہان شوق و مستی، موجہ باد نسیم
تیری ہستی ہمت عشاق محبوب امم
کوہساروں کی طرح پختہ تیرا عزم صمیم
اعلیٰ حضرت کی ولاء میں بے خود و سرمست تو
ان کے مسلک کا مبلغ تو بدون خوف و بیم
لومہ لائم کبھی بھی سدرہ نہ بن سکی
تیرے رستے میں جو آیا مڑ گیا سوئے جحیم
تیری صحبت، صحبت ابرار سے کمتر نہیں
تیری محفل باعث اعزاز ہر مرد فہیم
تو فقیر کوچہ سلطان عرش و فرش ہے
خلعت شاہی سے بڑھ کر ہے کہیں تیری گلیم
تیرے فکر و کلک و قرطاس و قلم سب وقف ہیں
بہر توصیف پیمبر سید خلد نعیم
تو رہے شاداں و فرحاں اے حکیم پاک زاد
تیرے سر پر ہو ہمیشہ ظل الطاف رحیم

حق بیں الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری

1420ھ

صابر براری (کراچی)

حیف صد حیف کہ وہ دے گئے داغ فرقت
اہل حق کے تھے جو محبوب و محب راہ نما
تھے وہ آئینہ اوصاف حمیدہ بے شک
پیکر صدق و صفا خوگر زہد و تقویٰ
بالیقیں آپ کے ممنون ہیں اہل سنت
چار سو آپ نے پھیلایا ہے پیغام رضا
آپ تھے قافلہ سالار فدایان نبی
ہائے اب کس سے ملے گا ہمیں منزل کا پتا
کہہ دیا صابر خستہ نے یہ سال رحلت
"خلد میں نادر محفل ہیں محمد موسیٰ"

1420ھ

قطعہ تاریخ رحلت

متین کاشمیری

نعیم و سحاب کرم بے مثال
رواں شد محب رضا با کمال
متیں فکر کردیم بر رحلتش
شدہ "اوج عظمت" رحیلش بسال

1420ھ

حکیم زماں صاحب با اصول
جدائی سے جن کی جہاں ہے ملول
متیں ان کی رحلت پہ آئی ندا
"خدا ترس صوفی فنا فی الرسول"

1999ء

نوحہ

حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم

ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعہ داری

گویم بکہ چہ شد کہ سکوں درمیاں نماند
از دل قرار رفت بجانہا اماں نماند
غوغا فتاد موسیٰ امرتسری بمرد
شورے فتاد رونق بزم جہاں نماند
تقدیر را نمائش ہمت چوراہ نمود
تدبیر را کشائش زور جواں نماند
از دہر آہ معالج آزار ہا برفت
در جسم جاں قرار و سکوں ہم عناں نماند
ماہر طبیب از وے طبابت فروغ یافت
دانائے وقت حکمت یونانیاں نماند
دانا حکیم ماہر و رمز آشنائی درد
واحسرتا نشان مسیح زماں نماند
علم و ادب را عزت و توقیر رفت آہ
آں ذوق و شوق علم سوئے عالماں نماند
از بزم دہر سطوت دانشوری گزشت
از رفتن او شوق را جولانیاں نماند
با خود ربود حکمت و آب زلال علم
تسکیں شوق زاں پے لب تشنگان نماند
تحقیق را خراج تفحص نہاں شدہ
تدبیر جستجوئے فنون جہاں نماند
فریاد می کنند کتب در فراق او
نوحہ کنند آں رہ کنوں دوستاں نماند
آں بحر علم بود ہم کوہ گران فقر
چوں رفت او آں عظمت ہم این و آں نماند

آں نامدار دولت حق آگہی برفت
آں تاجدار کشور دانشوراں نماند
دانائے بود کاملے در علم معرفت
در بزم عشق شیوہ دیوانگاں نماند
ہر وقت ذکر شیخ و مشائخ بہ محفلش
بودے برفت و رونق روحانیاں نماند
آں کامگار حلقہ نعمانیاں برفت
آں شاہ سوار عرصہ عرفانیاں نماند
دردا کہ رو نمود بیاراں قیامتے
غوغائے رستا خیز کہ تسکین جاں نماند
از رفتن او محفل یاراں است سوگوار
آہ و فغاں است مخلص ہمراہیاں نماند
نوحہ کنند در غمش خورد و کلان شہر
درد و دریغ مونس پیر و جواں نماند
خستہ دلاں را بود او غمخوار و دل نواز
او رفت آہ راحت دل خستگاں نماند
از جان و دل نمودے بہر کس مروتے
واحسرتا کساں را کسے مہرباں نماند
در دل قرار داشتے از دین مصطفیٰ
او رفت آں ساں جذبہ دیں پر وراں نماند
خدمت گزار رفعت اسلامیاں گزشت
دلدار دوستاں پے روحانیاں نماند
دانائے بود برسرش نازاں فراستے
رعنائے بود رونق رعنائیاں نماند
از رفتن او رشتہ وجدانیاں گسست
درد افدائے شیوہ اسلامیاں نماند
ایثار ے نمود پے ہر نشاط سود
اکنوں کسے را حکمت سود و زیاں نماند
آں جاں فدائے شیوہ احمد رضا بمرد
آں راہ گرائے عظمت عالی نشاں نماند

با خود رضا و حکمت احمد رضا ر بود
آں مجلس رضا را کنوں آں جہاں نماند

اقبال پیر زادہ را زو بود ہمتے
مسعود را فرمائے سر دلبراں نماند

مختار دین احمد عالی نشان را
یار وفا شعار مے نکتہ داں نماند

مہجور گشت محفل یاراں زلطف او
معروف کس نماند چوں عارف نشاں نماند

دیرینہ یار بود مرا از زمان دور
آں سال دریغ و حسرتا دور زماں نماند

یاد آورم محافل یاران آں زماں
رفت از جہاں شرافت و ایں درمیاں نماند

در محفلش خرد را عیاں بود روشنی
آں روشنی نماند ہم آں ضوفشاں نماند

او بود پاسبان غریبان و غمزداں
کس پاسباں ورائے پس ماندگاں نماند

دستور روزگار ہمیں است از ازل
ہرگز کسے بدور جہاں جاوداں نماند

من بہر یادگار او تاریخ گفتہ ام
چوں بہر یادگار او چیزے عیاں نماند

سالش عظیم گلشن و تعظیم ہم گذشت
1420 1420 1420
دیگر "ز عیش و عشرت نام و نشاں نماند"
1999ء

باران لطف و رحمت حق بر مزار او
بارد چناں کہ چیزے بجز ایں دراں نماند

ایں را خدا بگلشن جنت مکاں دہد
آں را قرار کانرا کسے پاسباں نماند

ہمشیر زادگان حکیم محمد موسیٰ امرتسری

حکیم وحید احمد
مستند طبیہ کالج لاہور

تنویر احمد (جرمنی)
سند یافتہ نیشنل کالج آف آرٹ

قطعہ تاریخ رحلت

محمد شہزاد مجددی - لاہور

ذوق تحقیق، علم و حکمت کا شعور
دے گئے موسیٰ ہمیں کیا کچھ ہیں ثروت لازوال
قائل حق، حاصل فکر رضا!
کر گئے ہیں حضرت موسیٰ عطا جود و نوال
پھر نہ دیکھے گی کبھی چشم فلک آہ
ایسا حاذق اور طبیب بے مثال
وہ گل شاداب گلزار فرید
اور محب غوث اعظم خوش خصال
چھوڑ کر شہزاد بزم دوستاں
چل بسے "پروردہ فضل و کمال"

1420ھ

ڈاکٹر جاوید گلزار

اخلاص کا چمن ہوا ویران تیرے بعد
پژمردہ ہو گئے ہیں دل و جان تیرے بعد
سیکھیں گے اب کہاں سے ہم اسلوب نگارش
اہل قلم ہوئے ہیں پریشان تیرے بعد
ہر لمحہ ہم کو آ کے ستاتی ہے تیری یاد
ملتا ہے غم نیا ہمیں ہر آن تیرے بعد
تم سے ملا تھا ہر دل مضطر کو سہارا
ملتا نہیں ہے درد کا درمان تیرے بعد
تم سے بہت آساں ہوئے دشوار مرحلے
ہم ہو گئے تحقیق سے انجان تیرے بعد
علم و ہنر کی راہ میں احساس یہ ہوا
ہم کھو گئے ہیں زیست کی پہچان تیرے بعد
تیرا وجود ڈھال تھا فتنوں کے سامنے
جاری رہے ہم پر تیرا فیضان تیرے بعد

قطعۂ تاریخِ وصال

سید مھجور رضوی

"فرشتہ منش حکیم اہلِ سنّت"

۱۹۹۹ء

"محققِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم"

۱۹۹۹ء

پھیلی ہوئی ہے سلطنت ہر سمت موت کی / تیرِ قضا کبھی بھی نہ یا رد خطا گیا
بے یار و بے سہارا ہوئی ہائے زندگی / جینے کا اب تو لطف و قرار و مزا گیا
اُٹھا جہاں سے مونسِ مجلسِ رضا / سُوئے عدم مفسرِ فکرِ رضا گیا
احمد رضا کا نائب برحق ہوا وداع / یومِ رضا کا داعیٔ اوّل چلا گیا
اِک میزبانِ علم و ادب آہ چل بسا / اِک مہربان و مشفقِ ما و شما گیا
اِک سائبانِ علم سروں سے سرک گیا / اِک آسمانِ خُلق زمیں میں سما گیا
اِک آستانِ دانش و حکمت ہوا ہے بند / اِک قدر دانِ مُصلحِ اہلِ وفا گیا
اِک راز دانِ علمِ لدُنّی ہوا جُدا / اِک گُلستانِ عقل و خرد برملا گیا
"اِک دُھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے" / مُوسیٰ کے ساتھ ساتھ ہی دشتِ شفا گیا
لاریب تھا وہ شمعِ شبستانِ چشتیت / ہمسر نہ جس کا مل سکے وہ رہنما گیا
ویراں ہوئی ہیں جس سے تقدّس کی محفلیں / اہلِ نظر کا رہبر و قبلہ نُما گیا
حاصل جسے تھا قطبِ مدینہ کا قُربِ خاص / دارِ فنا سے جانبِ دارِ بقا گیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہر شر پسند کی / جینے کا ڈھنگ اہلِ سُنن کو سکھا گیا
رکھی جہاں میں مسلکِ حق کی ہمیشہ لاج / باطل کے عروج کو نیچا دکھا گیا
فکرِ رضا کو خونِ دل و جاں سے سینچ کر / احمد رضا کو ارفع و اعلیٰ بنا گیا
دیکھا نہیں ہے اس سا کوئی منکسر مزاج / فقر و غنا کی جو کوئی عظمت بڑھا گیا
ایثار اس کا مشعلِ راہِ وفا بنا / کردار سے وہ اپنے گلستاں سجا گیا
روئیں نہ اس کی یاد میں کیوں کر نیاز مند / وا حسرتا وہ پیکرِ لطف و عطا گیا
اہلِ خرد کے ناز اٹھائے گا کون اب / ہو کر جُدا ہے سب سے وہ ہمدم چلا گیا
اپنی ضروریات کی پروا کئے بغیر / ہر اک متاع، راہِ خُدا میں لٹا گیا
جب تک جیا وہ دیں کیلئے سر بکف رہا / ڈنکا خُدا کے دین کا ہر سُو بجا گیا
پیشِ نظر ہمیشہ رضائے نبیؐ رہی / مطمعِ زیست کیا ہے؟ عمل سے بتا گیا
افسوس ڈس گئی اُسے اپنوں کی بے حسی / یاروں کا طرزِ فکر و چلن اُس کو کھا گیا
مجروح کر گئی اسے مُفتی کی کج روی / مُلّا کا دین بیچنا اُس کو رُلا گیا
ملتا نہیں ہے اس کا کہیں بھی کوئی مثیل / اپنی مثال آپ تھا سچ ہے کہا گیا

مھجورؔ مجھ کو ہاتفِ غیبی سن وصال
"داغِ سراجِ خلق" ہے یک سر بتا گیا

۱۹۹۹ء

قطعات تاریخ رحلت

طارق سلطانپوری۔ حسن ابدال

کہی اس کے وصال کی میں نے
"گلبن خیر و اتقا" تاریخ

1420ھ

پسند اس کو تھی قادری طرز فقر
وہ دلدادہ رنگ عرفان چشت

بزرگ زمانہ کا سال وصال
کہا "نور منہاج فیضان چشت"

1999ء

ہو گیا چشم زمانہ سے نہاں و احسرتا
ایک رعنا پیکر عرفان و علم و آگہی

بندہ حق حضرت موسیٰ کی تاریخ وصال
میں نے "حسن مرکز تبلیغ دین حق" کہی

1999ء

بزم اہل حق ہے افسردہ کہ اس سے اٹھ گئی
اک یگانہ منفرد اوصاف والی شخصیت

یوں کہی میں نے ادب سے اس کی تاریخ وصال
واقعی فخرزمن تھی "وہ مثالی شخصیت"

7+1992=1999ء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

جامد غازی آبادی (منشی فاضل)

علم و حکمت کا خزینہ جن کو بخشے وہ طبیب
حق تعالیٰ کرتا ہے بے شک انہیں کو خوش نصیب

پیکر صبر و رضا خلق مجسم نامدار
دست قدرت کا نظر آیا جس کو اک شاہکار

خدمت مخلوق رب میں روز و شب مصروف وہ
تاجدار علم و طب مشہور اور معروف وہ

جانشین فخر الاطبا کے ذہین فرزند ہیں
علم و حکمت کے سبب اس دور میں خورسند ہیں

حلقہ احباب کی وسعت کا عالم دیکھئے
فیض پاتے ہیں سبھی اب غیر و محرم دیکھئے

شان درویشی نمایاں زندگی میں سادگی
مشورہ لیتا ہے ان سے اک جہان آگہی

در سو! جو چاہتے ہو ان سے ہونا فیض یاب
چاہتے ہو زندگی تم بھی گزارو کامیاب

آج ایسے عالموں کی روشنی درکار ہے
بدنصیبوں میں جو گزرے زندگی بیکار ہے

یہ تعارف آپ کا کافی ہے اے دانشورو
دولت علم و ہنر سے جھولیاں اپنی بھرو

تلخ و شیریں

مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

ماضی ــــ حال ــــ مستقبل

ظہور الدین خان
(سابق سیکریٹری مرکزی مجلسِ رضا)

محقق عصر، حکیم ملت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس سرہ کو اپنے طرز زندگی سے وہ مقام و مرتبہ حاصل ہو گیا تھا جس بنا پر دنیا بھر سے وہ لوگ جو مسلم انڈیا کے بارے میں کسی بھی موضوع پر ریسرچ کرنے میں مصروف ہوتے وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو جب بھی وہ پاکستان آتے تو ان کی مجبوری تھی کہ وہ حکیم محمد موسیٰ کے ہاں حاضری دیں۔ کیونکہ حکیم صاحب مرحوم سے انہیں تمام متعلقہ اور ضروری مواد میسر آ جاتا۔ چنانچہ ان میں یورپ کے اسکالر بھی ہوتے تھے اور بھارتی علماء بھی، ہندوستانی خاتون ڈاکٹر اوشا سانیال بھی انہیں محققین میں شامل ہیں جنہوں نے اپنے گراں بہا مقالہ

"DEVOTIONAL ISLAM AND POLITICS IN BRITISH INDIA AHMAD RIZA KHAN BARELWI AND HIS MOVEMENT, 1870-1920"

کے وقیع موضوع پر تحقیق کر کے کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی (جو 1996ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، دہلی سے شائع ہوا اور 365 صفحات پر پھیلا ہوا ہے) اس مقالہ کی کتابیات Bibliography کے صفحہ 357 پر انٹرویوز (Interviews) کے زیر عنوان جناب حکیم صاحب کے بارے میں انہوں نے ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا ہے۔

"Amritsari, Hakim Muhammad Musa, President, Markazi Majlis-e-Riza, Nuri Masjid, Lahore; An Authority On The Ahl-e- Sunnat In Current Day Pakistan. 19 November 1986, At Lahore."

حکیم محمد موسیٰ مرحوم تنظیم ساز کریکٹر کے مالک تھے۔ تنظیموں پر پیسہ بھی خرچ کرتے تھے اور ان کو پوری طرح

سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ ایسا شخص حکومت کی نظروں میں نہ آئے یا اس کے روزمرہ پر حکومتی نظر نہ ہو۔ ایک طرف تو وہ کتاب کے ذریعے ذہنی انقلاب برپا کر رہے تھے اور دوسری طرف پاکستان کے علماء کی جمعیت ان سے فکری راہنمائی بھی حاصل کرتی تھی۔ امام احمد رضا کا پیغام کوئی معمولی پیغام نہ تھا' یہ پیغام اتحاد کی علامت تھا۔ محبت کی علامت تھا اور ہے اور سخت ترین ماحول میں اپنی شناخت برقرار رکھنے کا بہترین سامان بھی ____ جمعیت کے مذہبی و سیاسی قائدین کے لئے مجلس رضا کی صورت میں ایک ایسا پلیٹ فارم میسر آگیا تھا جس کے ذریعے وہ مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "یوم رضا" سے اپنا پیغام نشر کر سکتے تھے چونکہ مجلس کے سالانہ اجتماع میں پاکستان کے کونے کونے سے شرکت کے لئے لاہور میں آنے والے عاشقان تعلیمات حضور اکرم ﷺ اور وفا شعاروں کا جم غفیر ہوتا اور یہ اجتماع لاہور کے اہم اور مرکزی مقام مقابل ریلوے اسٹیشن' نوری مسجد میں منعقد ہوتا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ حکیم صاحب کی تحریک پر نہ صرف برعظیم پاک اور بھارت بلکہ مصر' یورپ اور دیگر ممالک میں بھی ایسی تقاریب کا اہتمام ہونے لگا اور اس کے ساتھ ساتھ لٹریچر کی اشاعت بھی اور آج دنیا کی بیشتر جامعات میں عاشق حضور پاک ﷺ امام احمد رضا کی تالیفات و تصنیفات کے حوالہ سے جو تحقیقی کام ہو رہا ہے وہ حکیم صاحب کا مرہون منت ہے' یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انہوں نے دور حاضر میں تنہا جو کام کر دیا آج ہم وسائل ہونے کے باوجود پوری جمعیت کے ساتھ نہیں کر پا رہے ہیں۔ اس امر کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 1968ء میں مرکزی مجلس رضا کے قیام سے پہلے بایں سلسلہ جو حالت دگرگوں تھی اس تذکرہ ایک الگ باب کا متقاضی ہے' یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ خدا نے چاہا تو آئندہ کسی وقت اس کو صفحہ قرطاس پر منتقل کیا جائے گا۔ دراصل ہوا یوں کہ امام احمد رضا کی وفات سے پچاس سال بعد تک کوئی ایسی علمی تحریک پیدا نہ ہو سکی جو امام موصوف کے آثار علمی کے تحفظ و اشاعت اور ان پر تحقیق و تصنیف کو اپنا مقصد بناتی۔ مشہور نقاد ابو سلمان شاہجہانپوری گورنمنٹ نیشنل کالج' کراچی کے مجلّہ "علم و آگہی" کے شمارہ بابت 75-1974ء بعنوان "برصغیر پاک و ہند کے علمی' ادبی اور تعلیمی ادارے" جلد دوم کے باب شخصیاتی علمی ادارے میں صفحہ 431 پر "مرکزی مجلس رضا" لاہور کے زیر عنوان حکیم محمد موسیٰ صاحب کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"ہر کام کے لئے قدرت کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کام کی سعادت بھی روز اول سے کسی خوش نصیب کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ مجلس رضا کے قیام کے لئے 1968ء کا سال مقدر تھا اور اس کام کی سعادت حکیم محمد موسیٰ صاحب کے ناصیہ زیبا میں لکھی تھی۔ چنانچہ جب وہ وقت آیا تو قدرت نے حکیم محمد موسیٰ صاحب کے دل میں مجلس کے قیام و انتظام کا داعیہ پیدا کر دیا اور مجلس نے خدا کے بھروسہ پر علمی خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔"

حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمہ کی بے بہا اور ناقابل فراموش خدمات اور ان کی دینی و تبلیغی مساعی اور علمی کاوشوں کے سلسلہ میں مجلس رضا کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "یوم رضا" کا ضمناً" ذکر اوپر آ چکا ہے ____ مرکزی مجلس رضا کے روح و رواں اور بانی و صدر جناب حکیم صاحب کو "یوم رضا" کی مقدس تقریب سے جو عشق کی حد تک لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے اور ان کا یہ پاکیزہ اور کس قدر نفیس خیال تھا کہ مجلس کے "یوم رضا" (سالانہ عرس امام احمد رضا) کی تقریب کو وہ عین اس نہج پر لے جائیں گے جس طرح کہ حضرت امام اعظم کے سالانہ عرس کے موقع پر

منعقد ہونے والے اجلاس، قیام پاکستان سے قبل، انجمن تبلیغ الاحناف، امرتسر (قائم شدہ 1912ء) اور لاہور میں انجمن حزب الاحناف (قائم شدہ 1925ء) کے زیر اہتمام انعقاد پذیر ہوتے، امرتسر میں منعقدہ ایسے ہی عرس مبارک کی ایک روداد اس مرد درویش اور دین حنیف کے سچے خادم کی زبانی سنئے جسے آج دنیا "حکیم اہل سنت" کے نام سے جانتی ہے وہ رقمطراز ہیں کہ

"امرتسر کے احناف نے "انجمن تبلیغ الاحناف" قائم کر رکھی تھی اس انجمن کے زیر اہتمام سیدنا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عرس مبارک ہر سال مسجد میاں جان محمد ہال بازار میں نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا۔ عرس مقدس کے سہ روزہ جلسوں میں مقامی علماء کے علاوہ متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر علماء و فضلاء اور مشائخ عظام شمولیت فرما کر اپنے مواعظ حسنہ سے عوام کو مستفیض فرماتے تھے۔ اس عرس مبارک کی اہمیت واضح کرنے کے لئے اس میں شرکت فرمانے والے علماء میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

امیر ملت حضرت حافظ الحاج سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، شیخ العرفاء حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی، صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مبلغ یورپ حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، فقیہہ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی، حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری ثم لاہوری، ابوالمحامد حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، بلبل بستان رسالت حضرت مولانا محمد یار فریدی بہاولپوری، مناظر اسلام مولانا حکیم قطب الدین جھنگوی، حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور، حضرت مولانا عبدالمجید قادری والد ماجد مولانا عبدالحفیظ حقانی بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اس عرس میں ایک دفعہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شمولیت فرما کر مسلمانان امرتسر کو اپنی فاضلانہ تقریر سے مستفید فرمایا تھا۔ شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی اور حضرت مولانا سردار احمد محدث لائلپوری (رحمہما اللہ تعالیٰ) بھی اس عرس میں شرکت فرماتے رہے مگر اس وقت یہ حضرات جوان علماء میں شمار ہوتے تھے۔

ایسا عظیم الشان تبلیغی جلسہ میں نے پھر کبھی نہیں دیکھا۔ ایک خاص قسم کی روحانی و نورانی محفل ہوتی تھی۔ اس عرس مبارک کے جلسوں میں امرتسر کے مسلمانوں کو دو قومی نظریہ کی صداقت بتا کر تحریک پاکستان کی تائید و حمایت کے لئے تیار کیا گیا۔ 46-1945ء میں اس عرس شریف کے موقع پر صدر الافاضل محمد نعیم الدین مراد آبادی، حضرت امیر ملت علی پوری اور حضرت محدث کچھوچھوی (رحم اللہ) نے تحریک پاکستان کے حق میں جو مدلل اور پر مغز تقریریں کی تھیں، ان کے بعض حصے ابھی تک میرے حافظہ میں محفوظ ہیں اور اچھی طرح یاد ہے کہ ان بزرگوں کی تقاریر نے امرتسر کے کانگرسی اور احراری مولویوں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا تھا۔

مرکزی مجلس رضا لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "یوم رضا" (عرس امام احمد رضا) کے تمام سالانہ اجلاس اس پر شاہد عادل ہیں کہ یہ محافل بھی مذکورہ بالا روحانی و نورانی محفل کا پرتو تھیں جس کا تذکرہ حکیم محمد موسیٰ صاحب نے فرمایا کیونکہ یہ سارا کام خلوص و للہیت کی بناء پر سرانجام دیا جا رہا تھا اور اسی کا ثمرہ تھا کہ جو شخص "یوم رضا" کی مقدس تقریب میں ایک مرتبہ شمولیت کر جاتا تو وہ یقیناً آئندہ سال کے لئے انتظار کرتا رہتا اور امید ہو چلی تھی کہ مرکزی مجلس رضا کی تحریک ملک گیر صورت اختیار کر جائے گی، بڑے شہروں کے علاوہ پاکستان کے قصبات تک میں "مجلس رضا" کے نام سے دفاتر قائم ہونا شروع ہو گئے اور اراکین مجلس

رضا نے حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی راہنمائی میں اپنے وسائل کے مطابق ان علاقہ جات میں لٹریچر کی اشاعت شروع کر دی۔

حکیم صاحب کی جانب سے بحیثیت داعی یوم رضا منانے کی جو اپیل جولائی 1986ء تک دی جاتی رہی اور جس نے ایک روح پھونک دی تھی وہ آپ بھی پڑھ لیں:۔

"مرکزی مجلس رضا لاہور' اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد ملت شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کی علمی دینی اور ملی خدمات جلیلہ کے تعارف کے لئے کتب و رسائل شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال آپ کے یوم وصال (عرس مبارک) کے موقع پر جلسہ یوم رضا کا انعقاد کرتی ہے جس میں ملک کے نامور علماء' فضلاء اور دانشور حضرات چودھویں صدی کے مجدد کی عظیم علمی خدمات اور بے مثال تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ روح پرور تقریب جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور منعقد ہوتی ہے۔

ازیں علاوہ مرکزی مجلس رضا لاہور کی طرف سے ملک کے گوشہ گوشہ میں جلسہ ہائے یوم رضا منعقد کرنے کی ہر سال اپیل کی جاتی ہے اس تحریک سے ملک کے اکثر مقامات پر یوم رضا منایا جانے لگا ہے مگر ہم اس میں مزید وسعت کے خواہاں ہیں لہٰذا علماء کرام اور اہلسنّت کی انجمنوں سے اپیل ہے کہ وہ یوم رضا کو وسیع پیمانے پر منانے کا اہتمام کیا کریں۔"

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

ہم نئی زندگی کے مطرب ہیں\
زمزمے ولولوں میں ڈھالیں گے\
اپنے ساز طرب کی تانوں سے\
تیرہ ماحول کو اجالیں گے\
مردوں جسموں فسردہ نبضوں میں\
روح پھونکیں گے جان ڈالیں گے\
وہ سنو موت کے حصاروں سے\
زیست آواز دے رہی ہے ہمیں\
توڑ کر ہر طرح کی زنجیریں\
ساتھیو آؤ مل کے آگے بڑھیں

مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام جس سفر کا آغاز برکت علی ہال موچی دروازہ لاہور سے نوری مسجد کی جانب منتقل ہوا تھا اس میں پاکستان کے ہر گوشہ سے عاشقان تعلیمات رضا جوق در جوق شرکت کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک پورے ملک میں جناب حکیم صاحب قبلہ کی دعوت حکمت و موعظت' اخلاق کریمانہ اور ان کے مثالی فکر و کردار کی بدولت پھیل گئی اور ایسی امید کی کرن پیدا ہو چلی کہ یہ پاکیزہ سفر اسی منزل کی جانب رواں دواں تھا جس کا خواب حکیم صاحب نے دیکھا اور یہ خواب ان کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ یہ سفر کیونکر اور کس طرح شروع ہوا (جس سے ہندوستان کی سرزمین جہاں گزشتہ سالہا سال سے ایک جمود طاری تھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی) اور مذکورہ خواب کی ایک جھلک حکیم صاحب کے مکتوب جو انہوں نے ملک شیر محمد خان اعوان آف کالا باغ کو مورخہ 21- اکتوبر 1966ء کو یعنی مرکزی مجلس رضا کے قیام سے بھی دو سال قبل ارسال کیا' سے مل جاتی ہے۔

مذکورہ مراسلہ سے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

"ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل کے لئے آپ کو تکلیف دینا چاہتا ہوں کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی" کی سوانح حیات لکھ دیجئے۔ اس سلسلہ میں جملہ مواد فراہم کر دیا جائے گا اور اعلیٰ حضرت کی تمام تصانیف حاضر خدمت کر دی جائیں گی۔ اگر آپ اظہار آمادگی فرمائیں تو میں مواد اکٹھا کرنا شروع کردوں ______ کتاب خوبصورت چھپوائی جائے گی ______ اعلیٰ حضرت" پر جو کتابیں آ چکی ہیں وہ مناظرانہ رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ اس لئے عوام اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ اگر آپ دو چار سو صفحات کی کتاب لکھ دیں

تو آپ کا دنیائے سنیت پر احسان عظیم ہو گا اور مسلک کی ٹھوس خدمت ہو گی۔ امید کہ آپ میری درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے۔"

کتاب کی افادیت و اہمیت کے علاوہ حکیم صاحب . بمصداق ان من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمة کی اثر انگیزی پر کامل یقین رکھتے اور اسی بناء پر وہ "یوم رضا" کی سالانہ تقریب کو خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ راقم کے والد گرامی مرحوم (مولوی قمر الدین امرتسری المتوفی 1990ء) بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ (متوفی 1948ء) جب تقریر فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ قرآن شریف کا نزول ہو رہا ہے۔ حکیم صاحب نے ایسے ہی اکابر اہل سنت کو سنا اور قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ تاہم رب ذوالجلال نے حضرت حکیم صاحب (اعلی اللہ مقامہ) کی مذکورہ بالا دیرینہ آرزو کی تکمیل کر دی تھی اور سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے بقول "کتاب کے ساتھ محبت ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس کی مفت تقسیم ان کا شعار تھا۔ کتاب اپنے سینے میں علم کے نور کو محفوظ رکھتی ہے۔ حکیم صاحب کتاب کی خوشبو کو عام کرتے رہے۔ اس طرح وہ علم کی روشنی پھیلاتے رہے تاکہ جہالت کا اندھیرا دور ہو جائے" اور یہ سفر ابھی جاری ہی تھا کہ ساتھیوں نے مل کر آگے بڑھنے سے روک دیا اور یہ رواں دواں قافلہ راستہ میں لوٹ لیا گیا۔ قافلہ لٹنے اور لٹانے والے کون لوگ تھے؟ _____ قافلہ لوٹنے والے تو اب بھی سرگرم عمل! لیکن لٹانے والے مہر بہ لب ہیں اور ایک لفظ لکھنے کے لئے تیار نہیں حالانکہ ماہنامہ "مہروماہ" کے صفحات ان کے لئے حاضر؟ _____ وہ کس "مشن" کے تحت داخل ہوئے!!! اب حکیم صاحب کے بعد از وصال ان کا کردار بتا دے گا۔ قافلہ لوٹنے والوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی آخر امام ہی کے نام پر تعمیر مسجد رضا و مدرسہ ضیاء الاسلام (جسے 1402ھ/1982ء میں شمالی لاہور کے لوگوں کی سہولت کے لئے حکیم صاحب نے مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام تعمیر کروایا) میں جائے پناہ لینا پڑی!!! آخر کیوں؟ _____ ایک شکاری شکار کرنے کے لئے اسی جانور کی بولی بولتا ہے اسی لئے قافلہ لوٹنے والوں نے اگرچہ امام احمد رضا کے نام پر اکیڈمیاں اور اشاعت کے لئے ادارے بھی قائم کر لئے کتابوں کے انبار بھی لگا دیئے!!! لیکن تاریکی بڑھ گئی کیونکہ امام کا پیغام محبت اور روح مفقود ہے۔ ویسے بھی آج فلم کا دور ہے اور علم کا دور کم! اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اکیڈمی کا رخ اور منزل صرف کتاب براستہ بنک اکاؤنٹ اور بنک اکاؤنٹ محض برائے کتاب قرار پائی۔ اس لئے اس "چمک" نے بہتوں کی آنکھیں چکاچوند کر دیں۔

رایت الناس مذ خلقوا و کانوا
یحبون الغنی من الرجال

(ترجمہ) ___ لوگوں کو میں نے دیکھا جب سے وہ پیدا ہوئے اہل دولت سے محبت کرتے آئے ہیں۔

جیسا کہ فاضل ہند رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ "پیغام رضا" (ممبئی) نے لکھا ہے کہ

"اگر یہی روش زیادہ دنوں تک قائم رہی تو اہلسنت کا وجود کتابوں کے اوراق تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ صاحبان حال و قال دولت کے پیچھے اسی طرح بھاگ رہے ہیں جس طرح سیلاب کا پانی نشیب کی سمت محو سفر ہوتا ہے۔"

دوسری طرف ہم بزرگوں کی کمائی بے دریغ خرچ کر رہے ہیں، ایک دن آئے گا کہ ہم تہی دست ہوں گے اور خرچ کرنے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہو گا!!! مسند ارشاد پر آج فائز اہل علم و قلم اپنے افکار عالیہ کو دل آرا، دل آویز، دلبستہ، دلپذیر، دلپسند، دلچسپ، دلدوز، دلربا، دل ساز، دلفروز

دلفریب، دلکش، دلکشا، دلنواز اور دلنشیں بنانے کی بجائے اپنے کردار سے دل افگار، دل زدہ، دل شکستہ، دلگیر اور دل آزاری، دلبازی، دل تنگی، دلخراشی اور دلریشی کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں مرحوم ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (1916ء - 1995ء) کے بقول "جن لوگوں کا کام درس و تدریس اور تعلیم و تحقیق ہے وہ جوڑ توڑ میں زیادہ لگے رہتے ہیں۔ یہ عالم نہیں علم کے بیوپاری بلکہ بنجارے ہیں۔" مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ علی گڑھ یونیورسٹی کے تلمیذ رشید ڈاکٹر صدیقی صاحب موصوف کا محولہ بالا قول آج حق کے دعویداروں کو دعوت غور و فکر دے رہا ہے مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے محراب و منبر ان علماء دین اور اہل دین کی شخصیت و کردار اور افکار و خیالات سے محروم ہو چکے ہیں جن کی تابناک شخصیت اور علمی رئیسانہ شان ایک مرتبہ قاری اور پورے مجمع کو اپنے جانب متوجہ کر لیتی۔ چونکہ حکیم صاحب مرحوم و مغفور ان علماء حق کے خوشہ چیں تھے کہ جنھوں نے اپنی حمیت دین، فضیلت علم، اصابت فکر اور ستودگی سیرت سے ایک درسگاہ کو سربلند رکھا اور سربلند رہے اس سربلندی نے حکیم صاحب کو بھی سربلند کر دیا اور مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد بھی یہی ہے۔

رضينا قسمة الجبار فينا
لنا علم و للجهال مال

(ترجمہ) ____ ہم اپنے درمیان اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم اور جاہلوں کو دولت دی۔

حکیم صاحب کسی ایسے شخص کی علمی رائے کو ظلم سمجھتے تھے جس کی وہ اہلیت نہ رکھتا ہو۔ اسی لئے وہ ان علماء کو پسند نہیں کرتے تھے جو اپنی فضیلت و مرتبہ کے برعکس اپنی رائے کو فتویٰ کے مترادف سمجھتے ہوں۔ پیش نظر سطور رقم کرتے وقت پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے "ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری" میں ایک چہار ورقی فتویٰ بعنوان "جہاد افغانستان در نظر علماء اہلسنت پاکستان" مطبوعہ لاہور 1989ء مرتبہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، بانی رضا اکیڈمی (جس پر کچھ مولویوں اور بعض نیم مولویوں کے علاوہ سیاسی مفتیوں سمیت سنتالیس اسماء درج ہیں، اس فتویٰ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ بعض مولویوں کے نام دو مرتبہ شمار کیے گئے۔ فتاویٰ کی تاریخ میں ایسی مثال نہ ملے گی) پر نظر پڑی، فتویٰ کے صفحہ پانچ پر حکیم صاحب کے زیر دستخطی درج ذیل نوٹ بھی رقم ہے جس سے ان کی دینی و سیاسی بصیرت کی تصدیق ہوتی ہے، ملاحظہ ہو۔

"شاہ احمد نورانی صاحب نے اس فتویٰ کی تائید کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نیز تائید کنندگان (مفتیان کرام) میں سے بعض ان پڑھ ہیں۔ ایک ان پڑھ کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔"

(دستخط) محمد موسیٰ عفی عنہ
یکم دسمبر 1989ء

وہ شخص جو فتویٰ دینے کا مجاز ہو مفتی کہلاتا ہے۔ کسی مسئلہ پر کسی مجاز عالم دین کی باقاعدہ رائے "فتویٰ" کہلاتی ہے۔ فتویٰ شریعت کی تعلیمات پر مبنی ہوتا ہے اس لئے کسی "ان پڑھ" کا یہاں کیا گزر؟ حکیم صاحب کے نوٹ پر کسی تبصرہ کی ضرورت تو نہ تھی لیکن یہ بات حیرت انگیز ہے اور کسی لطیفہ سے کم بھی نہیں کہ حضرت حکیم صاحب جس مفتی کو ان پڑھ قرار دے رہے ہیں وہ مفتیان کرام کی صف میں شامل ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

چشم فلک نے یہ نظارہ اس سے پہلے نہ دیکھا ____ ایک طرف یہ علمی بے مائیگی اور دوسری طرف بعض بنجارے ایسے ہی ان پڑھ مفتیان کے لئے محض اپنی مطلب برآری کے لئے سرٹیفکیٹ جاری کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ "

اندھیرے" میں پھر اپنا بھی کام بن جاتا ہے ــــــ چور ہمیشہ نور کا دشمن رہا' علم کی روشنی میں تو ظاہر ہے کہ نقب زنی نہیں ہو سکتی؟ ــــــ ایک وقیع رائے ملاحظہ ہو' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ علوم اسلامیہ کے سابق صدر پروفیسر محمد سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ (1878ء - 1939ء) رقمطراز ہیں:

"ایسے مفتی جنہیں اپنے مذہب کے لطائف و نفائس کی خبر نہیں ان کے فتاوے سے احتراز چاہیے۔"

محترمی ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل جب کوئی معاشرہ انحطاط پذیر ہوتا ہے تو اس معاشرہ کے تمام شعبے متاثر ہوتے ہیں اسی لئے آج ہم اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ چند برس قبل لاہور کے ایک مرحوم مفتی شہیر کا روزنامہ "نوائے وقت" کے میگزین میں انٹرویو شائع ہوا جس میں انہوں نے جنرل ضیاء الحق کو ضیاء الحق والاسلام والدین بنا دیا' ضیاء الحق کا دور تھا' حکیم صاحب راقم سے فرمانے لگے کہ اس انٹرویو کو محفوظ کر لو کسی وقت کام آئے گا؟

علمائے دین کے حوالہ سے یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد موسیٰ اہل حق کا بے حد احترام کرتے انہوں نے ماضی قریب میں ایسے علماء کو دیکھا تھا جنہوں نے کسی دنیا دار یا حاکم وقت کی مدح سرائی یا کاسہ لیسی کی اور نہ ہی چند ٹکوں کی خاطر کی اپنی عالمانہ شان کو مجروح کیا چنانچہ حکیم صاحب کی تصانیف "مولانا غلام محمد ترنم" (مطبوعہ لاہور 1971ء)' "ذکر مغفور" (مطبوعہ لاہور 1972ء)' مولانا نور احمد امرتسری اور "تذکرہ مشاہیر امرتسر" (غیر مطبوعہ) اس پر شاہد عادل ہیں ــــــ حکیم صاحب کی دیرینہ آرزو تھی کہ اہل حق کے سالاروں اور اکابر کے تذکرے ان کے شایان شان مرتب ہونے چاہئیں۔ وہ عمر بھر اس کے لئے کوشاں رہے۔ اس میدان میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی' لیکن بہت سی بھاری بھرکم شخصیات جن پر سرے ہی سے ابھی تک قلم نہ اٹھایا جا سکا اور بعض پر چند اوراق سامنے آئے ان پر مفصل سوانح مرتب ہونا تھیں وہ اب تک ناپید ہیں۔ اس کے لئے ہمہ وقت کام کرنے کی ضرورت ہے جس کے لئے مرکزی مجلس رضا جیسا ادارہ ہونا چاہیے' بچی کھچی مجلس یا مرحومہ مجلس رضا اگرچہ "جہان رضا" کے نام سے آج کل ایک ماہوار رسالہ نکال رہی ہے' لیکن اس پرچہ میں کسی علمی یا تاریخی کتاب پر تبصرہ شائع نہیں ہو سکتا بقول اس کے مدیر کہ ان کے پاس اس قدر وقت ہی نہیں ہوتا تاہم وہ اپنے ذاتی چلائے جانے والے مکتبہ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتب کو نمایاں مقام دیتے ہیں یعنی اہلسنّت و جماعت کا ماضی کا یہ عظیم ادارہ ایک ذاتی جاگیر بن کر رہ گیا ہے (اس بات کا یہاں دھیان رہے کہ حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے برادر اصغر مرحوم غلام مرتضیٰ (المتوفی 1997ء) نے راقم الحروف سے چند سال قبل ایک ملاقات میں فرمایا کہ مکتبہ نبویہ کے مالک علامہ اقبال احمد فاروقی دین کے نام پر آخر کیا کر رہے ہیں ماہنامہ "القول السدید" لاہور کے مدیر مسئول محمد طفیل زید مجدہ نے غالباً" انہی احوال کے پیش نظر ستمبر 1990ء کے شمارہ میں صفحہ 106 پر ایک عنوان قائم کیا ہے ــــــ "اسے کیا کہیں؟ کتب فروشی یا دین فروشی!" ــــــ محترم محمد عمر فاروق صاحب بیان کرتے ہیں کہ حکیم صاحب نے فرمایا تھا' علامہ فاروقی صاحب کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا ــــــ یہ موضوع الگ ہے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ مدیر موصوف کا کبھی اس جانب دھیان گیا ہے کہ مرکزی مجلس رضا کسی زمانہ میں "یوم رضا" منانے کا اہتمام بھی کیا کرتی تھی؟ ــــــ حکیم صاحب قبلہ کے وصال کے چند روز بعد ہی مدیر "جہان رضا"

کا یہ ارشاد کہ ابھی حکیم صاحب کی یاد تازہ ہے کچھ روز تک احباب یاد رکھیں گے پھر بھول جائیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جس سے فی الحقیقت ان کے ذہنی افلاس اور مولویانہ ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے اور یہ مدیر شہیر حکیم صاحب کے مقام و مرتبہ سے ہی بے خبر! ____ چنانچہ پنجابی زبان کے مشہور شاعر سید وارث شاہ چشتی مرحوم (م 1795ء) نے بجا طور پر کہا ہے کہ۔ ع

وارث شاہ اوہ سدا ای رہن جیوندے

جھناں کیتیاں نیک کمایاں نیں

عشق رسول ﷺ کی شمع کو اپنے خون سے روشن کرنے والے (حکیم محمد موسیٰ مرحوم) کی اس محنت سے بڑھ کر اور نیک کام کیا ہو سکتا ہے؟

بہرکیف احسان فراموشی بلکہ محسن کشی کی یہ ایک بدترین مثال ہے جب کہ ماہنامہ "جہان رضا" کا تازہ شمارہ بابت دسمبر 1999ء (جو حکیم کے وصال کے بعد شائع ہوا) کے بیرونی سرورق پر بیاد امام اہلسنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے زیر اب بھی "بانی مجلس حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ" کے الفاظ رقم ہیں ____ ایک بات اور توجہ طلب ہے کہ مدیر جہان رضا کی اسے خوش بختی سمجھئے یا بدنصیبی کہ انہیں مجلس رضا کے دور انحطاط کے دو مشیر اور عہدیدار ایسے میسر آ گئے کہ جو شخص 55 ریلوے روڈ لاہور کا رخ اگر کرلے بالخصوص اگر وہ بارلیش ہوا تو پھر وہاں کا منظر ایک عجیب سماں پیدا کر کے زاغوں کے تصرف کے قریب تر کر دیتا ہے اور جس کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم گشت از فضل رب

(ترجمہ) ____ اللہ تعالیٰ سے ہم اس کا فضل چاہتے ہیں اس لئے کہ بے ادب گستاخ خدا تعالیٰ کی بخشش سے محروم ہو گیا۔

مرکزی مجلس رضا کے "حال" کے حوالہ سے یہ چند ضروری باتیں ضمناً" آ گئیں تو بات ہو رہی تھی اہل حق کے تذکار کی، حکیم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سینوں نے ہر بڑے آدمی کو زندہ درگور کر دیا۔ گزشتہ دنوں اس امر کا تذکرہ جب اہلسنت و جماعت کے مشہور محقق و مورخ مولانا محمد جلال الدین صاحب قادری سے کیا گیا تو مولانا موصوف نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے درحقیقت کسی شخصیت کو درخور اعتناء سمجھا اور نہ اس پر کبھی کام کرنے کی زحمت کی، اپنے اکابر کو صرف زندہ درگور ہی نہ کیا بلکہ بعد از وفات ان کی قبر کا نشان بھی مٹا دیا ____ مرحوم پروفیسر محمد اسلم (ف 1999ء)، سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی اپنی کتاب "خفتگان کراچی" مطبوعہ لاہور 1991ء میں ____ "مزار مقدس حضرت مولانا عبدالحامد بدایونیؒ" کے زیر عنوان یوں رقمطراز ہیں:۔

"قبر کے سرہانے کوئی کتبہ نہیں لگایا گیا مزار کی حالت بھی مخدوش ہے۔ مقبرے کا صحن اور فرش گرد سے اٹے پڑے ہیں۔ مزار کے ارد گرد لوگوں نے ناجائز تجاوزات کر کے مکان تعمیر کر لئے ہیں۔ وہ رفع حاجت کے لئے مزار کی سیڑھیاں استعمال کرتے ہیں۔ انا للہ ....."

یوں تو بعض لوگوں نے ہمیں اگرچہ قبر پرست مشہور کر رکھا ہے اور سچی بات یہ کہ جن قبور سے ہمارا معاش وابستہ ان کی خوب دیکھ بھال کرتے ہیں اور اپنے اپنے بزرگوں کی کرامات صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے اور بیان کرنے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے، لیکن صف اول کے مشاہیر کے لئے ہمارے ہاتھ شل ہیں اور ان پر کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ خدا کا شکر ہے کہ قیام پاکستان سے باون سال بعد حکومت پاکستان نے 14 اگست 1999ء کے موقع پر حضرت

مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (1898ء - 1970ء) کی تحریک قیام پاکستان میں خدمات کے اعتراف کے طور پر یادگاری ٹکٹ جاری کیا ہے۔ ہمسایہ ملک کے ایک حکیم مولانا محمد عبدالمتین صاحب نعمانی اپنے اور ہمارے مرض کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ____

"بدقسمتی سے ہمارے مذہبی حلقوں میں علمی تحقیقی کاموں پر پیسے صرف کرنے کا رواج نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے باعث ثواب ہونے پر اس درجہ کا یقین جس درجہ کا یقین فاتحہ کی دیگیں پکوانے اور اسٹیج سجانے پر ہے ____ افسوس ____ ان اہل علم حضرات پر!" ____

ان ہی حالات کے پیش نظر حکیم صاحب ان مظلوم علمائے حق جن کے نام تاریخ سے مٹائے جا رہے ہیں اور ذہنوں سے محو کئے جا رہے ہیں اور جن کے مٹانے میں ہم نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی، ان کے لئے مضطرب رہتے، وہ سمجھتے تھے کہ ان اہل حق کے افکار و کردار سے نئی نسل کو روشناس کرانا چاہیے کیونکہ پاکستان میں شائع ہونے والی کتابیں ایک طرف تو علماء حق کے احوال سے خالی ہیں اور دوسری طرف ہمارے جمود و سکوت بلکہ مجرمانہ غفلت نے اور گہرے سائے کر دیئے ہیں۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ علماء حق جو ملت کی آبرو تھے ____ جو ملت کی آبرو ہیں ____ اور جو ملت کی آبرو رہیں گے، کے تذکار سے آج بھی روح کو تازگی اور جلا ملتی ہے، یہاں ایک واقعہ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جسے تحریک پاکستان کی ایک مشہور کارکن نور الصباح بیگم نے اپنی کتاب "پاکستان کی مشہور شخصیتیں میری نظر میں" مطبوعہ لاہور (جو ان کے چشم دید واقعات پر مشتمل ہے) میں ایک نکاح کی منعقدہ تقریب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے جس میں مرحوم چودھری خلیق الزماں وغیرہ مسلم لیگی اکابر شریک تھے۔ واقعہ یوں ہے کہ مصر کے ایک محمد رمضان نامی راہنما کراچی میں ایک اسلامی اجتماع (شعوب الاسلامیہ) میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے، ان کی شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی اس لئے وہ اپنی ہونے والی بیوی فاطمہ کو ہمراہ لے آئے۔ آگے چل کر نور الصباح بیگم رقمطراز ہیں کہ

"پیر علی محمد راشدی نے ہوٹل میٹروپول میں اس شادی کا انتظام کیا اور معززین شہر اور ان کی بیگمات کو مدعو کیا۔ دلہن کو تیار کر کے لانا ہمارے سپرد تھا۔ وہ مصری دلہنوں کے سفید لباس میں جو بالکل یورپین دلہن جیسا تھا، سر پر رومال لگا کر تیار ہوئی اور بہت پیاری لگ رہی تھی ہم نے لا کر اس کو محفل میں دولہا کے قریب صوفے پر بٹھا دیا۔ اتنے میں نکاح پڑھانے مولانا عبدالحامد بدایونی تشریف لائے۔ اور جیسے ہی ان کی نظر محفل میں بیٹھی بے شمار خواتین پر پڑی اور دلہن کو انہوں نے دیکھا جو کھلے منہ دولہا کے پاس بیٹھی تھی۔ لاحول پڑھتے ہوئے واپس چلے گئے بہتیرا ان کو راشدی صاحب نے سمجھایا کہ یہ تو مصری لڑکی ہے مگر انہوں نے کہا میں ایسا نکاح نہیں پڑھا سکتا جہاں تمام عورتیں اور دلہن بے پردہ ہو۔"

آج ذرا آپ اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑایئے اور پھر مذکورہ بالا ماحول میں جائزہ لیجئے! ____ مولانا خادم حسین صاحب فرماتے ہیں کہ ہم میں کتنے علماء ایسے ہوں گے جو نکاح پڑھائے بغیر اٹھ کر واپس آ جائیں!!! ____ ایسے سیکڑوں حق گو، حق پرست اور حق شناس علماء کی مثالیں حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ذہن میں نقش تھیں اور ان علماء کو بھی قریب سے دیکھا تھا اور سنا بھی اور سب سے بڑھ کر یہ وہ خود بھی اسی راہ پر گامزن تھے کہ آج کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حکیم صاحب کی ذات گرامی ایسا روشن چراغ تھی جس کی روشنی کبھی ماند نہ ہوگی بلکہ جوں جوں وقت گزرے گا۔ یہ روشنی بڑھتی ہی جائے گی۔ اگرچہ دین کے راہزنوں نے حکیم صاحب کا قافلہ راہ میں لوٹ کر کوئی اچھی مثال قائم نہ کی۔ راقم

الحروف سمجھتا ہے کہ مرکزی مجلس رضا پر بظاہر جو تباہی آئی وہ نہ صرف مجلس کا ذاتی زیاں ہے بلکہ وہ پوری اہل سنت و جماعت کا نقصان ہوا _____ اور ملت اسلامیہ کا!!! _____

حکیم صاحب اتحاد بین المسلمین کے داعی تھے کیونکہ امام احمد رضا مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع دیکھنا چاہتے تھے اور یہی پیغام مجلس رضا احسن طریقہ سے سرانجام دے رہی تھی۔

حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ایک دیرینہ رفیق برادر محترم پروفیسر محمد اقبال صاحب مجددی زید مجدہ نے احقر کی توجہ اس جانب مبذول کروائی ہے کہ حکیم صاحب سے دیرینہ رفاقت اور بالخصوص مجلس رضا سے وابستگی کی بنا پر راقم الحروف مجلس کی مذکورہ تباہی کے پس منظر میں ان عناصر کی نشاندہی کرے جو اہلسنّت و جماعت کے ایک فقید المثال اور دور رس نتائج کے حامل ادارہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے زوال کا سبب بنے!!!

_____ (یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس ادارہ نے آناً فاناً" حق و صداقت کے جھنڈے گاڑ دیئے اور مردہ و بے حس قوم کی رگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی)' یہ تاریخ کا بنیادی اصول ہے جس کی یہاں وضاحت ضروری ہے کہ جب کوئی قلمکار یا ایک تجزیہ نگار اگر کسی بادشاہت یا سلطنت یا پھر کسی عظیم تحریک کے زوال کے اسباب پر اظہار خیال کرتا ہے تو وہ تاریخ کے طالب علم کو ان تمام وجوہ سے بتدریج آگاہ کرتا چلا جاتا ہے تا کہ اس کے زوال کے فوری اسباب بیان کر کے بحث کو سمیٹ سکے۔ چنانچہ ذیل میں مجلس رضا کے قیام سے لے کر اس کے زوال تک کا زمانہ جو اب ہماری ملی و مذہبی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے' پر ایک طائرانہ لیکن ناقدانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

جب 1968ء میں مرکزی مجلس رضا کا قیام عمل میں آیا تو اس سے چند سال پہلے اس وقت کے اخبار چٹان کے بانی اور مدیر آغا شورش کاشمیری جو فکر امام احمد رضا پر حملہ آور ہوئے تھے اس کے بارے میں حکیم صاحب بخوبی آگاہ تھے۔ اندریں حالات ایسے فتنوں اور شورشوں کی سرکوبی کے لئے مرکزی مجلس رضا جیسے موثر ادارہ کا قیام اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔

1970ء میں جمعیت علماء پاکستان نے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے ایک لیڈر مولانا عبدالحمید خان بھاشانی (1879ء - 1976ء) کے غلط نظریات کا جو اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف تھے کا جواب دینے کے لئے دارالسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ میں دو روزہ آل پاکستان سنی کانفرنس کا انعقاد کر دیا۔ اسی کانفرنس کے اختتام پر جمعیت کی قیادت نے الیکشن میں براہ راست حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان کیا تھا کہ ملک بھر میں سنی کانفرنسوں کا جال بچھ گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بعد جمعیت نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کی اور باید و شاید' پھر خوش قسمتی سے اس وقت کی قیادت نے اسمبلی کے اندر اور باہر ایسا شاندار رول ادا کیا جس کی گونج آج بھی اسمبلی کے ایوانوں میں سنی جا سکتی ہے۔ اس حق گوئی کی بنا پر اہلسنّت کا سر فخر سے بلند تھا اور وہ ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو رہے تھے حتیٰ کہ اہلسنّت کے شدید مخالف بھی حیران و ششدر رہ گئے کہ ایک خالص مذہبی جماعت نے اب سیاسی قوت بھی حاصل کر لی جو کسی گروہ یا جماعت کی زندگی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ مسلم لیگی عناصر جو مولانا محمد عبدالستار خان صاحب نیازی کے بقول "مجرم لیگی" تھے اس صورت حال سے پریشان دکھائی دیتے تھے کیونکہ قائد اہلسنّت کی حق گوئی و بے باکی سے ان کے مفادات پر زد پڑتی تھی چونکہ مذکورہ قائد اس زمانے میں جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم سے حقیقت کے ترجمان شاعر کی عملی تفسیر اس طرح پیش کر رہے تھے کہ۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

لیکن کچھ علماء سنبھل اور بعض علماء ہزارہ ایسے سازشی عناصر اپنے تئیں مذکورہ بالا "جدید ماحول" میں مجرم لیگ سے بھی

زیادہ پریشان، اپنے تاریک مستقبل کی بابت فکر مند دکھائی دیتے اور پھر مل کر بھی سنبھلنے نہ پا رہے تھے کیونکہ علماء محروم اور مجرم لیگیوں (آج کل محروم لیگ) کے مابین ایک قدر مشترک تھی اور وہ ہے مال بنانا، دین فطرت سے محبت کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے اہالیان پاکستان کی بدقسمتی کہ مذکورہ عناصر بزعم خویش راز داران دین بن گئے اور مفتیان پاکستان کا لبادہ اوڑھ کر، تحریک پاکستان کے ان مقاصد کو فراموش کر دیا، جن کا احیاء مبلغ اعظم حضرت ابوالمحامد سید محمد محدث چشتی اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس (1946ء) میں کیا تھا۔

"یہی حقیقت بھی ہے مسلم لیگ کا پروگرام عارضی ہے جو صرف پاکستان پر ختم ہو جاتا ہے اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا پروگرام دوامی ہے، پاکستانی کی تعمیر کا۔"

پھر چلتے چلتے 1978ء کا دور آیا جب جنرل ضیاء الحق کے ابتدائی ایام تھے۔ اسی سال اکتوبر 1978ء میں ملتان میں آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کانفرنس نے ضیاء الحق سمیت پورے پاکستان کی آنکھیں کھول دیں۔ حکیم صاحب بھی بنفس نفیس اس کانفرنس میں شریک تھے اور اسی پلیٹ فارم سے "سنی رائٹرز گلڈ" کے قیام کا اعلان کیا گیا جس کے پیچھے بانی مرکزی مجلس رضا کی فکر کارفرما تھی۔ حکیم صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے تحریک پاکستان کے بزرگ راہنما خطیب مولانا محمد بخش مسلم (1887ء - 1987ء) سے یہ استفسار کیا کہ بابا جی! آپ نے تحریک پاکستان کے دوران بے شمار کانفرنسوں کو دیکھا اور ان سے خطاب بھی فرمایا۔ کئی کانفرنسوں کا انعقاد بھی کیا۔ آیا آج تک برعظیم پاک و ہند میں مذکورہ ایسی کانفرنس منعقد ہوئی تو مرحوم مولانا مسلم صاحب کا جواب نفی میں تھا۔ پھر ازاں بعد رائے ونڈ میں نظام مصطفیٰ کانفرنس کا انعقاد کل پاکستان سطح پر ہوا۔ بس پھر کیا تھا کہ اہل سنت کے شیرازہ کو بکھیرنے کے لئے چہار سو سازشیں شروع ہو گئیں۔ بدقسمتی سے ضیاء الحق نے بعض مولویوں اور پیروں کی خدمات حاصل کیں اور جب علماء سو کو ______ "علمائے کرام اور مشائخ عظام کو قومی زندگی میں ان کے شایان شان عزت و احترام کا مقام دینے" کے نام پر اور اس مکروہ آڑ میں استعمال کرنا شروع کیا تو جنرل ضیاء الحق کے کچھ سیاسی وزیر و مشیر جو کہ کچھ عرصہ پہلے طالب علم راہنما رہ چکے تھے انہوں نے پہلا وار اہلسنت و جماعت کی سیاسی قوت منتشر کرنے کے لئے ایک اہم کردار ادا کیا کہ مذکورہ آلہ کار جمعیت کے لئے فی الواقع آلہ مہلک ثابت ہوئے جس پر آنے والا مورخ لکھے گا۔

"بات میری نہیں، بات ہے زمانہ کی" کوئی قلمکار اگر اس پر کھل کر اظہار خیال کریں تو بات شاید بن جائے گی۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقمطراز ہیں کہ "انہیں سبز باغ دکھا کر راستہ سے ہٹایا گیا۔" چنانچہ بعض شہروں اور قصبات تک میں یہ وزیر کہیں لائبریری کے نام پر سرکاری رقم بانٹنے اور کہیں پلاٹوں کی لالچ دینے لگے اور کسی چھوٹے کارکن کو گیس کی ایجنسی اور کسی سجادہ نشین کو پٹرول پمپ کی ایجنسی الاٹ کروا کر توڑا گیا اور یوں "جماعت" کا شیرازہ منتشر ہوتا ہی چلا گیا۔ بدقسمتی سے ان لوگوں نے مجلس کے ایک آدھ کارکن سے بمصداق الجنس یمیل الی الجنس راہ و رسم بڑھانے شروع کر دیئے اور یوں مجلس میں دانستہ یا نادانستہ نقب زنی لگانے میں ایک حد تک کامیاب رہے۔ مجلس کے زیر اہتمام انعقاد پذیر آخری سالانہ جلسہ، عرس امام احمد رضا (یوم رضا) منعقدہ 28 اکتوبر 1986ء میں خطاب کرنے والے ایک مقرر شہیر جو اس سے پہلے آٹھ سال تک مجلس کے سالانہ اجلاسوں برائے یوم رضا سے خطاب کر چکے تھے، ایک ان پڑھ مفتی جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آ چکا، نے ضیاء مشن پر مامور ایک وزیر کی اشیرباد حاصل کرنے کی خاطر امام

احمد رضا کا نام لے کر خطیب آف اتراء (1940ء - 199ء) کی ڈاڑھی ناپنا شروع کر دی، سامعین کے لئے یہ بات کسی لطیفہ سے کم نہ تھی کیونکہ مذکورہ خطیب شہیر سالہا سال اپنے اسی چہرہ کے ساتھ مجلس کے جلسوں سے خطاب فرما چکے تھے۔ اس طرح مجلس کے اٹھارہویں سالانہ اور آخری یوم رضا پر مجلس رضا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یوں انتشار و افتراق کی طرح ڈالی گئی۔ دھیان رہے کہ مسلک کے نام پر ڈاڑھی کی پیمائش کرنے والے تنگ نظر کٹھ ملا المعروف بہ حاجی صاحب جون/جولائی 1986ء میں مجلس رضا کے حساب میں خیانت کے مرتکب پائے گئے جو مجلس رضا کے رو بہ زوال کا فوری سبب بنے اور مزید برآں ستم یہ کہ مجلس رضا کے اس وقت کے صدر محترم میاں زبیر احمد قادری ضیائی (اور ادھر حاجی صاحب بھی قادری ضیائی ہیں) جو مجلس رضا کے بنک اکاؤنٹ کے جائنٹ سگنیٹری (Joint Signatory) بھی تھے، نے خازن مذکور سے کوئی باز پرس نہ کی حالانکہ صدر، مجلس کے دستور میں دیئے گئے اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے بدعنوانی کے مرتکب مجلس کے کسی بھی عہدیدار کو برطرف کر سکتا ہے۔ نیز مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کے متفقہ دستور (منظور شدہ 23 مارچ 1984ء) کے مطابق صدر مجلس اپنے فرائض میں شامل دفعہ 7 شق (ز) کے تحت "خازن کے حسابات آمد و خرچ کی نگرانی کرے گا اور رجسٹر حسابات پر توثیقی دستخط کرے گا" ــــــ اس معاملہ میں چونکہ صدر موصوف خود مجرمانہ غفلت کا شکار تھے لہٰذا انہوں نے مکمل سکوت کی راہ اختیار کر لی کیونکہ صدر ممدوح جو حاجی صاحب کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بھی تھے، نے مجلس کے حسابات کے رجسٹر چک کرنے کی کبھی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ اس طرح مجلس کے خزانچی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے! اور وہ کامگار ٹھہرے!! ــــــ اور یہ بنیادی خرابی اور صدر مجلس کی از حد

سادہ لوحی و سادہ دلی پوری مجلس کو لے ڈوبی کیونکہ صدر مجلس ایک تو "دوستوں" کے حساب کتاب سے عاری اور دوسرے مندرجہ ذیل فلسفہ اور حقیقت سے بے خبر و نا آشنا تھے۔ اور بقول معروف دانشور محترم راجا رشید محمود کہ ــــــ

"چندے لینے والے اداروں اور اشخاص کا محاسبہ ہوتا رہے تو بہتر ہے ورنہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عوام کے اخلاص و ایثار سے جمع ہونے والی رقم کسی ایسے مقصد کے لئے استعمال ہو جاتی ہے جو قوم کے حق میں اچھا نہیں ہوتا یا کوئی ایک آدھ آدمی وہ رقم ہضم کر جاتا ہے۔"

بہرکیف مذکورہ ڈاڑھی ناپنے کا ہنگامہ جو مجلس رضا کے خازن مذکور نے مجلس کے سابق صدر کی عاقبت نااندیشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی مدد و تائید سے ترتیب دیا تھا اس وقت مجلس کے بدخواہ خوش ہو رہے تھے، تاہم اس دوران جلسہ میں پیدا شدہ بے جا بے تمیزی اور بدمزگی کو ختم کرنے کے لئے کسی مَن چلے نے مذکورہ ہنگامہ یہ کہہ کر ختم کیا کہ اس وقت مجلس رضا کا صدر بھی تو آخر ڈاڑھی منڈا ہے۔ خیال رہے کہ مجلس رضا کا یہ آخری جلسہ یوم رضا تھا، مجلس کا قافلہ جب تک مختصر رہا یہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہا، لیکن جونہی اس میں بعض مولویوں، مفتیوں مفتریوں اور بعض خود ساختہ سجادگان بقلم خود، بمصداق ع

بے علم نتواں خدا را شناخت

اور چند بالشتیوں کا عمل دخل بڑھا، مجلس اپنے عروج کی منزلیں طے کرتی رو بہ زوال ہو گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد علماء کرام، حکیم صاحب جو فکر رضا کے امین اور علمبردار تھے، کا ساتھ چھوڑ کر حاجی صاحب کے کیمپ میں چلے گئے کیونکہ حکیم صاحب کی موجودگی میں ان مولویوں کو اپنا قد اور کاٹھ بونا نظر آتا تھا، لیکن اب صورت حال یکسر بدل چکی تھی کیونکہ حکیم صاحب کے ممدوح علماء کو حاجی

صاحب کے سنگ آستان پر وہ مرتبہ و مقام مل گیا جس کے کہ وہ خواہش مند تھے۔ حکیم صاحب خود بھی فرمایا کرتے کہ ہمارا آج کا مولوی بغیر کریڈٹ Credit کے کوئی کام سرانجام نہیں دیتا، ہماری مجلس کامیابی کی راہ پر اس لئے گامزن ہے کہ اس میں کسی مولوی کا عمل دخل نہیں ____ بدقسمتی سے مجلس کا المیہ بھی کچھ ایسے حالات پر منتج ہوا کہ حکیم صاحب نے بعض مولویوں پر اعتماد کرنا شروع کر دیا اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ اس وقت مجلس کے صدر نے اپنی دستوری ذمہ داریوں کو ہرگز پورا نہ کیا اور پھر مذکورہ ٹریجڈی (حادثہ مرکزی مجلس رضا جس نے تمام اہلسنّت و جماعت کو سوگوار کر دیا) میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا؟ چنانچہ ایک بعد میں آنے والے مرحوم صدر مرکزی مجلس رضا، حکیم محمد عارف قادری (م 1999ء) جو 1986ء کے آخری ایام میں بطور صدر مجلس میں آئے وہ اپنے مکتوب مورخہ 31- دسمبر 1986ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور کے جنرل سیکرٹری محمد نواز بٹ کے نام لکھتے ہیں:۔

"میں تقریباً" تین سال قبل مجلس رضا لاہور کو ایک دینی، اشاعتی، تبلیغی، غیر سیاسی اور دستوری ادارہ سمجھ کر اس میں شامل ہوا۔ میں اس ادارہ کو ایک عظیم ادارہ سمجھتا تھا ____ آج سے چند یوم قبل جب اس عظیم ادارہ کو قریب سے دیکھا تو اسے سیاسی اور غیر دستوری پایا۔ مجلس کا ہر شعبہ گزشتہ دو سال سے غیر دستوری طور پر چل رہا ہے۔ اس عرصہ کی کار روائیوں کو تحریر کیا جائے تو ایک نئی کتاب "اجالے سے اندھیرے تک" شائع کی جا سکتی ہے۔ ان حالات میں میں (یعنی حکیم محمد عارف قادری) مرکزی مجلس رضا لاہور کی صدارت (صدر کے عہدہ) سے مستعفی ہوتا ہوں۔"

مذکورہ بالا اقتباس میں بعد میں آنے والے مرکزی مجلس رضا کے چہارم اور آخری صدر مرحوم حکیم محمد عارف قادری جو ایک آدھ ماہ مجلس کے صدر رہے، نے مرکزی مجلس رضا کی چند سالہ سابقہ کارروائی کو مجلس کے دستور کے مطابق نہ چلائے جانے کی جانب جو اشارہ کیا اس میں دو رائے نہیں ہو سکتیں ____ بہرحال سابق سوم صدر مجلس کے پراسرار کردار اور مرکزی مجلس رضا کے مفادات کے خلاف سیاسی وابستگی اور مجلس کے کاز کو نقصان پہنچانے کا تفصیلی جائزہ مرکزی مجلس رضا کے مارچ 1984ء کے متفقہ دستور (جس طرف حکیم عارف قادری نے اشارہ فرمایا) کی روشنی میں لینا چاہیے اور یہ بے لاگ جائزہ حکیم صاحب کی حیات مبارکہ پر ترتیب دی جانے والی کتاب "ارمغان عقیدت" اور مستقبل میں حکیم اہلسنّت مرحوم پر آنے والی دیگر کتب اور مرکزی مجلس رضا کی تاریخ میں محفوظ کیا جانا چاہیے تاکہ متعلقہ کوئی گوشہ وا ہونے سے رہ نہ جائے اور ایک عمیق نظر سے مطالعہ کرنے والا کوئی تشنگی محسوس نہ کرنے پائے۔ چونکہ مجلس رضا اور اس کے بانی اور سرپرست کو الگ الگ خانوں میں بانٹا نہیں جا سکتا ____ اور اسی طرح حکیم صاحب کے معتمد حضرات گرامی کو نظر انداز کرنا بھی ایک غیر مورخانہ کوشش ہی کہلائے گی! ____ "حکیم صاحب کی یاد میں امکانی حد تک ان کے شایان شان ارمغان عقیدت کتاب کی صورت میں پیش کرنے کے لئے پاکستان بھر میں لکھنے والوں کو جو دعوت شرکت دی گئی، اس چٹھی پر 55 ریلوے روڈ لاہور کا پتہ درج ہے۔" ____ لیکن انقلابات ہیں زمانہ کے کہ حکیم صاحب جس ماہنامہ "مہر و ماہ" کے مدیر مسئول رہے۔ اب چٹھی جاری کرنے والوں نے "مہروماہ" سے نصف صدی پر محیط حکیم صاحب مرحوم و مغفور کا رشتہ اخلاص و مودت ان کے وصال کے بعد فوری ختم کر دیا ہے!!! ____ انا للہ وانا الیہ راجعون! دوسرے حکیم صاحب مرحوم کے "معتمد علماء" کے حوالہ سے یہ بڑے دکھ کی بات ہے اور کچھ توجہ طلب بھی کہ

صاحب مرحوم و مغفور کے اس خط کا مطالعہ ضروری ہے جو انہوں نے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے بانی مرحوم سید ریاست علی قادری کے نام ایک مراسلہ کے جواب میں مورخہ 21 اپریل 1987ء کو لاہور سے تحریر فرمایا، لیکن اس سے پہلے "پاکستان _____ حصار اسلام" مصنفہ پروفیسر محمد منور مرزا کی کتاب مطبوعہ لاہور 1998ء سے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں:۔

"پراپیگنڈے میں بڑی طاقت ہے۔ انسانی ذہانت نے ابلیسی کمال کے ساتھ ساز باز کر کے بددیانتی اور بے امانتی کے جن فنون میں بے پناہ ترقی حاصل کی ہے ان میں سے ایک فن پراپیگنڈہ ہے۔ پراپیگنڈے کا اصل مفہوم کچھ بھی ہو، آج اس کلمے کا مروج، بمعنی جھوٹ کی اشاعت ہے۔ جب ہم کسی خبر کو رد کرنا چاہیں تو کہتے ہیں چھوڑیئے صاحب یہ محض پراپیگنڈہ ہے لیکن وہی خبر جب مسلسل سنائی جاتی رہے تو آہستہ آہستہ اثر کرنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ خود سنانے والے کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اس نے یہ خبر گھڑی تھی یا یہ کہ اس میں صداقت کی مقدار کے مقابل دروغ کا حصہ بہت زیادہ تھا _____ رفتہ رفتہ جب وہی پراپیگنڈہ کتابوں میں داخل ہو کر "مصدقہ حوالہ" بن جائے تو پھر صداقت اللہ کے حوالے۔"

مذکورہ بالا خط کا مکمل متن قارئین کرام کی خدمت میں ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے جو حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے مرکزی مجلس رضا سے اپنے لاتعلقی کے ٹھیک آٹھ ماہ چوبیس روز بعد سید ریاست علی قادری مرحوم کے نام تحریر فرمایا، ملاحظہ ہو:

786

محترم المقام جناب سید صاحب قبلہ! زید مجدکم

وعلیکم السلام ثم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! مزاج شریف؟

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ یاد فرمائی کے لئے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔ آپ نے مجھ فقیر پر تقصیر سے متعلق جن خیالات و جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ میں قطعاً" ان کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ اگر واقعی فقیر سے کوئی خدمت انجام پذیر ہوئی ہوتی تو میرے معتمد علماء مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا عبدالحکیم شرف اور مولانا محمد منشا تابش قصوری ایک خائن و بددیانت اور خود ساختہ مولوی حاجی مقبول کے معاون و مددگار نہ بنتے اور سید شاہد علی نورانی صاحب بھی اس کے دست راست ثابت نہ ہوتے۔

حاجی کی بے پناہ بد دیانتیوں اور مجرمانہ خیانت نے مجھے مجلس سے دل برداشتہ کر دیا اور مذکورہ "نیک نہادوں" نے اس حریص و بد دیانت کی معاونت و وکالت کر کے میرے اور اپنے مابین نفرت و حقارت کی ایک حد فاصل حائل کر دی۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ میری فکر اور سوچ تو صرف اس بات پر منتج نظر آتی ہے کہ شاید میری شبانہ روز کی اس محنت شاقہ میں اخلاص شامل نہ تھا۔

خیر! جو ہوا سو ہوا، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور قوم و ملت کی نجات کے لئے کوئی مصطفیٰ کمال جیسا "بے دین" اٹھے اور ان تمام ملنٹ اللہ فی الارض کو تختہ دار پر لٹکا دے۔

یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ مصطفیٰ کمال نے جن ملاؤں کو نیست و نابود کیا تھا وہ سب "نام نہاد سنی" ہی تھے لیکن صوفیہ کرام اور علماء حق پر اس کا ہاتھ نہ اٹھ سکا۔ اس کے عہد کے ایک صوفی شیخ محمد حسین آر داسی کا خلیفہ حسین حلمی ایشق آج بھی سینہ سپر ہے۔

امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابیاں اور کامرانیاں صرف اس لئے حاصل ہوئیں کہ وہ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی کامل بھی تھے اور صوفی وہ ہوتا ہے جسے حرام و حلال کی تمیز ہوتی ہے۔ دنیا دیکھے گی کہ مستقبل میں امام اہلسنت کا ذکر بلند سے

بلند تر ہوتا رہے گا اور ہر دور میں سید ریاست علی پیدا ہوتے رہیں گے جو اس رجل عظیم کی خدمات جلیلہ سے دنیا کو متعارف کراتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

قطع نظر اس سے ایک یہ بھی حادثہ ہے کہ موجودہ الوقت سجادہ نشینان بریلی شریف بڑی فراخدلی سے خلافتیں بانٹتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی حاجی مقبول ایسے خائن و بددیانت کو بھی بریلی شریف سے خلافت مل چکی ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ ایک پریشان و پراگندہ خیالات پر مشتمل مکتوب اس لئے آپ کی خدمت میں تحریر کیا جا رہا ہے کہ آپ بھی میری طرح "مولوی" نہ ہونے کے باوجود خدمت مسلک حقہ میں مصروف ہیں۔ لہٰذا اپنے خلوص اور حلقہ احباب کو ہمیشہ جانچتے رہیں۔ رب العزت آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ کو "نظر مولویاں" سے محفوظ و مصئون رکھے۔ آمین ثم آمین

بجاہ سید المرسلین ﷺ

محمد موسیٰ عفی عنہ

حکیم محمد موسیٰ امرتسری — لاہور

55 ریلوے روڈ لاہور - 7 — 21 اپریل 1987ء

حکیم صاحب علیہ الرحمہ جہاں ان گنت خوبیوں سے مالا مال تھے وہاں ان کی یہ عادت کریمہ تھی کہ بغوائے حدیث مبارکہ کہ "لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کرو" پر عمل پیرا تھے۔ دوران گفتگو ایک روز فرمانے لگے دیکھو! ہمارے آقا و مولیٰ سید العالمین محمد رسول اللہ ﷺ نے جب لوگوں کو جمع کرکے پہلی دعوت دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ تو تمام حاضرین نے بیک زبان اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے آپ کو صادق پایا اور آپ کو امین بھی۔ پھر حکیم صاحب گفتگو جاری رکھتے ہوئے یوں گویا ہوئے کہ ایک مبلغ اور عالم دین کے لئے یہ بنیادی شرط ہے کہ وہ مذکورہ ہر دو صفتوں سے متصف ہو تو پھر لوگ یقیناً اس کی بات پر کان دھریں گے اور اس کی بات دل میں اتر جائے گی ______ ورنہ بمصداق

ع "گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں"

حکیم صاحب کو مذکورہ بالا علماء کرام سے کوئی ذاتی کد تو تھی نہیں (وہ تو اہل حق کے تذکرے مرتب کرواتے رہے) اس لئے ان کا اختلاف محض لوجہ اللہ تھا کہ انہوں نے حکیم صاحب کی نسبت ایسے شخص کو ترجیح دی جس کا کوئی جواز نہ تھا اور نہ ہی یہ بات علماء کے شایان شان تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ ایسا انسان کتب چھاپ کر دین حنیف کی بڑی خدمت سرانجام دے رہا تو معلوم ہونا چاہیے کہ دینی کتب تو ہندو اور دیگر غیر مسلم اب بھی طبع کرا کر مالی منفعت حاصل کر رہے ہیں! ______ جس کی واضح مثال جے ایس سنت سنگھ تاجران کتب لاہور کی ہے، جو قرآن مجید کا سب سے بڑا ناشر اور طابع تھا۔

الغرض مرکزی مجلس رضا کی تباہی و بربادی (جس سے یقیناً سواد اعظم کو دھچکا لگا اور اس کے سقوط سے اہلسنّت کی جمعیت کے مستقبل اور ان کی اجماع حیات پر جو مضرت رساں اثرات مرتب ہوئے ان سب عوامل سے آگاہی کی ضرورت ہے) میں جو کردار سامنے آئے ان کی ایک جھلک بتدریج آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے۔ مجلس رضا کی عمارت زمین بوس ہونے کے رد عمل کے طور پر "آہ! مرکزی مجلس رضا لاہور" کے زیر عنوان جو پمفلٹ ان ہی ایام میں منظر عام پر آیا اور اسے مرکزی مجلس امام اعظم لاہور نے طبع کیا، اس پر آشوب باب کو محفوظ کرنے کے لئے اگلے صفحات میں ہم اسے من و عن نقل کریں گے تاکہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو صحت بخش مواد کی فراہمی میں فوری استعمال کے لئے موجود حوالہ (Ready Reference) میسر آسکے اور عوام

الناس مذکورہ افسوسناک صورت حال سے آگاہ ہو سکیں۔ پیش نظر سطور قلمبند کی جا رہی تھیں کہ حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ایک معتمد ساتھی اور دیرینہ رفیق کار مکرم جناب فدا حسین فدا زید مجدہ نے اپنی ایک مندرجہ ذیل تازہ نظم مرحمت فرمائی جو بر محل ہے اور آگے چلنے سے پہلے نذر قارئین ہے، ملاحظہ فرمائیے:

آہ مرکزی مجلس رضا لاہور

آہ کس بد اصل نے پھیلائی وحشت سر بسر
مرکزی بزم رضا کو کھا گئی کس کی نظر؟

غاصب و جابر وہ حاجی بن گیا پیر مغاں
بندہ بدکار ہے وہ بے حیا و بے اصل خبر

دندناتا پھرتا ہے سفاک و ظالم روسیہ
جس کے دل میں نام کو بھی ہے نہیں خوف و خطر

حضرتِ موسیٰ کی روح پر فتوح لائے گی رنگ
دیکھنا کس طور پھرتا ہے وہ ظالم در بدر

روح عبد مصطفیٰ کا بھی ہے وہ معتوب اک
نیست و نابود ہو گا اس کا اک دن کر و فر

ہے وہ بدبخت ازل مقبول شیطان بد چلن
راندہ درگاہ ایزد ہے وہ فرد بد گہر

سرغنہ ہے رہزنوں کا دیں فروشوں کا نقیب
ہو نہیں سکتا کسی کی بات کا اس کو اثر

بیچ دے اپنا نہ کیوں وہ مذہب عز و شرف
حکم خالق سے ہے جو بیگانہ سمع و بصر

ہو گیا رسوائے عالم اے فدا وہ بد قماش
کیوں پکار اٹھیں نہ ہمدم الاماں والحذر

(باقی آئندہ شمارے میں)

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر اوشا سانیال یو کے سے راقم الحروف کے نام اپنے مراسلہ 4 دسمبر 1996ء میں رقمطراز ہیں:-

"......I am happy to enclose a copy for you with my compliments. If more copies are needed or if others wish to buy a copy please contact (or ask the others to contact) the Karachi office Oxford University Press.
If any reviews of the book are published, or any thing else connected with my book in Urdu or English, any where in Pakistan. I would be grateful if you could send me photo copies."

ڈاکٹر اوشا سانیال پروفیسر اسلامیات اور ساؤتھ ایشین اسٹڈیز، ویسٹرن واشنگٹن یونیورسٹی نے اپنے محولہ بالا انگریزی مقالہ میں امام احمد رضا کے سیاسی افکار و نظریات پر بحث کی ہے ____ راقم نے جب اس کتاب کا تذکرہ حکیم صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لئے ایک جلد خرید کرلی جائے، یہ کام صرف ہندوستان کی سرزمین پر ہی ہونا (آپ نے شاید یہ بات اس لئے فرمائی کہ پاکستان میں تو کسی حکومتی ادارے کی جانب سے نظریہ پاکستان کی مخالف جماعت جمعیت العلماء ہند پر ہی مقالہ لکھوا کر شائع ہو سکتے ہیں دو قومی نظریہ کے حامیوں پر نہیں) تھا۔ حکیم صاحب کی بہر کیف صائب رائے اور فکر کس قدر درست ہے جس کا کچھ اندازہ ان تعارفی کلمات اور تبصرہ سے ہو جاتا ہے جو جامعہ اسلامیہ، نئی دہلی کے پروفیسر اور صدر شعبہ تاریخ و ثقافت ڈاکٹر جمال الدین سید نے "پیغام رضا" ممبئی کے اول شمارہ خصوصی امام احمد رضا نمبر (1417ھ/1996ء) پر کیا ہے۔ پاکستان میں جس سفر کا آغاز آج سے تیس سال قبل روشن اسٹریٹ نیا مزنگ لاہور (مرکزی مجلس رضا کا پہلا دفتر اسی جگہ تھا) سے ہوا آج اس کی روشنی سے ایک عالم منور ہو رہا اور وہ مشن اب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیل رہا ہے، اس سفر کی ایک ادنیٰ جھلک ذیل کے اقتباس میں ملاحظہ کریجئے۔ سید صاحب موصوف فرماتے ہیں:

"مولانا رحمت اللہ صدیقی نے صحیح لکھا ہے کہ پاکستان میں تحقیقات امام احمد رضا کے سلسلہ میں زیادہ منظم کاوشیں ہو رہی ہیں اور متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں، اس ضمن میں ہندوستان میں کم کام ہوا ہے۔

گزشتہ سال ہندو نژاد نیویارک میں سکونت پذیر خاتون اوشا سانیال کی تحقیقی کتاب بعنوان

"Devotional Islam And Politics in British India Ahmed Riza Khan Barelwi and His Movement,1870-1920"

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے اصحاب فکر معاف کریں گے کہ امام احمد رضا کی فکر کے حوالہ سے اس کتاب کے علاوہ جتنی بھی تصانیف میری نظر سے گزری ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کے افکار کا تاریخی پس منظر تقریباً" مفقود ہے،' اوشا سانیال نے نو آبادیاتی عہد کے ہندوستان کی مذہبی، اصلاحی، علمی، تعلیمی اور سیاسی و سماجی تحریکوں کے سیاق میں اعلیٰ حضرت کے افکار اور ان کی تحریک کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے،' ......اس جگہ جو نکتہ قابل غور ہے وہ یہ کہ افکار اعلیٰ حضرت کا جائزہ لینے کے لئے اپنی فکر و نظر کو وسعت دینے کی ضرورت ہے۔" (بحوالہ "پیغام رضا" مفتی اعظم نمبر جنوری تا مارچ 1997ء صفحہ 352 اور 353)

تاریخ سانحہ ارتحال

جناب محسنِ اہلسنّت حضرت حکیم محمد موسےٰ امرتسری چشتی قدس سرہٗ

غازئ اسلام آہ مردِ جری
طیب الاطوار شیدائے نبیؐ

شہ سوارِ علم و حکمت الوداع
صادق عاشق امام احمد رضاؒ

کاش رفتہ محسنِ اسلامیاں
ظاہر و باطن فدائے چشتیاں

قلبِ ما را شد نظامی داغ داغ ۱۴۲۰ھ

غفر اللہ شد رواں روشن چراغ ۱۹۹۹ء

نتیجہ فکر: غلام محمد نظامی

شعبہ پنجابی

دیس پنجاب

رولا میرے کناں دا

راجا رسالو (آفس سیکرٹری)
پاکستان رائٹرز گلڈ - لاہور

میں اک دن دفتر بیٹھا کم کر رہیا ساں جے مینوں انج لگا جویں میرے ساتھیاں دیاں آوازاں مینوں چنگی طراں نہیں پیاں سنیندیاں۔ پہلاں تے میں کوئی غور نہ کیتا پر ہولی ہولی ایہ بیماری ودھن لگ پئی۔ سجناں بیلیاں تے گھر وچ بالاں دے بل تے مینوں ہلدے نظر آوندے سن پر آواز نہیں سی سنیندی۔ چھیتی ای مینوں پتہ لگ گیا پئی میں مکمل طور تے بولا ہو گیا واں۔ میں پھرن ٹرن والا تے علمی ادبی محفلاں وچ بہن کھلون والا بندہ میرے لئی ایہ پریشانی ہور ودھ گئی۔ تے مینوں پتہ لگا پئی ڈوریاں ہونا بڑا وڈا عذاب اے۔ سنیا ہویا سی پئی بولا بندہ بہشتی ہوندا اے ایس لئی تاں جے کسے دی چنگی ماڑی سنن توں بچیا رہندا اے پر ایہ گل تے دور دی سی میں تے جیوندیاں جاگدیاں ای دوزخ دی اگ ویکھ رہیا ساں۔ میں گھنٹے ادھے گھنٹے دی چھٹی لے کے میو ہسپتال جاواں پر اوتھے بیماراں دیاں لم سلمیاں قطاراں ویکھ کے مینوں ہور ہول پین۔ گھنٹے ادھے گھنٹے دی تھاں میں کئی کئی گھنٹے قطاراں وچ کھلوتا رہواں واپس آواں تے میرا باس وکھری جواب طلبی کرے۔ عجیب چکر سی۔ میں اک دن تھک ہار کے چار مہینے دی چھٹی دی عرضی دے دتی پر میرا باس میری عرضی ای اگے نہ گھلے تے آکھے یار تیری جگہ اتے بندہ نہیں لبھنا' توں آجایا کر کوئی گل نہیں' جناں کم تیرے کولوں ہوندا اے کردا رہو' ہسپتال وی ہو آیا کر۔ اوہناں ای دناں وچ اک غزل وارد ہوندی پئی جہدا مطلع ایہ سی:

ساقیا ایویں کر نہ بکھیڑے بھر کے دے گلاسی
تیرے باجھوں ہور اے کیہڑا جیہڑا رج پلاسی

ایسے غزل وچ ایہ شعر وی فٹ ہو گیا۔

نہ ہن کوک فریدی سن دی نہ ونجلی دے بول

ویلے ڈوریاں کر چھڈیا اے ایہ کیہ قہر پیا سی

ساڈے معاشرے وچ ہر بندہ ڈاکٹر تے حکیم اے۔ کسے نوں اپنا دکھ درد دسو اوہ پنج ست نسخے تے آرام نال ای دس دیوے گا۔ میرے اپنے دفتر وچ ساڈا نائب قاصد غلام محمد اے' چٹا ان پڑھ اے پر ادھی دنیا اوہنے مگر لائی ہوئی اے۔ اوہدے کول ہر بیماری دا علاج اے۔ تمے' گلو' مکو تے پتہ نہیں کیہ کیہ گھوٹ گھات کے پھکیاں تے گولیاں بنائی رکھدا اے۔ کدی کدی تے بوجھے وچ شربت دی چھوٹی جہی بوتل وی ہوندی سو۔

بقول سید وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ دے:

اٹ سٹ تے پکھڑا کوار گندل

اسیں ہور وی بوٹیاں جانے آں

گل کیہ' اک دن میرے اک ملن والے آکھیا تسی ساریاں گلاں چھڈ دیو سدھے گنگا رام ہسپتال جاؤ اوتھے اک ڈاکٹر صاحب باہروں پڑھ پڑھا کے آئے نیں تے کن' نک تے گلے دیاں بیماریاں دے اسپیشلسٹ نیں۔ ڈبا ہویا بندہ گکھاں کانیاں کولوں وی سہارا منگدا اے۔ میں پریشان ساں' میں پورے دن دی چھٹی لے کے گنگا رام ہسپتال چلا گیا۔ ماہر ڈاکٹر دے اندر باہر لمیاں لائناں' دروازے اگے اک چنگی موٹی دھون والا چپڑاسی' اوہنے ادھا بوہا کھولیا تے ادھے وچ کرسی ڈاہ کے بیٹھا ہویا سی' کسے نوں اندر ای نہ جان دیوے۔ اندروں اک مریض آوے تو اوہ اک مریض نوں چھڈ دیوے' اودھر مریضاں دیاں پیڑاں دیاں پیڑاں۔ اوتھے کھلوتیاں کھلوتیاں کسے بزرگ شاعر دا اک ٹکڑا یاد آ گیا۔

درداں دی ماری جندڑی علیل اے

کوئی نہ سن دا دکھاں دی اپیل اے

ایہ ٹکڑا ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے عدالت وچ اک پیشی دے دوران آلاپیا سی۔

بڑی مشکل نال اوس ماہر ڈاکٹر تک پہنچ ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اک دو گلاں پچھیاں اوہدے توں بعد اک آلے نال کن نوں اندروں باہروں ویکھیا۔ چھیتی نال میری پرچی اتے کجھ لکھیا تے آکھیا "گنگ محل" جاؤ جی تے اوتھوں رپورٹ لیا کے مینوں وکھاؤ۔ میں کجھ عرض معروض کرن دی کوشش کیتی پر اوہنے مینوں جھاڑ پا دتی تے دوجے مریض نوں ویکھن لگ پیا۔ اوہدی جھاڑ سن کے مینوں ڈاکٹراں دا مریضاں نال رویے دا پتہ لگا تے ایہ وی سمجھ آئی پئی اک ڈاکٹر خاص طور تے کسے مرض دے ماہر ڈاکٹر تے مریض دے وچکار کنا کو فاصلہ اے۔ اوس ویلے مینوں ڈاکٹر محمد اسماعیل بھٹی مرحوم یاد آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب امرتسر دے مہاجر سن تے اندرون ٹیکسالی گیٹ اوہناں دا کلینک سی۔ کلینک ہن وی ہے تے اوتھے اوہناں دا پتر پریکٹس کردا اے۔ باہر بورڈ اجے وی ڈاکٹر محمد اسماعیل بھٹی دا ای لگا ہویا اے۔ بھٹی مرحوم دا طریقہ کار ایہ سی پئی اوہ مریض نوں کلینک وچ داخل ہوندیاں ای دو چار لطیفے سنا دیندے سن' جہدے نال نہ صرف ایہ کہ مریض دا ڈر لہہ جاندا سی سگوں ادھی بیماری وی غائب ہو جاندی سی۔

گل کدرے دی کدرے اپڑ گئی ______ میں ماہر ڈاکٹر کولوں جھاڑ کھا کے باہر نکلیا تے کسے سیانے کولوں گنگ محل بارے پچھیا۔ اوہنے دسیا ہئی گنگ محل گلبرگ وچ گونگیاں بولیاں دا سکول اے تے ہسپتال وی' جہدے وچ گونگیاں بولیاں دی پڑھائی دے نال نال اوہناں دا علاج وی ہوندا اے۔

میں گھر آ گیا' ساری رات اوسن وٹے لیندیاں لنگاہ چھڈی' کڑھی مڑی گنگ محل دا خیال آ رہیا سی۔ فیر خیال آیا پئی محکمہ سوشل ویلفیئر والیاں مریضاں دی رہنمائی لئی ہر وڈھے ہسپتال وچ اپنا دفتر کھولیا ہویا اے اوتھے اک سوشل ویلفیئر آفیسر تے اوہدا عملہ بہندا اے۔ میرے علاقے دے سوشل

ویلفیئر افسر دا دفتر میرے گھر دے اک حصے وچ سی۔ دفتر کھلا تے میں سوشل ویلفیئر افسر مس عابدہ (ہن او مسز عابدہ خالد نیں) ہوراں نوں اپنے کناں دی کتھا سنائی تے گنگ محل دا دسیا۔ اوہناں آکھیا تہاڈی گل بالکل ٹھیک اے اوتھے میری کلاس فیلو سوشل ویلفیئر آفیسر نیں اوہ تہاڈی پوری پوری مدد کرن گیاں۔ میں گنگ محل وچ سوشل ویلفیئر دے دفتر گیا اوہ محترمہ دفتر وچ موجود نہیں سن میں اوہناں دے دفتر وچ بہہ گیا اوہ چھیتی ای آ گیئاں۔ میں اپنا تعارف کرایا اپنی رام کہانی سنائی تے نال ای مس عابدہ ہوراں دا سلام اپڑایا۔ اللہ اوہنوں خوش رکھے اوس بی بی نے بڑی مہربانی کیتی مینوں نال لے کے متعلقہ ڈاکٹر کول گیئاں، میرے کناں دا ملاحظہ کروایا رپورٹ تیار کروائی تے نال ای فیس وی ادھی کروا دتی۔

میں رپورٹ لے کے اگلے دن گنگا رام ہسپتال گیا تے مریضاں دے ہڑھ نوں چیردا چاردا اوس نک چڑھے اسپیشل ڈاکٹر دے سامنے پیش ہویا۔ اوس بڑی لاپرواہی نال گنگ محل والیاں دی رپورٹ ویکھی فیر میرے ول و یکھیا تے میری پرچی پھڑ کے اوہدے اتے نہ پڑھے جان والے دو تن لفظ لکھے تے آکھیا جاؤ بھئی تسی جناں کو سننا سی سن لیا اے ہن تہاڈا کوئی علاج نہیں۔ اوس ماہر ڈاکٹر دا ایہ رکھا پن ویکھ کے مینوں سر گنگا رام یاد آ گئے جہناں ایہ ہسپتال عوام لئی بنایا سی۔ ایہ وی خیال آیا بئی ایس ماہر ڈاکٹر دا رویہ ویکھ کے گنگا رام دی روح ضرور پریشان ہوندی ہووے گی۔

اگلے دن میں دفتر گیا میرے باس آکھیا سی اک دن دی چھٹی لئی سی تے دو دناں بعد آ گئے او فیر کوئی اطلاع وی نہیں دتی۔ میں اوہناں نوں اپنی کہانی سنائی اوہ اچھا کہہ کے بولے چلو کم کرو، دفتر نوں دفتر سمجھو' ایہ میلا رام کاٹن مل نہیں اے۔ میلا رام کاٹن مل پاکستان بنن توں پہلاں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ علی ہجویری دے دربار دے نال سی جتھے ہن کتاباں دیاں دکاناں تے مسجد اے' ایہ مل جھوں الاٹ ہوئی اوس رب دے بندے مشینری ویچ دتی تے زمین پلاٹ بنا کے وکھری ویچ لئی۔

میں فائلاں ویکھ رہیا ساں جے تھوڑی دیر بعد میرے وڈھے افسر چوہدری مختار احمد گوندل ہوراں بلا لیا۔ اوہناں اک فائل منگی سی' میں فائل لے گیا اوہ فائل ویکھ رہے سن تے نال نال میرے کولوں زبانی وی کجھ نہ کجھ پچھ رہے سن۔ مینوں جیہڑی گل سن جاندی اوہدا جواب دے دیندا نہیں تے سر جی! سر جی! کر کے چپ کر جاندا۔ چوہدری ہوراں نوں شک پیا اوہناں فائل اک پاسے رکھ دتی قلم ہتھوں چھڈ دتا تے پچھن لگے۔

"بھلوان! (اوہ پیار نال مینوں پہلوان آکھدے سن) اک گل تے دس۔"

میں آکھیا "فرماؤ جناب"

آکھن لگے "مینوں کجھ دناں توں انج لگدا اے جویں توں میری گل سن کے اوہدا کوئی نوٹس ای نہیں لیندا' جے جواب دینا وی ایں تے اوٹ پٹانگ ____ گل کیہ اے؟"

میں عرض کیتی "جناب میں نوٹس کیہ لواں؟ مینوں سن دا ای نہیں۔"

اوہ حیران ہو کے بولے "کیہ مطلب تیرا؟"

میں آکھیا "جناب میں بولا ہو گیا واں' مینوں سندا ای نہیں۔"

"تے فیر چھٹی لے کے ایہدا علاج کروا۔"

میں عرض کیتی "جناب میں چھٹی لئی عرضی دتی اے پر سپرنٹنڈنٹ میری عرضی ای تہاڈے ول نہیں گھل رہے۔"

اوہناں اوسے ویلے سپرنٹنڈنٹ نوں آکھیا پئی میری عرضی لے کے چھیتی آوَ۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب چھیتی چھیتی عرضی لے کے آئے تے پینٹ نوں اچی کردیاں ہویاں کمرے وچ وڑے۔ پہلاں تے چوہدری صاحب نے اوہنوں جھاڑ پائی بئی ایہ عرضی

بنے دن اپنے کول کیوں رکھ چھڈی اے؟ تے عرضی پھڑ کے چار مہینے چھٹی منظور کر دتی تے سپرنٹنڈنٹ نوں آکھیا ایہناں نوں اج ای فارغ کر دیو۔ میرے باس نے فیر پہلے طراں آکھیا جناب ایہناں دی تھاں تے بندہ آ جاوے تے فارغ کر دیاں گا۔ چوہدری صاحب کڑک کے بولے "ایہناں نوں اج ای فارغ کر دیو بندہ آپے لبھ لیناں۔"

میں چوہدری صاحب دا شکریہ ادا کیتا تے دفتروں چھٹی کر کے گھر آ گیا۔ گھر والیاں نوں دسیا پئی میری چار مہینے دی چھٹی منظور ہو گئی اے۔ میری مرحومہ بیگم بولی چلو چنگا ہو گیا اے لگ کے علاج کراؤ۔ بیگم دی لگ کے علاج کروان والی گل میری سمجھ وچ نہ آئی۔ کناں دے ماہر ڈاکٹر دے ایہ الفاظ "توں کافی سن لیا اے ہن انج ای گزارا کرو" کڑھی مڑی میرے ذہن وچ ہتھوڑے مار رہے سن۔

میں سارا دن نمو جھانا ہو کے گھر پیا رہیا۔ گھر والے وی پریشان سن۔ اوس دن جمعہ سی' میں شامیں نہا دھو کے "پنجابی ادبی سنگت" دے جلسے وچ چلا گیا۔ سوچیا ایس بہانے سجناں بیلیاں نوں ای مل لواں گا۔ جناں سنیا گیا اونا ای سہی۔ اجلاس توں بعد پاک ٹی ہاؤس وچ آ کے بہہ گئے۔ سید سبط الحسن ضیغم (اللہ میاں اوہناں نوں خوش رکھے) میرے کناں دا سن کے آکھن لگے "چھڈو جی ڈاکٹراں دے ماہراں نوں' نسبی جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہوراں کول جاؤ' اللہ کرم کرے گا" میں حکیم صاحب دا ناں تے بہت سنیا سی اسی لئی کہ علم و ادب دے کھیتر وچ اوہناں دا ڈاہڈا اچا مقام اے پر اوہناں نال کدی ملیا نہیں ساں۔ میں اگلے دن ریلوے روڈ گوالمنڈی وچ اوہناں دے مطب تے چلا گیا۔ اک درویش صفت بزرگ سر تے کپڑے دی ٹوپی پائی بیٹھے سن' آلے دوالے مریض تے کجھ عقیدت مند بیٹھے سن۔ ویلے ہو کے میرے ول دھیان ماریا تے پچھیا دسو کیہ گل اے؟ میں اپنا

تعارف کروایا تے ضیغم صاحب دا سلام اپڑایا۔ میرا ناں سن کے کھڑے متھے جی آیاں نوں آکھیا کول بٹھا لیا تے بولے فرماؤ! میں اپنے کناں بارے دسیا۔ اوہناں اپنے اک خدمتگار نوں آواز دتی بئی راجا رسالو آیا اے خمیرہ گاؤزبان تے شربت پیاؤ فیر ایہناں دا علاج وی کرنے آں۔ اوہ بندہ جھٹ خمیرہ لے آیا اتے چاندی دے ورق لگے ہوئے سن تے نال ای ارک جیڈا شربت دا گلاس۔ سونہہ رب دی ادھی کو بیماری تے اوسے ویلے میرے کولوں دور ہو گئی تے نالے اوہ تاپ جیہڑا گنگا رام ہسپتال دے ماہر نے چڑھا چھڈیا سی اوہ وی لتھ گیا۔ حکیم صاحب اک دو مریض ویکھ کے ویلے ہو گئے تے میں نی گلاس تو فارغ ہو گیا۔ اللہ کریم اوہناں نوں خوش رکھے اوہ میرے نال علمی ادبی گلاں کرن لگ پئے تے نالے پڑیاں بنھ دے رہے۔ اخیر دو تن دناں دی دوائی دتی تے فرمایا ایہ کھان توں بعد فیر آؤناں۔ میں پچھیا جناب کنے پیسے پیش کراں؟ بولے تسے دوائی کھاؤ پیسے اکٹھے ای لے لواں گے۔ میں اللہ دا ناں لے کے سون لگیاں اک پڑی لئی۔ پڑی دا رنگ مہندی رنگا سی۔ دوائی کھان تو بعد اج ہور تے کل ہور ـــــ مینوں بالاں دا رولا گولا سنن لگ پیا۔ دوائی مکن اتے فیر حاضری دتی۔ اوہناں اوسے طرحاں خمیرہ تے شربت پلایا تے تن دن دی فیر دوائی دے دتی۔ تیسری چوتھی وار گیا تے پچھن لگ پئے ہن پڑیاں کھان دی لوڑ ہے وے؟ میں عرض کیتی جناب لوڑ تے کوئی نہیں لگدی ایس لئی کہ میں مکمل طور تے سنن لگ پیا واں۔ فرمان لگے فیر موجاں کرو۔ ایہ پڑیاں کسے ہور سجن دے کم آون گیاں۔ میں بوجھے ول ہتھ کیتا تے عرض کیتی جناب کیہ پیش کراں؟ فرمان لگے اک گل دے پچھے نہیں پے جائی دا' جاؤ رب رب کرو۔ ایہ گل دسدا جاواں پئی خمیرہ گاؤزبان تے اوہ شربت نالو نال چلدا رہیا۔

باقی چھٹیاں میں سیر سپاٹے وچ گزار دتیاں۔ چھٹی ختم

ہوئی تے میں اپنے دفتر جا کے حاضری دتی۔ مینوں میرے آفیسر آکھیا ہئی توں بیماری دی چھٹی لئی سی ہن اوس ڈاکٹر کولوں جہدے کولوں علاج کرایا ای تگڑیاں ہون (Fitness) دا سرٹیفکیٹ لیا تاں تیری حاضری منی جاوے گی۔ میں اپنے آفیسر نوں اپنی ساری کتھا سنائی تے عرض کیتی ہئی جیہڑے ڈاکٹر دا تسی سرٹیفکیٹ منگدے او اوہنے تے مینوں آکھیا سی ہئی توں جناں کو سننا سی سن بیٹھا ایں' مطلب ایہ کہ اپنا سنن دا کوٹہ پورا کر بیٹھا ایں۔ میں سرٹیفکیٹ کدھا دیاں؟ فرماؤ تے حکیم موسیٰ امرتسری ہوراں دا سرٹیفکیٹ لیا دینا واں۔ اوہ بولے نہیں جی سرٹیفکیٹ تے ایم بی بی ایس ڈاکٹر دا چاہیدا اے۔ ایس مجبوری نوں وی کسے طراں ٹالیا تے دفتر حاضری ملی۔

پچھلے دنیں حکیم صاحب نوں سلام کرن گیا تے باہر ای میاں زبیر صاحب مل گئے اوہ دھڑا دھڑ گولیاں وٹی جا رہے سن۔ مینوں ویکھ کے نعرہ ماریا تے گھٹ کے جپھی پائی۔ حکیم صاحب اپنے مقام تے بیٹھے سن' مریضاں توں وکھ کجھ اہل ذوق بزرگ وی بیٹھے سن جہناں وچ ماہنامہ "مہر و ماہ" دے چیف ایڈیٹر ابوالطاہر فدا حسین فدا تے اوہناں دے پتر طاہر ابدال طاہر ہوری وی سن۔ حکیم صاحب بڑے پیار تے شفقت نال ملے۔ جی ڈاہڈا راضی ہویا تے رب سچے دا شکر ادا کیتا ہئی اجے تک پیار محبت تے خلوص ونڈن والے بزرگ دنیا اتے موجود نیں۔

تھوڑی دیر بعد حکیم ہوراں میاں زبیر صاحب نوں آواز لائی تے آکھیا تہاڈا گوانڈھی راجا رسالو آیا اے کوئی چاہ پانی دا سربندھ کرو۔ میں بڑی ناں نکر کیتی پر کتھوں؟ چاہ پانی دا بندوبست ہونا اسی سی تے ہو گیا۔

کافی دیر حکیم صاحب ہوراں کول بیٹھا۔ اوہناں دیاں مٹھیاں مٹھیاں گلاں سنیاں۔ ایس دوران اوہناں دو تن واری پچھیا کوئی گل تے نہیں؟ میں عرض کیتی صرف دعا دی لوڑ اے۔ ایہدے تو بعد اجازت منگی۔ اوہناں جویں کھڑے متھے جی آیاں نوں آکھیا سی اوسے طراں اٹھ کے جان دی اجازت دتی۔ ایس ویلے کسے گیت دا اک ٹکڑا یاد آ گیا جیہڑا پیش کرنا واں۔

دل والوں کی دنیا میں یہ رسم ہے کہ جب کوئی
آئے تو قدم لینا جائے تو دعا دینا

باہر آیا تے میاں زبیر صاحب اٹھ کے ملے تے فرمان لگے تہاڈے ول اک قرض اے اوہ لاہ دیو۔ میں گھبرا گیا۔ میاں صاحب اصل وچ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ دے سجادہ نشیناں وچوں نیں سیلانی تے درویش بندے نیں۔ کجھ عرصہ پہلاں اوہناں دی مین بازار داتا دربار وچ کتاباں دی دکان "رضا پبلی کیشنز" سی ہن اوہ مین بازار ای نہیں رہیا تے میاں صاحب نے وی کتاباں دی دکان ودھا چھڈی اے۔ اوس زمانے وچ میں اوہناں کولوں کتاباں لیاں سن تے پیسے نہیں سن دتے اوہناں ای دناں وچ میں اک دن میاں صاحب نوں آکھیا میاں صاحب میں کجھ پیسے دینے نیں۔ فرمان لگے میں بھل گیا واں توں وی بھل جا۔ ہن کئی سالاں بعد میاں صاحب دے مونہوں قرض دا ناں سن کے گھبرایا پر تگڑیاں ہو کے پچھیا حکم میاں صاحب! کمال مہربانی نال فرمان لگے تساں اک وار دسیا سی پئی تساں حکیم صاحب کولوں کناں دا علاج کروایا سی یاد جے؟ میں عرض کیتی بالکل یاد اے۔ فرمان لگے اوہدے بارے دو لفظ لکھ دیو تے نال ای فرمان لگے راجا جی۔ راجیاں والا وعدہ کرنا' بھلنا ناں۔ میں نہ بھلن دا وعدہ کر کے گھر آ گیا تے روٹی ٹکر توں ویہلا ہو کے کاغذ پنسل پھڑ لئی تے لکھن لگ پیا۔ ایہ دو لفظ تے نہیں چار وی نہیں ایہ اکٹھے دس صفحے نیں۔ رب کرے میاں صاحب قبول کر لین۔ اللہ بیلی۔

○ ○ ○ ○ ○

Monthly **MEHR-O-MAH** Lahore